خطبات نظامیہ

اردو

قاری محمد حسن نظامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی۔
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں۔

بدل کے نظر جو دیکھو گے زمانہ بدل جائے گا۔
اگر سوچ بدل جائے گی تو آنا بدل جائے گا۔
نہ اترا تو چاند تاروں پہ رنگ سے ہے۔
میرے آقا کو دیکھو گے تو چمکنا بھول جائے گا

فینو باربیٹون بی پی ہر گولیاں p.s 27/ والے ساتھ ماہ تک
ہسٹیریا کے مرض میں نکلوا کر دیں بعض۔ زاہدہ صدیقی 365

چاکسو 3 تولہ۔ ہلدی 3 تولہ۔ آملہ 3 تولہ
رسونت 3 تولہ۔ شہد گولیاں بنا کر

لڑکی کے لئے۔ سرخ صندل ۱ ماشہ گائے کے دودھ کے ساتھ۔

۷۸۶

خطباتِ نظامیہ گگو

قاری محمد عباس

(نوٹ) اس کاپی کی فہرست صفحہ ۴۹۹ پر موجود ہے۔

Abbas

۲۰۱۹ — ۴ — ۲

۱۴۴۰ — ۰۷ — ۲۶

موت کا بیان

ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں موت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ جو دنیا میں آیا ہے۔ وہ ایک دن جائے گا۔ جو پیدا ہوا ہے۔ اسے موت آئے گی۔ خواہ کوئی امیر ہو۔ یا غریب۔ کوئی پیر ہو یا صغیر۔ مفلس ہو یا اسیر۔ کوئی مرید ہو یا شیخ۔ جوان ہو یا بوڑھا۔ بیمار ہو یا تندرست۔ شاہ ہو یا گدا۔ مریض ہو یا حکیم۔ مسافر ہو یا مقیم۔ ہر کوئی ایک نہ ایک دن موت کے ڈنگ سے ڈسا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی ہمیں کہہ دے۔ کہ بھائی آخرت کے لئے بھی کچھ کر لو۔ آخر ہم نے مرنا ہے۔ نماز پڑھو۔ تلاوت قرآن کرو۔ حقوق اللہ کی پہچان کرو۔ اور حقوق العباد ادا کرو۔ تو ہم اسے بُرا جانتے ہیں۔ اور اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں۔ کیا ہمیں نہیں پتہ تجھے زیادہ علم ہے۔ یعنی موت کا نام بھی سننا گوارہ نہیں کرتے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ موت کو زیادہ یاد کرو۔

حضرات محترم موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ یہ ایک نہ ایک دن آکر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملٰقیکم۔ ۲۸ اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ۔ پ ۵ اور قبر بندے کو روزانہ تین دفعہ پکارتی ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ان القبر ینادی کل یوم ثلاث مرات۔ دقائق الاخبار ص ۱۱ بے شک قبر ہر روز تین مرتبہ پکارتی ہے۔ کہ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں تاریکی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ اے انسان تو نے میرے لئے کیا کچھ تیار کیا ہے ــــ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو کیوں پیدا کیا۔ آئیے۔ قرآن پاک کا فرمان سنو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ خلق الموت والحیوٰۃ ــــ اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے موت کا ذکر پہلے کیا۔ اور حیات کا بعد میں یعنی اللہ تعالیٰ نے موت کا پہلے ذکر کر کے بتا دیا۔ کہ اے انسان تو نے مرنا ہے۔ کہیں اس فانی زندگی کی عیش و عشرت میں موت کو بھول نہ جانا سامعین۔ موت کی قدر ان سے پوچھو۔ جن کے عزیز و اقارب ہمیں جدائی سنگی۔ اور سالوں۔ اس دنیا سے انہیں دائمی مفارقت دے کر چلے گئے۔ حضرت میاں محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

قسم خدا دی تے پناہ خدا دی بڑے عذاب جدائیاں
پچھلے لوگ جدائیاں کولوں مندے گئے دُہائیاں

موت ہمیں یہ سبق دیتی ہے۔ کہ اے انسان اس چار روزہ زندگی پر مان نہ کر بیٹھنا یہ ختم ہو جائے گی۔ آخرت کی فکر کر۔ جو ہمیشہ کی زندگی ہے۔ بتر المکان اسا سفر مسافر۔ توں کاہلیاں پیاں اس راہ۔

ے تینوں ہمیش وداع کرن گے شریار کے بھین بھرا ـــــــ

حضراتِ گرامی۔ انسان اس دنیاوی زندگی میں اس قدر غافل ہو جاتا ہے۔ کہ سمجھتا ہے۔ اب مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں ہمیشہ ایسے ہی اپنی جوانی کی ٹھاٹھ باٹھ اور مال و دولت میں رہوں گا۔ مجھے کوئی دکھ تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ اگر کوئی مشکل بن بھی گئی۔ تو کوئی پرواہ نہیں۔ میرے بہن بھائی۔ میرے رشتہ دار۔ میرے یار دوست سنگی اور ساتھی ہیں۔ جو میری اس مشکل کو حل کر دیں گے۔ مگر جب موت کا پیغام آجاتا ہے۔ تو پھر معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسے اکیلے آیا تھا۔ ویسے اکیلے ہی جا رہا ہے۔ سب بہن بھائی۔ رشتہ دار۔ یار دوست جو ہر خوشی و غمی میں تیرے ساتھ رہتے تھے۔ آج سب تیرا ساتھ چھوڑ گئے۔

جیہڑے کہندے سی مراں گے نال تیرے اج اونہاں دی بازیاں ہاریاں نیں۔

جیہڑے ترسدے سی دید نوں دسنے راتیں۔ اج اونہاں دی باریاں ماریاں نیں۔

وچہ باغ دے خزاں نے جڑوں دال کھوہلے پنچھی اڈ گئے مار اڈاریاں نیں۔

محمد بوٹیا چھوٹاری تک سارا کملی والے دیاں سچیاں یاریاں نیں۔

موت ہمیں درس دیتی ہے۔ اے انسان ان بہن بھائیوں۔ رشتے داروں۔ یاروں دوستوں پر گمان نہ کر بیٹھنا۔ یہ تیرے خیر خواہ نہیں ہیں۔ اگر کوئی خیر خواہ ہے۔ تو وہ تیرا نیک عمل ہے۔ جو تیری قبر اور حشر کی منزلیں آسان کر کے تجھے اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور علیہ السلام کے کرم سے جنت میں داخل کرا دے گا۔ (۱) بادشاہ کی موت۔ ایک بادشاہ بڑا جبّار اور سرکش تھا۔ جس نے ایک محل تیار کیا۔ اور اسے بڑا پختہ بنوایا۔ اور بہت سجایا۔ پھر قسم کھائی۔ کہ جو شخص اس کے قریب جائے گا۔ یا اس کی طرف بری نظر سے دیکھے گا۔ اسے قتل کرا دوں گا۔ اور بعد ازاں کئی لوگوں کو اس جرم میں قتل کروا دیا گیا۔ اس شخص اس کے بزرگوں میں سے تھا۔ اسے بڑی نصیحت کی مگر وہ نہ مانا۔ چنانچہ ایک دن بادشاہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ محل میں بیٹھا تھا۔ کہ حضرت ملک الموت علیہ السلام ایک حسین و جمیل نوجوان کی شکل میں تشریف لائے۔ اور محل کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ اور بار بار اس کی چوٹیوں کو دیکھ رہے تھے۔ کسی نے بادشاہ سے کہا۔ کہ تیرے محل کو ایک نوجوان دیکھ رہا ہے۔ بادشاہ نے دیکھ کر کہا۔ کہ یہ تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔ کوئی ناواقف یا مسافر ہے۔ جاؤ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص گیا۔ اور اسی سے یوں پیش آیا۔ کہ نیام سے تلوار نکال کر اسے مارنے کا ارادہ کیا۔ تو ملک الموت علیہ السلام نے اس کی روح

قبض کرلی۔ جس سے وہ گر پڑا۔ بادشاہ کو کسی نے آکر کہا۔ وہ دیکھو آپ کے فرستادہ کو اس نوجوان نے مار ڈالا ہے۔ بادشاہ نے غصے میں آکر دوسرے آدمی کو تلوار دے کر حکم دیا۔ کہ جاؤ اسے قتل کر دو۔ جب وہ دوسرا گیا۔ تو ملک الموت نے اس کی بھی روح قبض کرلی۔ بادشاہ کو اس دوسرے کے قتل ہو جانے کے غیظ و غضب نے محل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اور تلوار پکڑ کر ملک الموت علیہ السلام سے کہنے لگا۔ تجھے موت کا ڈر نہیں۔ ایک تو تو میرے محل کے قریب گھوم رہا ہے۔ دوسرے دو آدمیوں کو قتل بھی کر ڈالا۔ ملک الموت نے کہا۔ بادشاہ سلامت ذرا سوچ کر بولئے۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ میں کون ہوں۔ میں روح قبض کرنے والا فرشتہ عزرائیل ملک الموت ہوں۔ بادشاہ یہ کلمہ سنتے ہی کانپنے لگا۔ اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اور کہا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ یہ کہہ کر واپس ہونے لگا۔ تو ملک الموت علیہ السلام نے فرمایا۔ شاہ جی کہاں جا رہے ہو۔ میں تو آپ کے لئے آیا ہوں۔ اور اب تو آپ نے قبر میں جانا ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ صرف ایک منٹ کی مہلت چاہیے۔ تاکہ میں اپنے اہل و عیال سے کچھ بات چیت کرلوں۔ اور انہیں کچھ وصیت کر دوں۔ ملک الموت علیہ السلام نے فرمایا۔ اب تک آپ کہاں رہے۔ اب کوئی فرصت نہیں۔ یہ کہہ کر ملک الموت علیہ السلام نے بادشاہ کی روح قبض کرلی۔ اور چلتے بنے۔ مرنے کے بعد رونا کیسا؟ روح البیان صفحہ ۱۶۸ جلد ۱

(۴۲) نوجوان کی موت۔ حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ آواز آئی۔ یا دانیال توقف تو کیجئے۔ اے دانیال ذرا ٹھہریئے۔ ایک کرشمہ دیکھتے جائیے۔ دانیال علیہ السلام نے ادھر ادھر دیکھا۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔ دوبارہ ندا آئی۔ دانیال کہتے ہیں۔ میں ٹھہر گیا۔ اور دیکھا۔ ایک گھر سے مجھے کوئی بلا رہا ہے۔ میں اندر گیا۔ تو دیکھا۔ کہ ایک چارپائی موتیوں سے مرصع ہے۔ اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ چارپائی کے اوپر سے آواز آئی۔ اے دانیال آپ عجیب معاملہ دیکھنے والے ہیں۔ میں چارپائی کے اوپر چڑھ گیا اور دیکھا کہ اس کے اوپر سنہری بستر بچھا ہے۔ جو مشک و عنبر سے پر ہے۔ اور اس کے اوپر ایک نوجوان مرا پڑا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ آرام کر رہا ہے۔ اس کے اوپر نہایت شاندار پوشاکیں اور زیورات ہیں جن کا وصف بیان سے باہر ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی۔ اور سر پر سونے کا تاج ہے۔ اور کمر میں سبز رنگ کی ایک تلوار بندھی ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اس تلوار کو اٹھائیے۔ اور اس پر لکھی ہوئی عبارت پڑھیئے۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس پر عبارت لکھی ہوئی ہے۔ کہ یہ تلوار صمصام بن عوج بن عنق بن عاد بن ارم کی ہے۔ پھر کہا۔ میں نے ایک ہزار سات سو برس کی عمر پائی۔ اور بارہ ہزار باکرہ عورتوں سے شادی کی۔ اور چالیس ہزار شہر بنوائے۔ افسوس کہ یہ زندگی ظلم و ستم اور بے انصافی

اور سب عقلی سے گزر رہیں۔ میرے خزانوں کی چابیاں چار سو خچر اٹھاتے اور دنیا کے بادشاہ مجھے ٹیکس ادا کرتے
اور میری شاہی میں کوئی میرا ہمسر اور مقابل نہ تھا۔ اسی دوران میں نے ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔ مگر آج
مجھے بھوک نے ستایا۔ میں نے ایک ہزار قیمتی موتی صرف جوار کا ایک دانہ کے عوض دے کر اناج طلب
کیا۔ مجھے نہ ملا۔ انتہائی افسوس کہ آج میں بھوک سے مر رہا ہوں۔ اے دنیا والو۔ میری موت سے
نصیحت پکڑو۔ اور موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو۔ کسی دھوکہ میں نہ رہو۔ میری طرح مارے جاؤ گے۔
اب میرے رشتہ دار میرا کچھ نہ کر سکے۔ روح البیان ص ۲۱۴ پ ۱۔

بڑے بڑے شاہ زور نہاراں دنیا اندر آئے   جد پیغام مولا دا ملیا تے بستر جھاڑ اٹھائے۔

(۳۳) آخر موت آ گئی۔ حضرت خواجہ امام حسن بصری رح ایک دفعہ تجارت کی نیت سے روم گئے۔ اور جب وہاں
کے وزیر کی ملاقات کیلئے اس کے پاس پہنچے۔ تو دیکھا۔ کہ وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ کہ کیا
آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے۔ فرمایا ہاں۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل میں پہنچ گئے۔ وہاں
آپ نے دیکھا۔ کہ دیبائے رومی کا ایک بہت قیمتی خیمہ نصب ہے۔ اور اس کے چاروں طرف مسلح فوجی
طواف کر کے واپس جا رہے ہیں۔ پھر علماء اور باحشمت افراد وہاں پہنچے۔ اور خیمہ کے قریب کچھ کہہ
کر چل دیئے۔ پھر نہایت خوبرو لونڈیں زر و جواہر کے تھال سروں پر رکھے ہوئے آئیں۔ اور وہ بھی اسی
طرح کچھ کہہ کر چلی گئیں۔ پھر خود بادشاہ اور وزیر بھی کچھ کہہ کر واپس ہوئے۔ آپ نے حیرت زدہ
ہو کر جب وزیر سے واقعہ معلوم کیا۔ تو اس نے بتایا۔ کہ بادشاہ کا ایک بیٹا خوبصورت بہادر جوان مر گیا تھا۔ اور
وہیں اس خیمہ میں مدفون ہے۔ چنانچہ آج کی طرح ہر سال یہاں تمام لوگ آتے ہیں۔ سب سے پہلے فوج آ کر کہتی
ہے۔ کہ اگر جنگ کے ذریعہ تیری موت ٹل سکتی۔ تو ہم جنگ کر کے تجھے بچا لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا ممکن
نہیں۔ اس کے بعد حکماء آ کر کہنے لگے۔ کہ اگر عقل و حکمت سے موت کو روکا جا سکتا۔ تو ہم یقیناً روک دیتے
پھر علماء و مشائخ آ کر کہتے کہ اگر دعاؤں سے موت کو روکا جا سکتا۔ تو ہم روک لیتے۔ پھر حسین کنیزیں
آ کر کہتی ہیں۔ کہ اگر حسن و جمال سے موت کو ٹالا جا سکتا تو ہم ٹال دیتیں۔ پھر بادشاہ وزیر کے ساتھ آ کر
کہتا ہے۔ کہ اے میرے بیٹے ہم نے حکماء و اطباء کے ذریعے بہت کوشش کی۔ لیکن تقدیر الٰہی کو کون ٹال سکتا
ہے۔ اور اب آئندہ سال تک تجھ پر ہمارا سلام ہو۔ یہ کہہ کر سب واپس جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص
حضرات گرامی ہمیں موت کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اور دعا کرنی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ وقت موت آسانی فرمائے۔ بعد موت
کی سختی اور شرمندگی سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ حضور سید المرسلین ﷺ نے موت کی سختی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

هُوَ قَدْرُ ثَلٰثِ مِائَةِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ ط (شرح الصدور ۱۳) موت کی اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تین
سو بار تلوار ماری جاتی ہے۔ (۴) موت کی سختی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں
کو زندہ کیا کرتے تھے۔ بعض کافروں نے آپ پر اعتراض کیا۔ کہ آپ ان مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ جو ابھی مرے ہوں
ہو سکتا ہے۔ کہ وہ نہ مرے ہوں۔ ہم تو تب مانیں گے۔ اگر آپ کسی دیر سے مرے ہوئے مردہ کو زندہ کرو۔ اس
پر آپ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے جسے تم کہو۔ میں اسی کو زندہ کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کہا سام بن نوح
کو زندہ کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اور دو رکعت نفل
پڑھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سام بن نوح کو زندہ کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا تو
حیران رہ گئے۔ کہ یہ تو تو جوانی کے عالم میں مرا تھا۔ مگر یہ بڑھاپا کیسا۔ اس نے کہا۔ کہ میں نے آواز سنی تو
گمان کیا۔ کہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔ جس کے ڈر کی وجہ سے میرا سر اور داڑھی سفید ہو گئے ہیں۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کب سے مرے ہو۔ وہ کہنے لگا۔ چار ہزار سال گزر گئے ہیں۔ مگر
موت کی تکلیف ابھی تک نہیں گئی۔ (تذکرۃ الواعظین ص ۱۳۲) یہ تو تھی موت کی سختی
اس کے بعد قبر کی منزل آتی ہے۔ میت کو غسل و کفن پہنانے بعد نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد جب اسے قبر میں
دفن کر دیا جاتا ہے۔ تو پھر منکر نکیر سے سوال و جواب ہوتے ہیں۔ تو ساری زندگی کا کیا دھرا سامنے آ
جاتا ہے۔ (۵) پیسہ کا سوال۔ حضرت حسان بن ابی سنان جو ایک ولی اللہ گزرے ہیں ساٹھ
سال تک نہ لیٹ کر سوئے۔ اور نہ ہی پیٹ بھر کر اچھی غذا کھائی اور نہ ہی ٹھنڈا پانی پیا۔ جب وہ مر گئے
تو ان کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا۔ کہ سناؤ کیسے گزری کہنے لگے سب خیر ہے۔ لیکن مجھے بہشت
میں ایک سوئی کا بار بار سوال ہوتا ہے۔ جو میں نے ہمسایہ سے مانگوی لی تھی۔ مگر واپس نہ کر سکا۔
(۶) لکڑی کا تنکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گزرے تو آپ کو کسی نے قبر کے اندر سے پکارا۔ آپ
نے اسے زندہ کر کے قبر سے باہر نکالا۔ اور پوچھا تو کون ہے۔ عرض کی میں ایک بوجھ اٹھانے والا مزدور ہوں۔ ایک
دن میں نے لکڑی کا گٹھڑا اٹھایا۔ تو اس میں سے صرف ایک تنکا دانتوں میں خلال کرنے کے لئے بغیر مالک کی اجازت
کے لئے اٹھایا۔ جب سے مرا ہوں۔ اس وقت سے اب تک اس تنکے کا حساب دے رہا ہوں۔ (روح البیان ۲۶ پ ۴)
حضرات۔ سنا آپ نے کہ یہ حال ہے قبر کا حساب کا۔ حشر کو تو خدا جانے کہ کیا کیا حساب ہوگا۔ مگر ہم نے کبھی
سوچا۔ کہ ہمارا ذریعہ معاش کیسا ہے۔ اس سے حاصل ہونے والی روزی حلال ہے یا حرام اور اپنے بچوں کے لئے جو لقمہ
ہم کما کر لاتے ہیں۔ وہ جائز ذریعے سے ہے۔ یا ناجائز ذریعے سے۔ لہٰذا آپ سے معذرت۔ معاف باشاہ ہے کہ جو

بچیں گے۔ وہیں کاٹیں گے۔ اگر ہم یہ یاد رکھیں۔ کہ ہم سے پوچھا جائے گا۔ ہمارا حساب ہوگا۔ تو ان شاء اللہ
ہم اس مذموم دنیا سے بچ جائیں گے۔ یہ خیال قطعاً دل سے نکال دے۔ کہ جس اولاد کے لئے تو حرام اور
حلال کما کر لاتا ہے۔ یہ تیرا ساتھ دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ

روح نکلی تے مردہ ہو گیوں ہر کوئی پھیکوں ڈردا ___ اک پل رہن نہ دیندے مانگ رہیں جس گھر دا۔
جیہاں لئی توں پاپ کماویں اج کتھے نیں تیرے گھر دے ___ پیر دسے روہڑے وچ ہوتے ٹکڑو ٹکڑی کر دے۔

اس دنیا میں کسی کا بھروسہ نہیں۔ کہ دوپہر آئے یا نہ آئے۔ شام ہو یا نہ ہو۔ دن چڑھے یا نہ چڑھے۔ اسی لئے
تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ دنیا میں ایسے رہو۔ جیسے کوئی
اجنبی یا راہ چلتا مسافر (بخاری شریف ص ۹۴۹ جلد ۲)۔ اس لئے کہ کوئی خبر نہیں۔ کہ کب موت کا پیغام
آ جائے۔ کوئی سو سال زندہ رہ لے۔ کسی کی عمر دو سو سال ہو جائے۔ خواہ اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔
آخر ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جائے گا ہر انسان کو کہ خاقان ہو۔ یا امیر ___ سلطان ہو یا وزیر
غنی ہو یا فقیر ___ صغیر ہو یا کبیر۔ جوان ہو یا پیر۔ عاقل ہو یا غافل ___ ناقص ہو یا کامل ___
قائم ہو یا قاعد۔ قوی ہو یا ضعیف ___ کمینہ ہو یا شریف ___ فاسق ہو یا زاہد ___
کامل ہو یا جاہل ___ سب کو موت آئے گی ___ بہر حال ہمیں موت کو یاد رکھنا چاہئے۔ دعا ہے کہ
اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی موت نصیب فرمائے۔ (آمین)

ابرار خطابت ص ۱۷۵ جلد ۲ ___ برمنبر محراب۔

(AM : 9 : ۳۰ : ۵۰)

موت کا پیغام ۴۰۶

قل ان الموت الذی تفرون منہ ـــ تعلمون ۲۸/۸ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے موت کا ذکر فرمایا۔ فرمایا۔ تم فرماؤ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمہیں ملنی ہے پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ جو چھپا ہے اور جو ظاہر ہے سب کچھ جانتا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم نے کیا تھا ـــ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ شہنشاہوں پر بھی موت آئی۔ بڑے بڑے تاجداروں پر موت آئی بڑے بڑے طاقتور اور بہادر بھی اس موت کے ڈنگ سے ڈسے گئے۔ موت خالقِ کائنات کا ایسا اٹل وعدہ ہے جس میں ایک لمحہ بھر بھی تاخیر نہیں پر ضروری نہیں کہ بچہ جوان ہو اور جوان بوڑھا تب موت آئے بلکہ بارگاہ الٰہی میں انسان کے اس فانی دنیا سے کوچ کرنے کا جو وقت مقرر ہے۔ اس میں ایک ساعت کی بھی کمی بیشی نہیں ارشادات خداوندی ہے۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۔ ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے۔ جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں گے نہ آگے بڑھیں ـــ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۔ تم فرماؤ تمہارے لیئے ایک ایسے دن کا وعدہ جس سے تم ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکو نہ آگے بڑھ سکو۔ یہ تو رب العالمین ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے ادھر بچہ پیدا ہوتا ہے والدین رشتہ دار عزیز و اقارب خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں۔ ادھر اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ تو وہ ماں کی گود میں ہی چل بستا ہے۔ اسی طرح جوان کو اپنی جوانی پر ماں اور والدین کو اپنے بیٹے کی جوانی پر ناز ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے جوان بیٹے پر کئی طرح کی امیدیں لگائے ہوتے ہیں۔ مگر جب اچانک اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ تو سب امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور جوان بیٹے کی جدائی میں والدین کی کمر جھک جاتی ہے۔ حتیٰ کہ درمیانی عمر میں بوڑھے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ـــ ہے

پتر مرن نہ بڈھیاں ماپیاں دے پتر ہوندے نے ماں تراں یارو۔

پتر دین پانی موئیاں ماپیاں نوں پتر ہوندے نیں دنیا تے نشان یارو۔

حضرات محترم۔ جس طرح آج ہم میں سے کوئی اپنے بھائی کا جنازہ اٹھا رہا ہے۔ کوئی اپنے باپ کے جنازے کو کندھا دے رہا ہے۔ کوئی اپنی ہمشیرہ کو اپنے ہاتھوں منوں مٹی کے نیچے دفن کر رہا ہے۔ کوئی اپنے پیارے یار کو اندھیری کوٹھری میں اتار رہا ہے۔ اسی طرح ہم پر بھی یہ وقت آنے والا ہے۔ مگر کوئی خبر نہیں کہ کب آ جائے۔ کیا پتہ کہ ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کا موقعہ بھی نصیب ہو یا نہ ہو

مگر یہ کتنی جاہلانہ بات ہے۔ جو اکثر لوگوں سے سننے میں آتی ہے۔ کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے۔ نمازیں پڑھ لیں گے۔ افسوس صد افسوس یہ دعوی تو ہم اس وقت کر سکتے ہیں۔ جب ہمیں اپنی موت کا علم ہو تو۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت موت کو یاد کرنا چاہیئے۔ اور موت کیلئے تیاری کرنی چاہیئے۔

(۱) موت کی یاد ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی والدہ سے مل کر اپنے گھر کی مرمت کر رہے تھے۔ حالانکہ اسے مرمت کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ محض اس کی پختگی کے لئے اس پر مٹی کا لیپ کر رہے تھے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ کہ موت کو بھی یاد رکھو۔ کیونکہ تمہاری موت اس گھر کے فنا ہونے سے پہلے آ جائے گی۔ اس کی مرمت میں مشغول ہو کر یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو جاؤ۔ اور موت کو بھی یاد رکھو کیا خبر کہ پہلے یہ مکان ختم ہو یا تم۔ (مشکوٰۃ شریف) ارشاد فرمایا۔ کہ موت انسان کے سر پر کھڑی ہے۔ کوئی خبر نہیں۔ کہ زندگی کا وقت کب پورا ہو جائے اور موت کا پیغام آ جائے۔ تو موت کو دور نہ سمجھو بلکہ نزدیک سمجھو۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۵ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ حضورؐ استنجا کرتے تو فوراً مٹی سے تیمم کر لیتے تھے۔ میں عرض کرتا یا رسول اللہؐ پانی آپ سے قریب ہے۔ تو تیمم کیوں۔ تو فرمایا۔ کیا خبر شاید اس تک نہ پہنچ سکوں۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۵

اصل میں حضور سرورِ کائنات ﷺ کا یہ فرمان ہمارے لیئے ہے۔ کہ ہم لوگ اپنے اوپر اتنا بھروسہ بھی نہ کرو۔

حضرات محترم۔ کبھی ہم نے یہ سوچا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو کیوں پیدا فرمایا ہے۔ فرمانِ الٰہی پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کو نہ تو صرف دنیا کے مال و زر کے حصول کیلئے پیدا کیا۔ نہ کوٹھیوں اور مربعوں کا مالک بننے کیلئے پیدا کیا۔ نہ ہی صرف بلند و بالا مکانات کی تعمیر کیلئے پیدا کیا۔ بلکہ ربِ کائنات نے اس زندگی کو دراصل اعمالِ حسنہ کیلئے پیدا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ خلق الموت والحیاۃ ——— تملک ۲۹ پ۔ اگر کوئی سمجھے کہ انسان کو صرف کھانے اور پینے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ تو جانور بھی کھاتے اور پیتے ہیں۔ مگر مرنے کے بعد وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اگر کوئی سمجھے کہ انسان کی زندگی کا مقصد دنیا میں بہت زیادہ مالدار ہونا ہے۔ تو قارون بڑا مالدار تھا مگر آخرت میں وہ دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ اگر کوئی سمجھے کہ اس زندگی کا مقصد دنیاداروں میں اپنا نام پیدا کرنا اور بہت بڑا چوہدری بننا ہے۔ تو ابو جہل اہلِ عرب کا بہت بڑا سردار تھا۔ مگر وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے گا۔ تو آئیے سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کو کس لئے بنایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ——— بات ہے غور و فکر کی کہ یہ فانی زندگی جس کی کوئی میعاد

نہیں۔ جس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کہ کب ختم ہو جائے۔ اس کے حصول کی زیبائش و آرائش
کیلئے تو ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ مگر آخرت کی وہ زندگی جو ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اور نہ ختم ہونے
والی دائمی زندگی ہے۔ اس کیلئے کوئی توشہ نہیں۔ کوئی تیاری نہیں اسے بہتر بنانے کیلئے کوئی
فکر نہیں۔ گھر گندم سے بھرا ہے۔ لیکن تو نے اپنی قبر کیلئے ایک جو بھی نہ بھیجا۔ تجھے موت کا اتنا غم بھی
نہیں ~~جتنا~~ جتنا سردیوں کے موسم میں شہری کھیتی کے پتے جھڑنے پر تجھے غم ہوتا ہے۔

۲۔ لمحہ فکریہ۔ سوچیں کہ ایک دن ہم نے مرنا ہے۔ اور مرنے کے بعد یہ دولت ہمارے ساتھ نہیں جائے گی
یہ اولاد یہ مکانات یہ بلڈنگیں یہ دنیا کا رعب و دبدبہ یہ سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ اگر جائے گا۔ تو
عمل ساتھ جائے گا۔ لہٰذا اپنی آخرت کیلئے فکر کریں۔

اپنے جو آیا تر جاوے گا سب دولت مال لٹائے گا پھر مڑ کے کدی نہ آئے گا۔ لا الہ اللہ
کئی یار پیارے یاراں دے دلدار اپنے دلداراں دے جا لیٹے وچ مزاراں دے

اجل کے روز کو کر یاد سامان چلنے کا زمین کے فرش پر سونا اینٹوں کا سرہانا ہے۔
عزیزا یاد کر وہ دن جو ملک الموت آئے گا نہ جاوے ساتھ تیرے کوئی اکیلا تو نے جانا ہے۔

حضرت حسن رضہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے۔ کہ اے انسان تو اپنے اہل و عیال
میں چند روزہ امانت ہے۔ پھر تو نے اپنے اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ روح البیان ص ۱۸

۳۔ موت کا ذکر۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضہ فرماتی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب منبر پر تقریر
فرما رہے تھے۔ ارشاد فرمایا۔ اے لوگو۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔ جیسا اس سے حیا کا حق ہے۔ ایک
شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ تعالیٰ سے بہت حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے
حیا کرنے کا معنی یہ ہے۔ کہ بندہ ہر وقت اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے اور اپنے پیٹ اور
سر کی حفاظت کرے یعنی پیٹ میں حرام کا لقمہ نہ جانے دے۔ اور دماغ میں غلط تصور کو جگہ نہ دے۔
اور صبح شام ہر وقت زبان پر موت کا ذکر ہو۔ اور یقین کرے۔ کہ ایک دن یہی جسم مٹی میں ہوگا۔
روح البیان ص ۴۶۳ جلد ۳ ——— ابن ابی الدنیا ضحاک سے روایت ہے۔ کہ حضور ﷺ کی خدمت
میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مَنْ أَزْهَدُ النَّاسِ دنیا میں سب سے بڑا زاہد کون ہے۔
آپ نے فرمایا۔ جو قبر اور موت کو یاد رکھتا ہے۔ اور دنیا کی زیب و زینت پر دیوانہ نہیں ہے۔ اور فانی
دنیا کو آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں پر ترجیح نہیں دیتا۔ اور آنے والے دن کو اپنی زندگی کا جز نہیں

سمجھتا یعنی یقین رکھتا ہے۔ کہ اس کی زندگی عارضی ہے۔ معلوم کل ہوگا یا نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے
آپ کو مردوں میں شمار کرتا ہے۔ تو وہ سب سے بڑا زاہد ہے۔ روح البیان ص ۱۱۳ ج ۴

(۴) پل کی خبر نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت اسامہ بن زید نے حضرت زید بن ثابت رضی سے ایک لونڈی سو دینار میں ایک ماہ کے ادھار پر خریدی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اسامہ پر تعجب ہے۔ کہ اس نے اتنی بڑی امید پر لونڈی خریدی ہے کیا معلوم کہ وہ اس وقت مقرر تک زندہ بچ جائے گا۔ مجھے قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری آنکھ جھپکتی ہے۔ اور اس کی اوپر کی پلک نیچے اوپر اٹھتی ہے۔ تو مجھے امید نہیں ہوتی کہ وہ واپس آئے۔ اسی طرح جب میں منہ میں لقمہ ڈالتا ہوں۔ تو مجھے خبر نہیں ہوتی۔ کہ اس لقمہ کو نگل بھی سکوں گا۔ یا اس سے پہلے موت آجائے گی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ اے آدم زادو۔ اگر تمہیں عقل ہے۔ تو تم خود کو ہر وقت موت کے لئے تیار رکھو۔ مجھے قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تمہیں موت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ لازمًا آئے گی۔ اور تم اسے روک نہیں سکتے۔ روح البیان ص ۴۴۲

حضرت شیخ سعدیؒ بوستان میں فرماتے ہیں۔

پریشان کن امروز گنجینۂ چست کہ فردا کلیدش نہ در دست تست

آج ہی جلدی سے خزانہ لٹا دے۔ کہ کل مرنے کے بعد چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی۔ سفر کا سامان تو خود لے جا۔ اس لئے کہ تجھ پر تیری بیوی اور بچے رحم نہ کھائیں گے۔

(۵) حسرت کا رونا = امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص نے بہت سا مال جمع کیا۔ جب موت سامنے آئی تو بیٹوں کو کہا۔ میرا تمام مال میرے سامنے لاؤ۔ چنانچہ بہت سے اونٹ آتا و دیگر بہت سی اشیاء لائی گئیں۔ انہیں دیکھ کر حسرت سے رو پڑا۔ اسے ملک الموت علیہ السلام نے روتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کیوں روتے ہو۔ مجھے قسم ہے۔ اس ذات کی جس نے تجھے مالدار بنایا۔ تیرے گھر سے باہر قدم نہ رکھوں گا جب تک تیری روح قبض نہ کر لوں۔ عرض کی تھوڑی سی مہلت چاہئے۔ تا کہ میں سارا مال راہ خدا میں لٹا دوں۔ فرمایا افسوس کہ مہلت کا وقت اب تیرے ہاتھ سے نکل گیا۔ پہلے تو کہاں رہا۔ یہ کہا اور اس کی روح قبض کر لی۔ روح البیان ص ۵۴۳ جلد ۹۔

۶۔ لافانی محل = ایک بادشاہ نے نہایت عالیشان محل تعمیر کیا۔ اس پر بہت زیادہ دولت خرچ کی۔ اور اس کی سجاوٹ میں بھی کسی قسم کی کسر نہ چھوڑی۔ اپنی رعایا کو محل دکھانے کیلئے دعوت دی۔ جب ایک

گروہ کھانا کھا کر واپس لوٹتا تو ان سے پوچھا جاتا۔ کہ ہم نے اس محل میں کوئی عیب پایا۔ ہو تو بتاؤ۔ سب اس محل کی تعریف کرتے۔ آخر میں ایک گروہ آیا۔ جن کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ قرآنمت کے بعد ان سے بھی محل کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ محل میں دو عیب ہیں۔ انہیں روک لیا گیا۔ اور بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ انہیں میرے پاس لاؤ۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو بادشاہ نے پوچھا۔ اب بتائیے۔ محل میں دو عیب کون سے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ ایک یہ کہ اس محل کو ایک دن فنا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کے مالک کو موت آئے گی۔ اور وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ بادشاہ نے ان سے سوال کیا۔ کوئی ایسا محل ہے۔ جسے فنا نہ ہو اور کوئی ایسا طریقہ ہے۔ کہ اس کے مالک پر موت بھی نہ آئے۔ انہوں نے کہا ہاں وہ بہشت ہے جسے فنا نہیں۔ انہوں نے بادشاہ کو بہشت کی نعمتوں کی تفصیل بتائی۔ اور اس کے لئے بڑا شوق دلایا پھر دوزخ کے متعلق اسے سمجھایا۔ اور اس کے عذاب سے بھی آگاہ کیا۔ اور اسے اس سے بہت ہراساں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دی بادشاہ نے دعوت قبول کی۔ اور اسی وقت توبہ کرتے ہوئے سلطنت کو ترک کر دیا۔ فقیرانہ لباس و زندگی بسر کرنے پر راضی ہوا۔ اور تلاش حق میں نکل پڑا۔ (روح البیان ص ۳۶ جلد ۴)

(۷) قبر کے ساتھی = مرنے کے بعد انسان کے چار دوست ہیں۔ (۱) کلمہ شہادت۔ (۲) نماز (۳) روزہ۔ (۴) ذکر الٰہی۔ وَهِيَ تَدْخُلُ فِي الْقَبْرِ وَتَشْفَعُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی یہ چاروں بندے کے ساتھ قبر داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے ساتھی کی سفارش کریں گے۔ اس کے ساتھ رہیں گے۔ اسے اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ یعنی یہ چاروں نہ صرف قبر کے ساتھی ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے ساتھی کی سفارش بھی کریں گے۔ اور لطف یہ ہے کہ مرنے کے بعد یہ چاروں اپنے ساتھی کو کسی وقت بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ حضرات گرامی! جس طرح بندے کے دوست چار ہیں۔ اسی طرح دشمن بھی چار ہیں۔ (۱) مال۔ عیال۔ اولاد۔ دنیا کے دوست مگر یہ فرق ہے کہ دوست قبر میں ساتھ رہیں گے۔ اور جو دشمن ہیں۔ وہ ساتھ چھوڑیں دیں گے۔ اور یہ میت کے ساتھ قبر میں نہیں جاتے۔ بلکہ بندہ قبر میں اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔ عقلمند کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی قبر کی تنہائی کے لئے کچھ سوچے اور قیامت کے دن کا لباس تیار کرے قیامت کے دن کا لباس تقویٰ و طہارت ہے۔ اور انسان کا بہترین ساتھی عمل صالح ہے۔ موت ایک دن آنی ہے۔ اور سب کو آنی ہے۔ مگر خوش قسمت ہیں وہ جنہیں مدینۃ الرسول میں موت آ جائے۔ اور مدینہ شریف

کا مدفن نصیب ہو جائے۔ (۸) در رسولؐ پر موت۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیارِ عجم کا ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ جس میں چار ہزار گھوڑے سوار تھے۔ ان کا امیر لشکر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو مقرر فرمایا۔ اہل لشکر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اس قلعہ کے قریب پہنچے وہ ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اہل لشکر کہتے ہیں۔ کہ ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن وہاں تک ہتھیار پہنچانے کا کوئی سبب نہ تھا۔ اس قلعہ کے اندر کفار کا لشکر تھا۔ اور امیر لشکر ایک عورت تھی۔ جو نہایت حسینہ وجمیلہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہم قلعہ کے محاصرہ سے بہت تھک گئے۔ کیونکہ کفار پر ہتھیار استعمال کرنے کا کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ ایک دن کفار کی امیر لشکر نے ہمارے لشکر کی طرف ایک دریچہ سے جھانک کر دیکھا۔ تو اس کی نظر ایک عربی نوجوان پر پڑ گئی۔ جو بہت حسین وجمیل تھا۔ اسے جنگی مہارت بھی کافی حاصل تھی۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ کفار کی امیر لشکر اس نوجوان کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اور دن بدن اس کے عشق میں پگھلنے لگی اس کی محرم راز نوکرانی نے سبب پوچھا۔ اور کہا۔ کہ آپ ہماری ملکہ ہیں۔ اور قلعہ کے اندر محصور ہیں۔ آپ پر فوجوں کا زبردست پہرہ ہے پھر بھی آپ آہیں بھرتی ہیں۔ اس نے کہا مجھے فکر ہے۔ کہ اس قلعہ کو فلاں نوجوان فتح کر لے گا۔ نوکرانی نے کہا۔ وہ کیسے۔ اس نے کہا۔ دیکھ لے اب چند منٹوں کی بات ہے۔ یہ کہہ کر ملکہ نے اپنا ایلچی اس جوان کے ہاں بھیجا اور کہا۔ کہ کوئی ایسی صورت بھی ہے۔ کہ شرعی میری ملاقات ہو جائے۔ نوجوان نے ایلچی کو جواب دیا۔ کہ اسے جا کر کہہ دو۔ کہ دو شرطوں پر شرعی میری ملاقات ممکن ہے۔ باہر والا قلعہ ہمیں دے دے۔ اندر والا کسی کو دے۔ ملکہ کو جواب پہنچا۔ تو اس نے دوبارہ ایلچی بھیج کر وضاحت چاہی۔ کہ باہر والا قلعہ تو میں سمجھ گئی ہوں۔ کہ یہی شاہی تمہارے سپرد کر دوں۔ لیکن اندر والے قلعے سے کیا مراد ہے۔ اور کس کو دینا ہے۔ اس نوجوان نے سمجھایا۔ کہ اندر والے قلعے سے تمہارا دل مراد ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ ملکہ نے یہ سن کر جواب بھیجا۔ نوجوان کو کہو۔ کہ اپنا لشکر قلعہ کے اندر لے آئے۔ میں یہ قلعہ تمہارے قبضہ میں دے چکی ہوں۔ جب لشکر اسلام اندر پہنچا۔ تو اس نوجوان نے ملکہ کو اسلام پیش کیا۔ اس نے کہا چونکہ میں ایک بڑی ملکہ ہوں اس لئے میں اسلام اس کے سامنے قبول کروں گی۔ جو تمہارا امیر ہو۔ اس نوجوان نے کہا۔ کہ اس وقت تو ہمارا امیر لشکر حضرت عبداللہؓ ہے۔ جو ہمارے خلیفہ کا بیٹا ہے۔ ملکہ حضرت عبداللہ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور انہیں بھی یہی سوال کیا۔ ملکہ نے کہا۔ مجھے ان کے ہاں بھیج دو۔ جب وہ ملکہ حضرت عمرؓ کے ہاں حاضر ہوئی۔ تو وہاں بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے اس سے

فرمایا۔ کہ ہم سب کے بڑے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ ان کی مشیر الوزر ہے۔ ملکہ نے کہا میں
انہی کے حضور میں اسلام قبول کروں گی۔ چنانچہ یہ کہہ کر حضور ؐ کے روضہ اطہر کی طرف چلی۔ اور آکر سلام
عرض کیا نہایت ہی با ادب اور پر سکون ہو کر بیٹھ گئی۔ اور پڑھا۔ اشہد ان ـــــ ورسولہ۔ اور
کہا کہ اب میں ظلمات سے نکل کر نور میں داخل ہو گئی۔ یا رسول اللہ ؐ مجھے خوف ہے۔ کہ میں اب ایمان
قبول کرنے کے بعد گناہوں میں ملوث نہ ہو جاؤں۔ لہذا میری درخواست ہے۔ کہ آپ میرے لیے دعا
فرمائیے۔ چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے۔ تاکہ مجھے
گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی موت دے دے۔ یہ کہہ کر اس نے۔ نبی اکرم ؐ کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا۔ اور
وہیں پر وفات پا گئی۔ حضرت عمرؓ اس کے حسن خاتمہ کو دیکھ کر رو پڑے۔ اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا
اور اسے جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (اردو ایمان ص ۱۰۲ جلد ۳)

ے گر وقت اجل سر تیری چوکھٹ پہ دھرا ہو ـ جتنی ہو قضا ایک ہی سجدہ میں ادا
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت شہادت اور ایمان کی موت نصیب فرمائے۔

ابرارِ خطابت ص 198 جلد ۶

بروز اتوار
۲۵-۱۱-۲۰۰۷
۱۳-۱۱-۱۴۲۸ AM ۱۰:۲۶:۳۵

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور تعلیم نسواں

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ پر نزول وحی کا آغاز اقراء کے لفظ سے فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی گئی اور اسے وہ کچھ سکھایا گیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اس طرح پیغمبر آخرالزماں ﷺ نے علم سے نا آشنا عرب کے ماحول میں ایک علمی تحریک کی ابتداء کی۔

اس مدرسہ علم و حکمت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ علم میں رسوخ کے بلند تر درجے کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ علم میں رسوخ کے لیے سمع و بصر اور قلب و ذہن سے بھی کام لینے کا درس دیا گیا۔ اور اگر کوئی ان ذرائع سے علم حاصل کرنے سے محروم رہا تو اسے چوپائے سے بھی بدتر قرار دیا گیا اور فرمایا گیا کہ یہ لوگ چوپائے سے بھی بدتر ہیں (القرآن) خالق کائنات نے جس انسان کو احسن تقویم قرار دیا۔ اگر وہ علم و حکمت کے تقاضوں کے مطابق اپنا تزکیۂ نفس اور علم سے اپنے آپ کو آراستہ نہ کر سکے تو پھر وہ انسانیت کے پست ترین مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی برپا کردہ علمی تحریک ابتداء میں انقلابی تبدیلی کے ذریعے فکر و نظر کو بدل کر رکھ دیتی تھی۔ اس علمی تحریک کا مقصد محض حروف والفاظ کی نوشت و خواند نہ تھی بلکہ عمل صالح کا حصول تھا۔ یہ اسی علمی تحریک کا فیضان تھا کہ جاہلیت کے ماحول میں نکل کر نور توحید کی روشنی میں آنے والے حضرات مشرف صحابیت سے متصف ہوئے۔ اور انہوں نے زندگی کے ہر ہر میدان میں عظیم کارہائے نمایاں انجام دیے ان نیک دل افراد نے ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کی۔ اور پھر ان کی پاکیزہ سرگرمیوں سے اسلامی ریاست کے خدوخال واضح ہوئے۔ اس اسلامی ریاست میں تعلیم اکتساب مال تجارت نہ تھی۔ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق تعلیم ہر مسلمان کے لیے لازمی تھی۔ اور اس کے حصول کے لئے کسی کو کوئی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ تعلیم بلا معاوضہ تھی۔ اور عمر کی قید کے بغیر ہر شخص ہر عمر میں باقاعدہ طالب علم بن کر علم حاصل کر سکتا تھا۔ اسلام سے پہلے دوسری تہذیبوں میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے بہت پریشان کن تصویر سامنے آتی ہے۔ ان سے نہایت تحقیر آمیز سلوک روا رکھا جاتا۔ سامان تجارت کی طرح ان کی خرید و فروخت ہوتی۔ بسا اوقات دوسرے سامان کی طرح انہیں بھی وراثت میں تقسیم کر لیا جاتا۔ عورتوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ رسالت مآب ﷺ نے ایسے حقوق عطا کئے جس سے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ در اضافہ ہوا۔ تاریخ انسانی میں تعلیم نسواں کے ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ ﷺ کی کوشش کے

کے نتیجے میں خواتین کو اسلامی معاشرے میں ایک باعزت اور باوقار مقام حاصل ہوا۔ تعلیم کے سلسلے میں زبان رسالت سے یہ ارشاد جاری ہوا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے (الحدیث) اس حکم میں مرد یا عورت آزاد یا غلام چھوٹے یا بڑے امیر یا غریب غرضیکہ کسی نوع کی کوئی تخصیص نہ تھی۔

آپ کے تعلیمی احکام کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں تعلیم نسواں کا آغاز ہوا جس سے دنیا کی دوسری تہذیبیں بھی متاثر ہوئیں۔ جبکہ قدیم معاشروں میں عورتوں ہی پر نہیں بلکہ مردوں پر بھی تعلیم کے دروازے بند تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے اور مختلف علوم وفنون کے ساتھ فن کتابت سیکھنے کی بھی ترغیب دی۔

آپ کے عہد رسالت میں معاشرے کے تمام طبقات کو تعلیم کا حق حاصل ہوا۔ ہفتے میں ایک دن آپ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے مخصوص فرمایا اور ان کے لئے ایک علیحدہ مقام کا تعین بھی فرمایا۔ جہاں خواتین حصول علم کے لئے آتیں۔ اور آپ سے سوالات کرتیں۔ اور آپ ان کے جوابات ارشاد فرماتے تھے ــــ دین و شریعت کے بعض امور و مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق عورتوں کے مخصوص مسائل سے ہے۔ اور جن کے بارے میں عورتیں بہر دوں سے پوچھتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہیں۔ ازواج مطہرات ان مسائل کے سلسلے میں حضورؐ سے معلوم کر کے عورتوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔

ہجرت سے پہلے مکی زندگی میں تریپن (۵۳) برس تک آپؐ نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضہ کی رفاقت میں زندگی گزاری۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ تو عورتوں کی خصوصی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے متعدد نکاح فرمائے۔ ان نکاحوں کا ایک بڑا مقصد عورتوں کو دینی احکام و مسائل سے آگاہ کرنا بھی تھا۔ یہ تمام امہات المومنین صحابیات کو دینی تعلیم دیتی تھیں۔ ان میں سے ام المومنین حضرت حفصہ نے شفا بنت عبداللہ سے جو ان کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ کتابت کا فن سیکھا۔ (ابوداؤد) ــــ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ دین و شریعت کے فہم۔ اجتہاد۔ استنباط مسائل حفظ احکام دین و شریعت میں تمام ازواج مطہرات میں ممتاز تھیں۔ انہیں علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ حدیث تفسیر فقہ شعر و ادب۔ علم الانساب۔ علم الفرائض۔ اور طب میں ید طولیٰ حاصل تھا ــــ ام المومنین حضرت عائشہ کے لئے دین و شریعت کا علم حاصل کرنے کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ جناب رسول اللہ معلم شریعت خود گھر میں تھے۔ اور شب و روز آپ کی صحبت میسر تھی۔ مسجد نبوی میں روزانہ تعلیم و ارشاد کی مجلس منعقد ہوتی تھیں۔ جو حجرہ عائشہ سے بالکل متصل تھی۔

اسی بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو وعظ و تلقین فرماتے اور درس دیتے۔ وہ اس میں شریک رہتی تھیں اگر کبھی دوری کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو حضور علیہ السلام جب حجرۂ پاک میں تشریف لاتے تو دوبارہ پوچھ کر تشفی فرمالیتیں۔ کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں۔ اس کے علاوہ خود حضرت عائشہ صدیقہ کی عادت یہ تھی۔ کہ ہر مسئلے کو بے تامل حضور ؐ کے سامنے پیش کر دیتی تھیں۔ اور جب تک تسلی نہ ہو جاتی اس وقت تک برابر آپ سے معلوم کرتی رہتیں۔

ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے حضور ؐ سے دریافت کیا کہ کفار و مشرکین اگر کوئی عمل صالح کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا اجر و ثواب ان کو ملے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ عبداللہ بن جدعان مکہ مکرمہ کا ایک نیک اور رحم دل مشرک تھا۔ اس ~~علاقہ~~ اسلام سے پہلے قریش کی باہمی خون ریزی کے انسداد کیلئے اس نے تمام رؤسائے قریش کو اکٹھا کر کے صلح و صفائی کے لئے ایک مجلس قائم کی تھی جس میں خود حضور ؐ بھی شریک تھے۔ حضرت عائشہ ؓ نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ ؐ عبداللہ بن جدعان جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا۔ غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ کیا یہ عمل اس کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ نہیں عائشہ اس کی زبان سے کسی دن بھی یہ نہیں نکلا کہ خدایا قیامت کے دن میری خطائیں معاف کر دینا

نکاح میں عورت کی رضا مندی بھی لازمی ہے۔ کنواری لڑکی اپنے منہ سے رضا مندی کا اظہار کرتے شرماتی ہے۔ اس سلسلے میں ام المومنین حضرت عائشہ ؓ نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں عورت سے اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی اجازت ضروری ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا۔ وہ تو شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کی خاموشی ہی اس کی طرف سے اجازت ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعتدال کے ساتھ کام کیا کرو۔ لوگوں کو اپنے سے قریب کرو۔ اور انہیں خوش خبری سناؤ کہ لوگوں کو ان کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ حضرت عائشہ ؓ کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ جو لوگ معصوم ہیں۔ وہ تو شاید اس سے مستثنیٰ ہوں۔ پوچھا یا رسول اللہ ؐ کیا آپ کو بھی نہیں فرمایا ہاں۔ لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اور اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے (صحیح بخاری)

عام طور سے عورتیں معمولی گناہوں کا خیال نہیں کرتیں۔ آپ نے حضرت عائشہ ؓ کو مخاطب کر کے فرمایا عائشہ معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے متعلق بھی باز پرس ہوگی (مسند احمد ۔۔۔ ۷)

علمی حیثیت سے ام المومنین صدیقہؓ کو نہ صرف عام عورتوں پر نہ صرف امہات المومنین پر نہ صرف خاص
خاص صحابہ پر بلکہ چند بزرگ صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام پر فوقیت حاصل تھی۔ ترمذی میں ابوموسیٰ اشعری
سے روایت ہے۔ کہ ہم صحابہ کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی۔ جس کو ہم نے حضرت عائشہؓ سے
پوچھا ہو۔ اور ان کے پاس سے اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں (ترمذی)

حضرت عطا بن ابی الرباح تابعی جن کو متعدد صحابہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کا کہنا
ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ صاحب علم۔ اور عوام میں سب سے
صائب الرائے تھیں (مستدرک للحاکم) امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے۔ اور جنہوں نے
جلیل القدر صحابہ کرام کے آغوش میں تربیت پائی تھی۔ وہ کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ تمام لوگوں میں
سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے مسائل معلوم کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج
۲ ص ۲۶) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ جو خود جلیل
القدر تابعی ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا جاننے والا اور آیتوں کے
شان نزول سے واقف، فرائض میراث اور مسائل فقہیہ کا واقف حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو
نہیں پایا۔ عروہ بن زبیر کا قول ہے۔ علوم قرآن، فرائض، حلال وحرام فقہ ادب و شعر طب عرب
کی تاریخ اور علم الانساب کا حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷

حضور ؐ کی ازواج مطہرات میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ احادیث کے ذخیرے میں صحابہ کرام اور صحابیات
کے سوالات اور آپ کے جوابات کثرت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ جن سے آپ کے ارشادات کی حکمت و موعظت
واضح ہوتی ہے جب کسی عمدہ سوال پر آپ سائل کی تحسین بھی فرماتے تھے۔ اگر کوئی سوال پیش اہم ہوتا تو
آپ حاضرین کو اس سوال کی طرف متوجہ کرتے اور پھر اپنے جواب میں سب کو شریک کر لیتے۔ آپ سائل
کی پوری طرح تشفی فرما دیتے تھے۔ آپ کا انداز تعلیم نہایت شفقت و محبت سے بھرپور ہوتا تھا
ہزاروں صحابہ اور صحابیات نے آپ سے مختلف مواقع پر مختلف قسم کے سوالات کئے اور آپ
نے نہایت محبت بھرے انداز میں ان کے جوابات عنایت فرمائے۔ آپ نے کبھی بھی کسی سوال کے جواب
میں غصے کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ کے جوابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے جواب کے ذریعے مخاطب
کی پوری طرح تشفی فرما دیتے تھے۔ آپ ایک ایسے معلم اعظم تھے۔ جن کے استدلال اور اسلوب
سے سائل ہر طرح سے مطمئن ہو جاتا۔ اور اس کے ذہن میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا تھا

بعض اوقات مختلف قبائل کے وفود آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ فرماتے۔ ان کے اندر پائی جانے والی خرابیوں کی طرف ان کی توجہ دلاتے آپ کی مختصر تعلیم اور دلنشین انداز ان کی زندگیوں میں ایک انقلاب برپا کر دیتا تھا۔ اپنے صحابہ کرام اور صحابیات کو بھی آپ نے طلبہ کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی آپ خود بھی طالب علموں کو بشاشت مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عنقریب تمہارے پاس مختلف اطراف سے لوگ علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق خوش آمدید خوش آمدید اور انہیں تعلیم دینے میں شفقت سے کام لینا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ النساء رکھا۔ نساء کا مطلب ہے عورتیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں وراثت کے مسائل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک سورۃ ہے سورۃ النور جس میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کا بیان ہے۔ اور عورتوں کے لیے پردے کے احکام ہیں۔ ایک سورۃ مبارکہ کا نام ہے سورۃ مریم جس میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے تلقین کی ہے کہ وہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ کی مثالی زندگی کو اپنے سامنے رکھیں۔ مدینہ کی اولین اسلامی ریاست میں بچوں اور عورتوں کی تعلیم کیلئے خصوصی درسگاہیں قائم تھیں۔ تاریخ انسانیت میں عورتوں کی تعلیم کا آغاز خود عورتوں ہی کے ذریعے آپ ہی کے دور میں ہوا۔

اس اولین اسلامی ریاست نے تعلیم کو عوام کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ عوام کو ریاست کی تعلیم پالیسی کے تابع کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کے سو فیصد لوگ ایک تعلیم یافتہ معاشرے کے فرد تھے۔ اس تعلیمی تحریک کے روح رواں اور سربراہ آپ تھے۔ ——— انسانی شخصیت کی نشوونما میں تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر، خدوخال محض الفاظ اور معلومات پر مبنی تعلیم پر نہیں۔ بلکہ یہ اخلاقی اقدار اور ایک صالح سیرت کا تقاضا کرتے ہیں۔ آپ نے اسی چیز کو اس انداز میں بیان فرمایا۔ کہ میں مکارم اخلاق کی تعلیم و تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں (الحدیث)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ اسلام نے جس تعلیم کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ وہ وہ تعلیم ہے۔ جو لوگوں کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور پاکیزہ بنانے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ انہیں ایک ایسے معاشرے کا فرد بناتی ہے۔ جو اس معاشرے کی اصلاح کیلئے ~~ہر وقت~~ [illegible]

کوشاں رہتے ہیں۔ یہ تعلیم انہیں دینِ اسلام کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے بھی روشناس کراتی تھی۔
اور ان کی شخصیت کو ایک صاحب کردار مسلمان کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔

یہ آپ ﷺ کی تعلیمی حکمت عملی ہی کا اعجاز تھا۔ کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری ہی میں بیسوں علوم و فنون کی سینکڑوں کتابیں عربی زبان میں تصنیف و تالیف کی جا چکی تھیں۔ مسلمان ایک ہزار برس تک دنیا میں ایک سپر پاور کی حیثیت سے حکمران رہے۔ مگر انہوں نے کسی قوم کا استحصال نہیں کیا۔ اور اپنے زیر نگین علاقوں کے لوگوں کو اپنی غلامی کے شکنجے میں نہیں جکڑا۔ آپ ﷺ کی عطا کی ہوئی تعلیمی عمل کے نتیجے میں دنیا نے ایک صالح تہذیب کا نمونہ دیکھا۔ اور انسانی حقوق کا ایک اعلیٰ و ارفع تصور انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ اور صدیوں تک یورپ کی درس گاہیں مسلمانوں کے علوم و فنون سے خوشہ چینی کرتی رہیں۔ جناب نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ آپ ﷺ ہر وقت دعوت و تبلیغ کے کاموں میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم و تربیت پر حد درجہ زور دیا جاتا تھا آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے۔ کہ آپ ﷺ ایک کامل ماہر تعلیم تھے۔ اور انسانی نفسیات کا گہرا شعور رکھتے تھے۔

قرآن مجید کی وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کرام کو لکھوا دیتے۔ صحابیات میں سے بھی کئی خواتین یہ خدمت انجام دیتیں۔ اس طرح وحی ربانی کتابت کے مراحل سے بھی گزرتی رہی اور صحابہ کرام اور صحابیات کے سینوں میں بھی محفوظ ہوتی رہی۔ جناب نبی کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواتین کی تعلیم اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صحابیات حصول علم کے لئے حضور ﷺ کے کاشانہ نبوت پر حاضر ہوتیں۔ اور پردے کی اوٹ سے کبھی براہ راست حضور ﷺ سے اور کبھی ازواج مطہرات کے توسط سے علم دین سیکھتیں۔ عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ عورتوں کا مردوں سے اختلاط پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے ایک اسلامی ریاست میں عورتوں کی تعلیم کے لئے مردوں سے الگ انتظام ہونا چاہئے۔ اسی طرح عورتوں کے تعلیمی نصاب کو بھی ان کی طبعی اور نفسیاتی کیفیات کے موافق ہونا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی

کرم اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔ ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب جوامع السیرہ میں لکھا ہے کہ صحابیات میں کم از کم بیس ایسی ممتاز خواتین تھیں۔ جو صاحب فتویٰ فقیہہ تھیں۔ عہد خلافت راشدہ میں خواتین کی الگ سے درس گاہیں قائم تھیں۔ جن میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ تعلیم دیتی تھیں۔ ان درس گاہوں میں مرد حضرات بھی حاضر ہوتے اور پردے کی اوٹ سے مسائل معلوم کرتے تھے۔

محمد حسام اللہ شریفی ـــــ جنگ مڈویک میگزین ۱۰ مارچ ۲۰۰۹ء

۲۲-۴-۲۰۰۹
۲۵-۴-۱۴۳۰
PM : ۴ : ۱۴ : ۴۴ : (WE)

۴۰۸ (راستے کے بیان میں)

پیارے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جو آگ کے بچھونے پر بیٹھے تھے۔ اور دوزخ کی آگ ان کے جسم اور کپڑوں کو جلا رہی تھی۔ اور تکلیف کی وجہ سے چلا رہے تھے۔ فرمایا یہ کون ہیں۔ جن کو اتنا شدید عذاب دیا جا رہا ہے۔ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ یہ آپ کی امت ہیں۔ جو دنیا میں ایک دوسرے کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ یہ وہ پیارے ہیں۔ جو راستے میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ سنہری اور اصلاحی بیانات ص ۸۵ ۱

۲۔ ایک مرتبہ حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے حقوق کی وضاحت اس طرح فرمائی۔ کہ مَنْ آذٰی جَارَہٗ لَعْنَۃُ اللہِ وَالْمَلٰئِکَۃُ وَالنَّاسُ اَجْمَعُوْنَ۔ جو آدمی اپنے پڑوسی کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔

ضیاء الواعظین ص ۲۷۹

۳۔ ایسی دو چیزیں جو موجب لعنت ہیں ان سے بچو۔ یعنی لوگوں کے راستے میں پیشاب کرنا اور ان کے راستے سائے میں پیشاب کرنا۔ (۲۶۴۸۵)

(مسند احمد بن حنبل۔ مسلم و ابو داؤد عن ابی ہریرہ)

۴۔ جو شخص راستے میں مسلمانوں کو اذیت پہنچائے اس پر لعنت واجب ہو جاتی ہے۔

(رواہ الطبرانی عن حذیفہ بن اسید) ۲۶۴۸۶

۵۔ ایسی تین جگہوں سے بچو جو لعنت کا سبب بنتی ہیں۔ سایہ دار جگہ۔ جہاں کوئی سایہ لینے بیٹھتا ہو۔ یا راستے میں۔ (رواہ احمد عن ابن عباس) ۲۶۴۸۸

۶۔ جس شخص نے مسلمانوں کے راستے میں پاخانہ پھیلایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اس کے فرشتوں کی لعنت ہو۔ اور سب کے سب لوگوں کی لعنت ہو۔ رواہ الطبرانی (فی الاوسط والحاکم عن ابی ہریرہ) (۲۶۴۹۱)

کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال

علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری۔

(۴۵۷) ——— ۹۲۵

۷۔ جانوروں کے ساتھ نرمی یعنی رحم کرنا۔ ابی ہریرہ سے روایت۔ ایک آدمی نے کتے کو پانی پلایا۔ (صحیح بخاری کتاب الادب) جلد ۳ ص ۳۷۵

۸۔ حضرت نعمان بن بشیر کا بیان ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو دیکھو گے۔ کہ وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے، محبت رکھنے، اور شفقت کا مظاہرہ کرنے میں ایک جسم کی طرح ثابت ہوں گے۔ چنانچہ جسم کے جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے، تو سارا جسم جاگنے اور بخار وغیرہ میں اس کا شریک ہوتا ہے۔ ص ۳۷۶
مشکوٰۃ ص ۵۳۱ جلد ۲

۹۔ حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ ص ۳۷۷/۳
جامع ترمذی ص ۹۰۳ جلد ۱۔

۱۰۔ حضرت سعید بن ابی شریح سے روایت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم۔ ایمان والا نہیں۔ تین بار۔ عرض کی گئی یارسول اللہ کون۔ فرمایا جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے بے خوف نہیں۔ ص ۳۷۸/۳ کتاب الادب بخاری

۱۱۔ راستہ میں بیٹھ کر دوسروں کو ایذا پہنچانے والوں کا حال۔
بیان (پ ۸ ۱۸ رکوع کا حوالہ) حدیث کا مصنف عبدالرزاق جزء اول ص ۲۷

۱۲۔ حضرت ابو درداء سے روایت ہے۔ نبی اکرم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے بھائی کی عزت کو ہتک سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ سے بچائے گا۔
جامع ترمذی ص ۹۰۵ جلد ۱۔

۱۳۔ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک آدمی راستہ پر چل رہا تھا۔ اس نے کانٹے دار شاخ دیکھی، اس کو اس نے ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول فرمایا۔ اس کو بخش دیا۔ جامع ترمذی ص ۹۱۵ جلد ۱

شرح صحیح مسلم ص ۲۳۴ جلد ۳

۱۴۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے۔ مسلم و بخاری۔ راستے سے کانٹا۔ ہڈی۔ اینٹ پتھر۔ گندگی۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جس سے کسی مسلمان راہ گیر کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اسکو ہٹا دینا نیکی ہے۔

مرآۃ جلد ۳ ص ۹۴

۱۵۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ دو لعنت کے کاموں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ لعنت کے کام کون سے ہیں۔ فرمایا وہ جو لوگوں کی راہ یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرے۔ —— یعنی جن دو کاموں کی وجہ سے لوگ کرنے والے کو طعنا لعن کرتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ راستہ عام طور پر یہاں مسلمانوں کا گزرگاہ ہے۔ یا جس سایہ میں لوگ دھوپ کے وقت عموماً بیٹھتے لیٹتے ہوں وہاں پاخانہ کرنا اس سے سب کو ہی نقصان ہوتا ہے۔ لوگ بھلا برا کہتے ہیں۔

مرآۃ جلد ۱ ص ۲۶۰

دورانِ عبادت توجہ الی اللہ ۴۰۹

ڈاکٹر طاہر القادری

(اہمیت تقاضے اور اثرات) (05-11-2009)

ابتدا واذکر ربک اذا نسیت (کہف ۲۴) ، محترم مشائخ علمائے کرام.
آج کی اس مجلس میں میں جس نکتے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ساتھ۔ بندے کے تعلق کی تین شکلیں ہوتی ہیں۔ یا یوں کہیے کہ تین شکلیں ہو سکتی ہیں۔ وہ تعلق جب اللہ تعالیٰ سے ہو تو وہ تعلق کی نفی کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر اس تعلق کو کاٹ دینے کا تقاضا کرتا ہے۔ جو تعلق اللہ کے تعلق کے منافی ہو۔ جو تعلق بندے کا بندے کو اللہ کی اطاعت سے عباد سے دور لے جائے۔ ایسے ہر تعلق سے دور ہونے کا تقاضا کرتا ہے (تعلق باللہ) ہماری زندگی ایک بہت بڑی قسم کی دوری کا شکار رہتی ہے۔ ہمارا نظام حیات دوری کا شکار رہتا ہے۔ وہ اس وجہ ہمارے دینی زندگی میں۔ روحانی زندگی میں ایک تضاد اور تصادم کی کیفیت رہتی ہے۔ (۲۸ - ۳) کہ ہم زندگی کے کسی گوشے میں اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں۔ اللہ سے التجا کرتے ہیں۔ اللہ کے سامنے ہم اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک طرف ہماری زندگی میں ایک یہ گوشہ ہے نیکی کا۔ دوسری طرف ہماری زندگی میں۔ بیک وقت بدی کا اور برائی کا۔ نافرمانی کا خلاف ورزی کا اللہ کی بندگی کے منافی ایک گوشہ پایا جاتا ہے۔ اور بدقسمتی یہ ہے کہ ہم کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چل رہی ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی میں نیکی کا گوشہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق کا گوشہ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گوشہ۔ کار خیر کا گوشہ زندگی میں ایک حصہ بن جاتا ہے۔ اور ہم اس پر خوش ہو جاتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ ہم بڑے اہتمام سے گزشتہ دور میں جاتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے محفل ختم صلوٰۃ النبی ﷺ میں جاتے ہیں ہم یوں سوچتے ہیں۔ ہم اپنے گھر میں بھی حلقۂ درود قائم کرتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے محفل میلاد کرواتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے گیارہویں شریف کرواتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے حضور داتا صاحب ہر جمعرات کو حاضری دیتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے حضور غوث الوریٰ میں حاضری دیتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے ختم شریف کرواتے ہیں لنگر میں پیسے ڈالتے ہیں۔ ہم بڑے اہتمام سے ہر سال عمرہ کرتے ہیں مدینے جاتے ہیں۔ ہم یوں سوچتے ہیں ہم بڑے اہتمام سے حج کرتے ہیں۔ ہم اتنا صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ الغرض ہزاروں نیکی کے کام ہیں۔ جو انسان اللہ کی توفیق کے ساتھ انجام دے سکتا ہے

تو ہمارا نیت سے یہ ہو جاتا ہے کہ ہم یہ کرتے ہیں۔ ہم یہ کرتے ہیں — مگر ہم یہ کرتے ہیں مسجد میں، کرتے ہیں — یہ ایک کوشش ہے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو طریقہ ہے اُسی پہ زندگی گذارے گا۔ یہ عمل دینی عمل دین عمل منبع ضرور ہم نے حاصل کر لیا۔ اس طرف ہمارا دھیان نہیں ہوتا۔ کہ یہ کام جو کرتے ہیں مگر ان کاموں کی مقبولیت کی کچھ شرائط ہیں۔ ان کاموں کی ایک بات تو ذہن میں رکھ لیں کہ جو آدمی کوئی بھی نیک کام نیک نیتی سے کرے گا اس کو اللہ پاک اس کا اجر و ثواب دے گا۔ اجر و ثواب — تو اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو نہیں روکتا — لیکن کہ اس کی مثال ذہن میں رکھ لیں۔

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے اللہ اکبر کہا ہے۔ وہ نماز میں شامل ہو گیا ہے اور پوری نماز میں دھیان ایک لمحہ بھی اللہ کی طرف نہ ہوا — صرف زبانی — نماز ادا کرتا رہا۔ اور اپنی ارکان اور اپنی حرکات و سکنات کو ادا کرتا رہا۔ مثلاً۔ ثنا پڑھی۔ الحمد پڑھی۔ ایک ورد لگاتا رہا — پھر اللہ اکبر کر کے سبحان ربی العظیم — ایک ورد کر دیا۔ سمع اللہ لمن حمدہ کر دیا — سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ ہو گیا — پھر تشہد — حتیٰ کہ یوم یقوم الحساب تک جا پہنچا — اور سلام پھیر دیا — زبان سے نماز یاد ہے ہر ایک کو۔ بڑی خاص بات ہے ذرا توجہ سے سنیں۔ نماز یاد ہے ہر کسی کو اس کو پڑھ رہا ہے۔ اب اس نے نماز کی چار رکعتیں پڑھ رہا ہے — وہ اس کو پتا ہے رکوع سجود کا پتا ہے۔ قیام قعود کا بھی پتہ۔ قعدہ کا بھی پتہ ہے۔ جلوس کا بھی پتہ ہے۔ سلام کا بھی پتہ ہے۔ پتہ کیا ہے۔ وہ ایک مشق ہے جو ادا کر رہا ہے۔ وہ نماز کی ادائیگی کا دھیان نہیں ہوتا ہے۔ یاد رکھ لیں نماز کے پڑھنے قیام کے دوران شروع سے کرنا۔ تسبیحات کے کرنے تشہد کے پڑھنے۔ اور نماز کی رکعتوں کو پورا ادا کرنے کی طرف دھیان کرنا۔ ایک الگ چیز ہے۔ اور اللہ کی طرف دھیان کرنا یہ الگ چیز ہے۔ تو چونکہ اس کا کچھ دھیان تو نماز کی طرف تو ہوتا ہے۔ کہ میں نماز ادا کر رہا ہوں۔ لہٰذا وہ نماز پوری کر دیتا ہے۔ اور جو اس کے اندر پڑھنا ہے وہ بھی پڑھ دیتا ہے۔ سلام پھیر دیا۔ یہ اس کی عادت ہے۔ یہ اس کی زبان کی مشق ہے۔ اس کے دھیان کی مشق ہے تجربہ ہے۔ اسے کمپلیٹ کرنا۔ اب اللہ کی طرف توجہ اس کی پوری نماز میں نہیں رہی کہ بعض اوقات وہ سوچتا کہ پہلی دو رکعتوں فلاں لڑکا آ گیا تھا۔ تو وہ ہمیں ذہن میں آتے رہتے ہیں۔

اگر کسی کے ساتھ دفتر میں کچھ شدید گرما گرمی ہو گئی تھی - کسی نے زیادتی کر لی - تو وہ منظر اور زیادتی وہ پہلی یاد آ رہی تھی ــــ دوستوں کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی تو وہ باتیں بھی یاد آ گئیں - سودا لینے چلے گئے انار کلی یا مال روڈ پر وہاں شوروم تو وہاں کوئی کچھ بحث کر آیا - بھول گیا دکاندار کے پاس دکاندار نے پیسے زیادہ چارج کر لیئے - جھگڑا کیا - وہ نہیں مانا - واپس آ گیا - یہ باتیں بھی یاد آ رہی ہیں - امتحان میں طالب علم بیٹھے تو پیچھے سے سنے میں تیاری اچھی نہیں - وہ بھی یاد آتا رہا ــ الغرض سو دکھ سکھ میں معاملات زندگی کے وہ بھی یاد آتی نماز میں - کسی کو کوئی بات کسی کو کوئی بات تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اللہ یاد آتا تو اس کے دوران کوئی اور چیز یاد نہ آتی - ایک وقت میں ایک ہی چیز یاد آتی ہے ــــ

پہلے اولیاء و صلحاء تابعین اللہ والوں میں ایسے بھی گزرے - کہ کسی کا عضو خراب ہو گیا اور معالجین نے ڈاکٹروں نے اس زمانے کے سرجنوں نے کہا کہ اس کو کاٹ دو یا ضروری ہے جیسے آجکل کینسرز ہو جاتے ہیں - تو اس زمانے کوئی کینسر وغیرہ کا علاج تو نہیں تھا - مگر تکالیف تو ہوتی تھی نا ــــ کاٹنا ہے - تو انہوں نے کہا کہ اب ایسا کرتے ہیں - ان کو کہا گیا کہ آپ کو بے ہوش کرنا ہے - نہیں میں بے ہوشی کی دوائی نہیں لیتا ــ میری نماز گزر جائے گی ــ میری نماز کا وقت قریب ہے - تو طالب علموں اور مریدوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں جب نماز کا وقت آئے تو یہ نماز میں شامل ہو جائیں تو پھر آپ کاٹ دیں - (۲۶ ــ ۱۲) م انہوں ~~کہا کہ کاٹیں~~ انہوں نے نماز شروع کی - اور معالجین نے بازو کاٹ دیا - اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو خون بکھرا پڑا تھا - پوچھا یہ کیا ہے - نماز کے بعد درد محسوس کی

امام مالک رحمہ اللہ امام بخاری کے واقعات مشہور ہیں - کہ مجلس حدیث میں ۱۰ بار بچھو ڈنک نے کاٹا - بلکہ رنگ متاثر ہوتا مگر آپ نے درس منقطع نہیں کیا - اس میں منہمک رہے حضرت سیدنا غوث اعظم رحمہ اللہ کے ایک دو بیٹے وفات پا گئے تو طلباء درس - آپ درس دے رہے ہیں اپنے مریدوں کو طلباء کو حاضرین کو جنازہ لا کے رکھ دیا گیا - بتا دیا کہ بیٹے کی وفات ہو گئی ہے - جنازہ آیا جا رہا ہے - تو آپ متوجہ رہے اس درس میں - ارشاد و ہدایت کا جو کام کر رہے ہیں مخلوق خدا کے لیے سب توجہ اس کے اندر گم ملا رہی ـــ فارغ ہو گئے تو بتایا حضور بیٹے کا جنازہ آ گیا ہے - تو اس وقت آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا - اور جنازہ پڑھا دیا - یہ تو میں نے دو تین مثالیں

دین بہت اونچی دین ہیں۔ تو اس لئے نہیں دیں کہ آپ اندر میں اس درجے کی توجہ کو
حاصل ہو جائیں۔ آپ کو بتایا ہے اتوجہ جب ایک طرف ہو جائے تو بندے کا یہ عالم ہوتا
ہے۔ مگر میں تو ادنیٰ درجے کی توجہ سمجھا رہا ہوں۔
آپ ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ باتیں اس لئے سمجھا رہا ہوں کہ پھر آپ
سوچیں کہ ڈرامے کے وقت آپ کی توجہ اتنی ہو جاتی ہے کہ کچھ اور یاد نہیں رہتا۔ تو نماز اور
عبادت ڈرامے جتنی توجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ سوچنے والی بات ہے سوچئے۔
ڈرامہ دیکھتے ہیں خطاب سنتے ہیں یا کوئی اور ٹی وی پہ پروگرام لگا لیتے ہیں۔ کسی ایک مجلس
میں بیٹھے ہوتے ہیں دوست احباب گپ شپ کر رہے ہیں۔ گپ شپ کی مجلس میں دیکھیں کتنی
اتنا مصروف اور متوجہ ہوتا ہے کہ دو گھنٹے سارے کام بھول جاتے ہیں۔ کچھ یاد نہیں رہتا۔
تو گپ شپ آپ کی دلچسپی کو اتنا ڈائنٹ کر دیتی ہے۔ کہ کوئی اور چیز یاد نہیں
ڈائرکٹ
رہتی۔ تو نماز اس گپ شپ کی مجلس سے بھی کم دلچسپی کا باعث ہے کیا آپ
کی توجہ کو اتنا بھی ڈائرکٹ نہ کر سکے کہ سب کچھ بھول جائیں۔ یہ اللہ کے ساتھ تعلق کی قسم
ہے۔ کہ تعلق ہمارا اس قسم کا ہے کہ جسم ہمارا بعض اوقات میں۔ یہ لمحے تو ہوتا ہی نہیں ہے
اللہ سے جڑا ہوا۔۔۔ اونچے درجے کے لوگ ہیں۔ کہ جن کا ہر لمحہ اللہ کے ساتھ وہ جڑے
رہتے ہیں۔ پوری زندگی جڑے رہتے ہیں اللہ کے ساتھ۔ دنیاوی کام کر رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے ہر کام
کے اندر ان کی نیت ہوتی ہے ان کا ارادہ قلب ان کا موجد ان کی قلبی توجہ۔ اللہ کے ساتھ
جڑی رہتی ہے۔ یہ اگلا سٹیپ ہے۔ اگلا درجہ ہے۔ (۱۶ — ۶)
ہم بھی اللہ کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں پہلے جب نیت سے آ گئے تو اللہ اور رسول کے ساتھ
تعلق ہو گیا۔۔۔ نماز پر چلے گئے خواہ مسجد میں یا گھر میں جب مسجد میں آ گئے۔ وضو کیا تو
اللہ سے تعلق جڑ گیا۔ ہمارا سا تو اوقات میں فکس قائم ہیں۔ دنیا داری زندگی میں
جب بندہ اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ جوڑتا ہے تو شکر کرنے سے نجات کے لئے بندہ اپنے آپ
کو اللہ سے جوڑتا ہے۔ دائمی اوقات بھی نہیں ہیں بندے کے شب و روز بھی دائمی نہیں
نماز روزہ۔ تسبیح۔ شب بیداری وغیرہ وغیرہ۔ اعمال صالحہ سے تعلق جوڑتا ہے۔ تو کتنے
تعجب کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتے ہیں۔ اس لمحے بھی اس کی توجہ

اچھی نہیں ہوتی ۔۔۔ یا زبان کان اور طرف ہیں یا ہاتھ باندھ کے کھڑے ہیں اس کے سامنے
یا قرآن کے سامنے بیٹھے ہیں یا تسبیح ہاتھ میں ہے۔ پڑھ رہے ہیں۔ اور زبان کا تعلق ہے کہ
کچھ ادا کر رہے ہیں۔ اور جسم کا تعلق ہے کہ کچھ سجدہ رکوع قعدہ وغیرہ۔ یا شعور میں
اپنے آپ کو گھما رہے ہیں۔ آپ بدل رہے ہیں اپنی مختلف عادتیں۔ کبھی کھڑے ہیں کبھی بیٹھے
ہیں ۔۔۔ کبھی جھکے ہیں۔ تو آپ کا یہ تغیر ابدان ہو رہا ہے آپ کے جسم کا۔ اعضاء
بدل رہے ہیں۔ یعنی مشق کر رہے ہیں اور زبان سے پڑھ رہے ہیں۔ قرآن پاک جملہ
پاک اور حدیث پاک میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا انما الاعمال بالنیات
کہ اعمال کی مقبولیت کا۔ انحصار نیت پر ہے۔ نیت اس کا طلب کا ارادہ
مطلب کی توجہ۔ کو کہتے ہیں۔ عمل کو نہیں کہتے ہیں ۔ عمل ہوتا ہے جو ظاہر میں ہم کرتے
ہیں ۔۔ اس کو نیت نہیں کہتے ۔ آپ نماز پڑھ رہے ہیں نفل پڑھ رہے ہیں۔ اس
نفل پڑھنے کو نیت نہیں کہتے ۔ نیت تو دل کی توجہ کی کیفیت ہے ۔ یہ دل کا ارادہ
ہے۔ دماغ کی ایک سوچ ہے ایک جہت ہے۔ ہم کیوں پڑھ رہے ہیں۔ اس کے پیچھے
کیا خوف کار فرما ہے۔ کیا تڑپ ہے۔ کیا دھیان کار فرما ہے۔ اس کو نیت کہتے ہیں
اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کے قرب کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں
پڑھ رہے ہیں۔ اللہ سے معافی کے خواستگار ہو کر پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کو راضی کرنے
کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ اپنا حق بندگی ادا کرنے کے لئے اللہ کے حضور پڑھ رہے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ
میں خود کو حاضر کرنے کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ یہ جو چیزیں دل و دماغ میں آ گئیں ہوں۔ اس کو
نیت کہتے ہیں =۔

عمل کر رہے ہیں فرائض۔ واجبات مستحسن۔ وغیرہ کر رہے ہیں۔ مگر اس کے پیچھے
نیت وہ نہیں ہے جس کا ذکر میں نے پیچھے کر دیا ہے فقط اللہ کی رضا مقصود ہو۔ صرف
اللہ کی قربت کی تلاش کے لئے ۔۔۔ صرف اللہ کو منانے کے لئے! یہ نیت نہ ہو کہ اس عمل
سے میرا یہ کام ہو جائے گا۔ اس عمل سے میری یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ اس عمل سے مجھے یہ!
ملازمت مل جائے گی ۔۔ یہ رکا ہوا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میری یہ پریشانی کا حل نکل آئے گا۔
بیماری دور ہو جائے گی نیت میں یہ چیزیں نہ ہوں۔ تو اس عمل کی کوالٹی نیچے آ گئی ۔۔۔ ۔

عمل وہی تھا مگر کو الٹی خراب ہو گئی ۔ یہ جو فرق آیا ہے ۔ یہ عمل کے ساتھ تو اس کی نیت
کا فرق ہے ۔ کئی لوگ وہ ہوتے ہیں جو نیت تو صرف زبان سے کرتے ہیں ۔ دل میں
نیت ہی نہیں ہوتی ۔ جو مولوی صاحب نے بچپن میں اردو میں پڑھائی تھی ۔ نیت کرتا
چار رکعت کی پڑھتا واسطے اللہ تعالیٰ کے خانہ کعبہ کی طرف منہ ——
ہم نے ان کلمات کو یاد کر لیا ہے ۔ اردو میں کر لیا ۔ کچھ عربی میں کر لیتے ہیں
نَوَیْتُ بِاَرْبَعِ رَکَعَاتِ صَلٰوۃَ الظُّہْرِ صَلٰوۃَ الْفَرِیْضَۃِ خَلْفَ الْاِمَام ۔ مُتَوَجِّھًا
اِلَی الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃ ۔ یہ سب عبارات ہیں ۔ عربی میں کر دو ۔ اردو میں کر دو ۔
پنجابی میں کر دو ۔ ان عبارات کا کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ مگر یہ پورا ہو جاتا ہے ۔ ہمارے
ہاں نیت کا معنی صرف یہ رہ گیا ہے ۔ اور جس نیت سے میں بحث کر رہا ہوں ۔ وہ
سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے ۔ یہ صرف نماز پڑھنے کی نیت ہوتی ہے ۔ یہاں فرق سمجھیں
ٹھیک ہے نماز پڑھنے کی نیت اس وجہ سے نماز ہو گئی ۔ بس ۔ کیا کر رہے ہو
میں نماز پڑھ رہا ہوں ۔ نماز کی نیت ہو گئی ۔ کہ نماز کس نیت سے
ان دو میں فرق ہے زمین و آسمان کا (سو ۵۳ — ۴۴) کہ یہ نماز کس وجہ سے پڑھ رہا
ہے بندہ ۔ کس نیت سے پڑھ رہا ہے ۔ کس غرض سے پڑھ رہا ہے ۔ ~~فقہ کی کتابیں~~
~~اس نیت پر بحث کرتی ہیں صرف اس نیت کی نیت پر بحث کرتی ہے~~ کہتا ہے
کہ میں جو اس نیت سے پڑھ رہا ہوں نماز ۔ بات ختم ہو گئی ۔ لیکن اس نیت کی نیت ہے ۔
نِیَّتُ نِیَّتِہٖ ہے ۔ فقہ کی کتابیں اس نیت پر بحث کرتی ہیں صرف کہ نیت کر لیں
نماز پڑھنے کی ۔ فقہ کی کتاب صرف اس نیت پر بحث کرتی ہے ۔ ہماری کتاب اس
نیت پر بحث نہیں کرتی کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں ۔ وہ اس نیت پر بحث کرتی ہے کہ نیت کی نیت
پر بحث ہے ۔ وہ یہ تو نہیں کہ نماز پڑھ رہے ہیں ۔ کیوں پڑھ رہے ہیں کس غرض سے پڑھ
رہے ہیں ۔ اس کی طرف آقا علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے ۔ انما الاعمال بالنیات ۔
وہ ہے اصل نیت پر جو ہم نیت کرتے ہیں نماز کی یہ ہے ظاہر نیت ۔ جس نیت سے
میں بحث کر رہا ہوں وہ ہے باطن نیت ۔ تو دیکھیں ہمارا سارا تکیہ و بھروسہ
انحصار سارے کا دیکھیے ظاہر تک رہ گیا ۔ اب اندازہ کریں کہ نیت خود باطنی

یہ چیز تھی یہ تو باطنی چیز تھی ہم اس باطنی چیز سے بھی ظاہر چیز کو پکڑ لیا۔ اور اس کے باطن کو
بھی چھوڑ دیا ۔ اس کا باطن کیا تھا حضور علیہ السلام نے فرمایا صحیح مسلم جلد ہفتم 1985
حدیث ۶۲۴۸ ۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے۔ کہ تم کیسے ہو جھکے ہو۔ سجدے
میں جا رہے ہو۔ تمہاری شکلیں کیا ہیں یہ نہیں دیکھتا۔ نہ تمہارے اعمال کی شکل و صورت و ترتیب
کو دیکھتا ہے۔ نہ تمہارے اموال کو مال و دولت کو دیکھتا ہے۔ وہ جس نیت سے ہم نے تکبیر کہہ دیا
تھا ما تو ہم نے زبان سے کر دیے ہیں۔ تو اللہ پاک نے فرمایا حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا
مطابق نہ وہ تمہاری زبان کو دیکھتا ہے۔ کہ زبان سے کیا کر رہے ہو۔ زبان سے کہا تو وہ تو ظاہر ہو گیا
تو ما نیت سے بھی ظاہر ہو گیا ہے جو زبان سے کہا ہے۔ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور
دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو۔ کہ جو عمل کر رہے ہیں۔ آپ اس عمل کی حقیقت کیا ہے اور
اس کی بیک گراؤنڈ کیا ہے کس غرض سے کر رہے ہیں کس ارادے سے کر رہے
ہیں۔ کیا مقصود اور مطلوب ہے آپ کے پیش نظر۔ جب نماز کا ابتدا اس کے تابع
نہیں ہے۔ تو نماز کا دورانیہ اور نماز کا اختتام اس کے تابع کیسے ہو گا۔ پھر اس وقت
ہوگا کہ جب نیت اللہ کے حضور حاضری کی نیت ہو گی ۔ اس کے حکم کی تعمیل اس کی
بارگاہ میں حاضری اس کی بندگی کیلئے۔ اس کے بلاوے پر لبیک کہہ کر۔ مالک اور
بادشاہ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کی اطاعت ہے اور اس سے ہمکلامی
ہے ۔ تو آپ کی نماز کی ابتداء ہی اللہ سے ہمکلامی ہے۔ اب ثناء کے کلمات
کو پڑھیے ۔ آغاز اللہ کو بلانے سے ہی کر رہے ہیں۔ سبحانک اللھم وبحمدک
سارے کلمات ہی خطاب کا صیغہ ہے۔ سبحانک اللھم۔ اے اللہ تو پاک ہے۔۔۔
تیری حمد ہے تیری ثنا ہے تیری عظمت ہے تیری بزرگی ہے۔ تو نماز میں اندر ہوتے ہی بندہ
اللہ سے ہمکلام ہو جاتا ہے۔ جب ثنا ۔ سارے کلمات اول تا آخر ہر لفظ میں
ہر جگہ آپ اللہ کو پکار رہے ہیں۔

اب یہاں میں ایک مثال دوں۔ کہ کتنا عجیب لگے گا۔ کہ آپ کسی بڑے سے بات کر
رہے ہوں تو اپنے والد سے اپنے استاد سے اپنے شیخ سے اپنے قائد و رہبر سے حکمران
لیڈر سے جس کی عزت و احترام آپ پر واجب ہے۔ اور آپ کے دل میں ہے۔ اس کے سامنے

کھڑے ہوں۔ جیسے بار بار بات کرتا کسی صدر مجلس کے سامنے تھا۔ تو صدر مجلس
میں اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ یہ کھڑا ہوا ہے کوئی بات مجھ سے کرنا چاہتا ہے جب
کھڑا ہوتا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ اس وقت اس کا کوئی دھیان دنیا کی طرف
نہیں ہوتا۔ وہ صرف صدر مجلس سے مخاطب ہے ہمکلام ہے۔ وہ کھڑا ہوتا
ہے ہاتھ باندھ کر جب کہا اللہ اکبر۔ اونچی آواز سے اللہ کو پکارا اور سبحانک اللھم۔
اے اللہ تو پاک ہے۔ تو جب پکارا تو اللہ رب العزت خاص اسی کی طرف متوجہ
ہے کہ میرا بندہ کھڑا ہو گیا ہے۔ میرے حضور میری مجلس میں کھڑا ہو گیا ہے۔
میری بارگاہ میں اور مجھے پکار کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔

مثال۔ کسی شخص کو کہا۔ کہ حضور میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ تو بات اس
سے کر رہے ہیں اور دھیان کسی دوسری طرف ہے۔ آنکھ کسی اور طرف اشارہ دے رہی ہو
ذہن کسی اور طرف ہو۔ وہ تو دو چار جملوں میں محسوس کر لے گا۔ وہ کہے گا پہلے
آپ اپنے دماغ کو حاضر کر لیں۔ آپ تو غیر حاضر ہیں۔ بات مجھ سے کر رہے ہیں دھیان
آپ کا کسی اور طرف ہے۔ تو آپ کے انداز گفتگو سے یہ معلوم ہو جائے گا۔ یہ تو
یہاں بھی لوگ محسوس کر لیتے ہیں۔ کہ آپ جو بات کر رہے ہیں۔ دھیان کسی
دوسری طرف ہے۔ میں تو ہمیشہ محسوس کر لیتا ہوں ———

تو یہ دنیا کی عادت ہے۔ کہ بات کریں تو ذہن حاضر نہ ہو تو محسوس
کر لیتے ہیں۔ اور یہ خلاف ادب ہے۔ خلاف ضابطہ ہے۔ کوئی یہ بات گوارہ نہیں
کرتا۔ تو آپ اندازہ کریں۔ کہ کتنی یہ بات کہ آپ اللہ کے حضور متوجہ ہو گئے۔ اللہ اکبر
کہہ کے۔ اور پھر اس کو پکار بھی لیا۔ سبحانک اللھم۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ پکار لیا۔ اللہ پاک بھی
متوجہ ہو گیا جی میرے بندے۔ بول کیا کہتا ہے۔ اللہ کو متوجہ کر لیا۔ اب اس کے حضور کھڑا ہو جا
اور گفتگو کے لئے دھیان اس کا کسی دوسری طرف ہے۔ دھیان آپ کا دنیوی امور کی طرف
ہے۔ آپ اندازہ کریں۔ اہل ادب اور اہل باطن کے ہاں۔ اور اہل صفا کے ہاں کتنی بڑی
بے ادبی ہے اللہ کی بارگاہ میں۔ تو ہم نماز ہر روز پڑھتے ہیں یا اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں۔
یہ نکتہ سمجھایا ہے میں نے کہ ہمارا تعلق یہ ہے۔ کہ کتنی بڑی بے ادبی ہے۔

کہ ہم جب اس کے حضور بیٹھے ہوتے ہیں جب بھی۔ جب ہم اپنا سب کچھ نکالتے ہیں حضور الٰہ
کے لیے۔ اللہ کی بارگاہ کی حاضری کے لیے ـــ اور اس لمحے کہ ہم حاضر نہیں ہوتے اس کے
پاس۔ دل وہاں چھوڑتے ہیں۔ ذہن کسی دوسری طرف کرتے ہیں۔ جب لوگوں کے ساتھ
بات کرتے ہوئے ہم اتنے انگیج ہوتے ہیں۔ آپ ایک لمحہ ذرا تصور ایسا سوچیے۔
کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ کہ اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے۔ اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔
اس سے گفتگو شروع کر دی۔ اللہ کا کلام پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کی تسبیح شروع
کر دی سبحان ربی العظیم — اے میرے رب تو سب سے زیادہ عظیم ہے۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ اس
کو بلائے جا رہا ہے۔ ذہن کسی اور طرف ہے۔ گویا اللہ کے ساتھ معاملے میں اتنی ہماری
دلچسپی بھی نہیں۔ کہ جو ایک کسی شخص کے ساتھ گفتگو میں ہوتی ہے (۲۱-۳۴)
۲- اللہ کی بارگاہ کی حاضری میں — عبادت میں ہماری اتنی دلچسپی بھی نہیں کہ وہ ہماری توجہ
کا ملکہ اپنی طرف اتنا جذب کر سکے جو ڈرامہ دیکھتے ہوئے یا ڈرامے سنتے ہوئے۔ دوستوں
کی گپ شپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوتی ہے۔ ہم ہر مجلس میں بیٹھتے ہیں تو سب کچھ بھول
جاتے ہیں۔ مگر جب اللہ کی مجلس ہو تو اس کے حضور میں آتے ہیں تو سب کچھ یاد کر لیتے ہیں۔
حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت وہ جگہ ہے جہاں سب کچھ بھول کر آئے۔
یہ جو آیت کریمہ جو میں نے پڑھی ہے واذکر ربک اذا نسیت ۵ کہف ۲۴
جب تو اللہ کو یاد کرے۔ تو شرط یہ ہے کہ کامل نسیان اللہ کے بغیر ہر چیز کا ہو چکا ہو —
جب تو اس کا نام لے اللہ کے حضور حاضر ہو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ اللہ کی عدالت میں
پیش ہو اللہ کے حساب میں کھڑا ہو اس کی عبادت میں اس کی اطاعت اعمال معاملہ میں اس
کی طرف متوجہ ہو کر اذا نسیت سب کچھ بھول چکا ہو۔ نسیان آ جائے ماسوا اللہ۔
اللہ کے سوا ہر بات کو بھول چکا ہو — جب تک نسیان کامل ہر غیر از خدا
طاری نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اللہ کی یاد یاد نہیں رہتی — اس کا ذکر ذکر نہیں۔
اس کی عبادت عبادت نہیں — اپنی زندگی میں اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنے کی مشق
یہاں سے شروع کرو۔ ہر روز کم سے کم فرض نماز کے درجے میں اس نے پانچ
مواقع دیے ہیں۔ اپنے ساتھ تعلق جوڑنے کے روزانہ۔ پھر جو اس سے زیادہ تعلق بڑھانا

پایا ہے بغیر اور مواقع - نفلی عبادت کرے - بغیر اس سے زیادہ تعلق جوڑنا چاہے بغیر اور مواقع
ہیں بغیر اور اوقات میں بھی اللہ کو یاد کرے ذکر کرے - حتی کہ الذین یذکرون اللہ
(آل عمران 191) ٹیک لگا کے لیٹے ہوں تو اللہ کی یاد کرے - چلتے پھرتے بھی اللہ کی یاد کریں
بیٹھا ہو تب بھی یاد کرے - لیٹا ہو سستا رہا ہو تو بھی یاد کرے (۳۴ - ۳۶) ۲
ہم تو اس وقت بھی اللہ کی یاد کا حق ادا نہیں کرتے - دیکھو کتنا فرق ہے کہ یاد الہی میں بھی
اس کی یاد نہ ہو - یاد نہ رہے کہاں یہ حال - کہ جو وقت یاد الہی کے نہیں وہ دنیوی وقت ہیں
ان میں بھی اللہ کی یاد نہ ہو کہ جس طرح زمین و آسمان کا فرق ہے (رجال لا تلھیھم
تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ نور 37) اللہ تعالیٰ نے فرمایا مردان حق وہ ہیں - اللہ کے
بندے مرد وہ ہیں - کہ خرید و فروخت کریں تجارت کریں - تو خرید و فروخت اور تجارۃ
کے دوران اُن کی جو مشغولیت ہے - وہ مشغولیت بھی انہیں اللہ کے ذکر سے
دور نہیں کرتی - اللہ کی یاد نہیں بھلاتی - یعنی محض جو وقت اللہ کے ذکر کے لئے مخصوص
نہیں تھے - جو کاروبار مخصوص ہیں - بیع کے لئے - تجارت کے لئے کاروبار کے لئے - بزنس کے لئے -
آفس ورکنگ کے لئے - لوگوں کے ساتھ معاملات وہ اوقات جو دنیوی امور مشاغل کے
لئے مختص ہیں - قرآن مجید نے فرمایا - کہ وہ اوقات میں بھی لا تلھیھم تجارۃ - ذکر لہٰ
وہ اوقات دنیوی امور کے لئے جو مختص ہیں - ان کی مشغولیت بھی اللہ کے بندوں
کو اللہ کی یاد سے محروم نہیں کرتی - اللہ کی یاد نہیں بھلاتی - اللہ کی یاد اُن کے
دل و دماغ سے محو نہیں کرتی - کہاں یہ درجہ - جو اللہ چاہتا ہے - اور اس
درجے کو نام دیتا ہے کہ یہ ہیں مردان حق - اور اسی کی تائید میں فرمایا جیسے اللہ کی
یاد آجائے جو وقت اللہ کی یاد کیلئے مقرر ہیں - جب رات نیند کے لئے مقرر ہے
دن جاگنے اور کاروبار، ملازمت کے لئے مقرر ہے - کوئی وقت کھانے پینے کے لئے مقرر ہے
کوئی آپ کے کام کاج کے لئے مقرر ہے کوئی دنیوی فرائض کی ادائیگی کے لئے مقرر ہے - کوئی
بیوی بچوں کے شوق پورے کرنے کے لئے مقرر ہے - کچھ نماز کا عبادت کا روزے کا حج کا -
زکوٰۃ کا - اعمال صالحہ اور ذکر و اذکار کا وقت مقرر ہے - یہ تقسیم اوقات
ہیں - تو جو اوقات خالص عبادت و اطاعت کے لئے مقرر ہیں - ان اوقات میں کیا

اللہ کی یاد نہ آسکے دل و دماغ میں ۔ اور یاد دنیا کی رہے ۔ جبکہ اللہ چاہتا ہے کہ
جو اوقات خالصتاً دنیوی مستثنا عمل کے لئے مقرر ہیں ۔ اُن اوقات میں بھی اللہ کی
یاد کریں ۔ کام دنیا کریں یاد اللہ کی ۔

ہے ہتھ کار ول دل یار ول ۔ کار سے مراد کام ۔ ہاتھ کام کاج
میں لگا رہے ۔ دل یار محبوب حقیقی میں لگا رہے ۔ ہمارا تعلق اللہ کے ساتھ رسمی
رہ گیا ہے ۔ جب نماز جیسے فرض کا حال یہ ہو گیا ہے ۔ تو باقی اعمال جو اعلیٰ اور جو
اعمال خیر ہیں ۔ جو میں نے آپ کو گنوائے میلاد پاک کرنا ۔ محافل ذکر کرنا ۔
ختم صلوٰۃ علی النبی کی مجالس کرنا ۔ میلاد پاک کی محفل گھر کرنا ۔ خیرات کے
اہتمام کرنا ۔ گیارھویں شریف کے اہتمام کرنا ۔ حتیٰ کہ عمرہ کے لئے ہر سال حج پہ
جانا آنا ۔ جتنے بقایا اعمال ہیں جو صالح ہیں جو حسنات ہیں ۔ اور باعث
برکات ہیں سارا اعمال ۔ جو فرائض و واجبات میں سے نہیں ہیں ۔ ان کا
حال کیا ہوگا ۔ جو فرائض ہیں عبادات ہیں اُن میں ہماری یاد اُن اوقات
میں اللہ کی یاد میسر نہیں ۔ وہ اوقات بھی اللہ کی حقیقی یاد سے خالی ہیں ۔ یہ
میں نکتہ اس لئے سمجھا دیا ہے ۔ آپ میری بات سُن رہے ہیں کوئی اور دھیان
نہیں آرہا ۔ جب ہم کسی ایک کی بات سُن رہا ہے ۔ کسی دوسرے کی بات کا
دھیان ہی نہیں آرہا ۔ (۷۰ ۔ ۲۱) = حبیب اللہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دلبر کس کس کا
کا خیال کیوں کر آئے ۔ اس کا مطلب ہے کہ دھیان میں نقص ہے نا ۔ دھیان اللہ کی
طرف کامل نہیں ہے ۔ بس یہ بنیادی نکتہ اس کو شش لیں ۔ اس پر محنت کریں ۔
سب سے پہلے اس کو سمجھنے پہ مشق کرنا ۔ ایک ماہ لگے رہیں ۔ صرف میں
نے اس کے تصور کو میں نے سمجھایا ہے ۔ بڑا پرابلم یہ ہی ہوتا ہے کہ ہم سنتے ہیں ۔
پر سمجھتے نہیں ۔ سبحان اللہ کتنا بڑا نکتہ بیان کیا ہے ۔ جو آج تک دھیان ہی نہیں لگا
جو سمجھا دیا ۔

مگر اس سے زیادہ اگلا کام ہے ، جو کچھ بیان سمجھیں ذہن نشین کریں دل
و دماغ میں بٹھائیں ۔ اور اس کو مشق کریں ۔ پھر اس کو زندگی کا عمل و حال بنائیں

(اجازت نامہ)

ہر روز آپ کے پاس پیمانہ ہے - آنکھیں بند کریں تھوڑی دیر میں پورا دھیان لگائیں۔
تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ لے آئیں - پھر توجہ لائیں - اللہ کا گھر سمجھ کر کہ وہاں اللہ سے
انوار و تجلیات کا نزول ہو رہا ہے - جب درود پاک کی مجلس پڑھیں۔ اندر تک دھیان
نہیں جا سکتا ہے تو کم سے کم گنبد خضریٰ کا دھیان کریں - میں آپ کو اجازت
دے رہا ہوں آپ بطور وظیفہ سمجھ لیں - اللہ کی عبادت کریں تو تصور کعبہ کریں یہ کم
سے کم پہلے درجے کا پہلا تصور ہے (۸۰ — ۴۲۳) اگر آپ اس سے آگے تصور
میں نہیں بڑھ سکتے - ہر ایک کے بس میں نہیں کہ کسی طرف کعبہ کی دیوار کو تصور
سے نکال دو - اور پھر اس کعبے والے کا نور مل جائے - صرف تصور میں انوار و تجلیات
رہ جائیں - اور پھر کچھ لوگ ہیں جو انوار و تجلیات سے نکل کر پھر اس کی ذات الٰہی کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں - تو سب سے آسان کام جو محبت آثاری ہوتی ہے - جن سے چیزیں یاد
آتی ہیں - جس سے آپ کو محبت ہے اس کا گھر دیکھا - یا محبوب کا تعلق جس
سے ہے آپ اس کا گھر جا کر دیکھتے ہیں - کہ یہ میرے محبوب کا گھر ہے میرا محبوب یہاں
رہتا تھا - وفات ہو جاتی ہے اس کے بعد دیکھتے کہ یہاں رہا کرتا تھا - ہم جاتے
ہیں - غار حرا کو دیکھنے کے لئے - سارے مناظر دیکھتے ہیں عرفات میں جاتے ہیں منیٰ میں جاتے
ہیں - اللہ پاک دیکھتا ہے کہ یہ سب آثاری کے مسائل ہیں - مجنوں بھی لیلیٰ کے
بازاروں کو دیکھا کرتا تھا - کہ یہاں میری لیلیٰ گزرا کرتی تھی - اس جگہ پہ رہتی تھی اس
جگہ پہ چلا کرتی تھی - سب یاد آتی ہے - اب یہ کوئی تصور کسی کے ذہن میں نہ آئے
تو شرعی طور پہ سمجھے کہ یہ کیا چیز ہے - یہی پہ وہی چیز ہے جو سارے مناسک حج میں
اللہ پاک بندوں سے کرواتا ہے - یہ صفا و مروہ کیا ہیں یہ محبت آثاری کا ہے
یہ محبت آثاری ہے - اس لئے یہاں اللہ کی مقبول بندی حضرت ہاجرہ دوڑی تھی -
یہاں اسماعیل نے ایڑیاں رگڑی تھیں - یہاں سے زمزم پانی کا سوتا وہ آقا
علیہ السلام نے بھی پیا اور صحابہ کرام نے بھی پیا - اور آج تک لوگ پیتے ہیں یہ سب
محبت آثاری ہے - یہ آثار کی باتیں ہیں - حتیٰ کہ کعبۃ اللہ بنانا - کعبے کا طواف
کرنا یہ محبت آثاری ہے - اللہ پاک کا گھر تو نہیں ہے - وہ تو مکان سے پاک ہیں

وہ تو مکان سے بھی پاک ہے۔ اس لیے اللہ پاک کے لیے لامکان کا نام لیتے ہیں۔ اس کا مکان
ہی نہیں ہے۔ تو جس رب کا مکان نہیں، اس کو بیت اللہ کیوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا
گھر ہے۔ کیوں بنایا ہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ وہ تو مکان سے پاک ہے۔ یہ نسبت آثار
ہے۔ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا اور اللہ نے اپنی عبادت کے لیے۔
ایک نسبت سے ایک جہت متوجہ کی جائے کہ جہاں لوگ آئیں۔ میری عبادت کریں
اور میرے گھر کا طواف کریں۔ ملائکہ کو بھیجا آدم علیہ السلام کے ساتھ مدد کرنے کے لیے۔
اللہ پاک نے اپنا گھر بنوایا۔ بنوایا کہ تعمیر کرو۔ اس کو اپنا گھر ہونے کا نام دے دیا
(۳۱-۴۶) اس کو شرف بخشنے کے لیے کہ یہ میرا گھر ہے کہ تب سے وہ اللہ کا گھر چلا آ رہا ہے۔
اگر کوئی کہے کہ اللہ اس گھر میں رہتا ہے تو وہ اتنا ہی رہتا ہے جتنا آپ کے گھر میں رہتا
ہے۔ اگر کوئی اس کو یاد کرنے والا ہو۔ مرد مومن کے دل میں اتنا رہتا ہے۔ اس سے
زیادہ نہیں رہتا کسی اور جگہ۔ جس طرح مرد مومن کے دل میں رہتا ہے۔ اسی طرح خانہ کعبہ میں
بھی رہتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ وہ تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ
قریب ہے۔ آپ کے اندر بھی رہتا ہے۔ آپ کے باہر بھی رہتا ہے۔ تو اللہ کا رہنا تو اس
طرح ہوتا ہے۔ (۱۷-۴۷) مگر ایک نسبت کے دی آثار کی اب منسوب ہو گیا
کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اللہ پاک نے نسبت دے دی۔ اس کو نسبت آثار کا کہتے ہیں۔ اب لوگ یہاں کا
سے چلتے ہیں۔ وللہ علی الناس حج البیت ـــــ سبیلا۔ اللہ کے گھر کی جا کے زیارت کرو۔
اللہ کے گھر کی زیارت ہو رہی ہے۔ تو یہ آثار ہیں۔ وہ اپنی نسبت کا اثر بنا دیا۔ صفا
و مروہ اپنے محبوبوں کی نسبت کا اثر بنا دیا۔ عرفات کو حضرت آدم و حوا کی نسبت
کا اثر بنا دیا۔ منیٰ کو حضرت ابراہیم و اسماعیل کی نسبت کا اثر بنا دیا۔ یہ نسبتیں بنا
دی ہیں۔ مکہ میں 360 انبیاء دفن ہوئے تو ان کی نسبت بنا دی، وہ یہاں رہے۔ کچھ آقا ﷺ
کی نسبت کے اثر ہو گئے۔ اسی طرح نمازیں بھی نسبت آثار میں ہیں۔ جس جس طرح اللہ
کے نبیوں نے شکرانے کے نفل پڑھے۔ اپنے اپنے زمانوں میں۔ اتنی اتنی رکعتیں اس اس
نماز کے اوقات بن گئے۔ مقصد بات کا یہ ہوتا ہے۔ یہ نسبت آثار کا ہو گیا ہے۔
اسی طرح جو بھی نسبت آثار ہیں طواف کرتے ہیں آپ جا کر عرفات میں حج کے لیے جا رہی

دیتے ہیں۔ وقوف کرتے ہیں۔ مزدلفہ اور منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ نسبت آثار پر تو
ہیں نسبت آثار کا تصور کرایا ہوا۔ یہ تصور ان چیزوں پر قائم ہوتا ہے۔ بعض لوگ
ہیں کہ تصوف میں مراقبے کراتے ہیں۔ یہ کہاں سے شریعت میں۔ تو میں نے اس کا
جواب دیا۔ ساری کی شریعت ان تصورات پر قائم ہے۔ اور نسبت آثار پہ قائم
ہے۔ ساری کی شریعت اور مناسک حج لیتے ہیں۔ یہ قربانی دینا یہ نسبت آثار ہے
کنکریاں مارنا شیطان کو یہ بھی یہ نسبت آثار ہے۔ سب مناسک نسبت
ہیں آثار کی۔ لہٰذا عبادت میں کعبۃ اللہ کا تصور بنا لیا کرو۔ نماز میں
جب تو بیٹھیں۔ پھر آنکھ تھوڑی سی کھول لی۔ پھر پلکیں سی بند کر لی۔ (بار بار)
جب تصور قائم کرتا ہے انسان کسی کا۔ تو اسی طرح تصور میں یہ خاص چیز ہے
جب آدمی ایک تصور ذہن میں لاتا ہے۔ اس پہ اپنے دھیان کو لگاتا ہے۔ تو وہ اس پہ
مشق کرتا۔ اور مشق کرنے کا جو عمل ہے وہ اس کو باقی دھیانوں سے بچا لیتا ہے۔
یہ مشق ہے آپ کو خالص کرنے نسبت پر اور اللہ کی طرف راجع کرنے کی
اور جب آقا علیہ السلام پر درود و سلام پڑھیں۔ جس طرح حج میں کعبۃ اللہ کا بتاتا
کہ نسبت آثار ہے۔ کہ وہ ملتفت نفس تو نہیں رہتا۔ وہ شریف کی نسبت ہے۔
اور گنبد خضراء میں تو آقا علیہ السلام آرام فرما ہیں۔ یہ تو آقا علیہ السلام کا گھر ہے۔
جہاں دس سال رہ کر حضور علیہ السلام نے گزارے ہیں۔ اور جہاں مدفون ہوئے اور آج
تک قیامت تک جہاں آرام فرما ہیں۔ اور حیات ہیں۔ یہ تو اس گھر کی چار دیوار کا ہے
گنبد خضراء شہر یہ تصور تو آقا علیہ السلام کے گھر کا تصور ہے۔ صحابہ کا تصور بیت
لہذا کا ہے۔ گنبد خضراء کا تصور بیت مصطفیٰ ہے یہ وہ بیت اللہ یہ بیت رسول
اللہ ۔ یہ تصور ہے۔ یہ قائم کر لیا کریں۔ اور آپ کو اجازت بھی دے رہا ہوں۔ یہ
تجربات ہیں جو میں بچپن میں کیا کرتا تھا۔ یہ جو عمر ہوتی ہے پندرہ سولہ سال۔
یہ تصور میں کرتا تھا کثرت سے۔ میں تو شہر مدینہ کا بھی تصور کرتا تھا۔ شہر
مدینہ کی گلی کوچوں کا تصور۔ پھر آنکھیں بند کر کے مراقبے کرتا تھا۔ کئی کئی گھنٹے
پھر اس کے بعد شہر کو نکال دیا تو گنبد خضرا کا تصور کر لیا۔ اگلے کئی سالوں میں

گنبدِ خضراء کے بعد پھر آہستہ آہستہ جالی مبارک کا تصور کر لیا۔ پھر جالی مبارک کے بعد
آگے تصور میں چلا جاتا ہے۔ پھر منبرِ انور کا تصور کرتا ہے۔ پھر وہ وقت بھی آتا ہے۔
پھر اس سے اگلا تصور کرنے کے قابل بھی انسان ہو جاتا ہے۔ یہ سٹیپس ہیں
تصورات کے۔ تو سب سے ابتدائی تصور گنبدِ خضراء کا تصور ہے۔
ہر شخص دیکھتا ہے تصویریں ہیں۔ گھر میں لگا لیں۔ تو یہ تصور ہیلپ دیتا ہے میں
آپ کو بتاؤں سے نیت کو توجہ کو۔ ایک طرف لگانے میں مدد دیتا ہے۔
اسی سے تصورِ شیخ ہے تلبیس جیسے۔ اسی وجہ سے تصورِ شیخ کا
آئیڈیا دیا۔ تو جب محبت ہوتی ہے کسی سے اپنے شیخ سے اپنے رہبر
مرشد سے محبت ہوتی ہے تو محبت انسان کی توجہ کو کھینچنے کا باعث بنتی ہے۔ پھر
پھر جب کوئی مراقبہ کرے ذکر اذکار کرے۔ تو ایک تصور یہ بھی ہے۔ پھر وہ شیخ
کا تصور کرے کہ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا۔ اس تصور میں کیا نہیں ہوتا۔
کہ میں ان کی مجلس میں سامنے بیٹھا ہوا (۳۱ سے ۵۳) اس تصور میں
گم ہو جاتا ہے کہ میں کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا۔ تصور میں گنبدِ خضراء کے سامنے ہوں یا
میں شیخ کی مجلس میں بیٹھا ہوا۔ جب یہ تصور پختہ ہو جاتا ہے تو اس کا فائدہ یہ ہوتا
ہے۔ باقی تصور آہستہ آہستہ ختم ہو جاتے ہیں۔ ختم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جوں جوں یہ تصور
پختہ تر ہوتا چلا جائے۔ توں توں باقی تصورات خیالات جو آتے ہیں ذہن میں وسوسے
کے سارے ختم ہو جاتے ہیں۔ تصور میں یکسوئی نصیب ہونے لگتی ہے۔ اور باقی تصورات
کا نسیان ہونے لگتا ہے کہ تو جب اس مقام پر پہنچ جائیں۔ اگر اللہ ہے تو اس کی عبادت
کا تعلق۔ اگر رسول ﷺ تو اس کی اطاعت محبت اور درود پاک کا تعلق۔ اور اگر شیخ
ہے تو اس کی تعلیم و نصیحت کا تعلق۔ خود مقصد کو توحید کہا ہے۔ مقصد کو توحید بھی
تصور میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اور ایمان کی اصل ہے۔ خدا ایک ہی ہے۔
اور اس کا تصور کرو۔ اور دیگر غیر اللہ کا تصور دل سے نکال دو۔ یہ تو اللہ والے
نفی و اثبات کا ذکر کرواتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ مگر یہ بھی کریں تو تصور کے ساتھ
کریں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں۔ اللہ کے سوا

مطلوب ہی نہیں - تصور پیدا کر دیں کہ آپ کے اندر یکسوئی پیدا کر دیں - توجہ میں مراقبے میں
عبادت میں درود شریف میں یکسوئی - جوں جوں یکسوئی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے
پھر وہی یکسوئی انسان کی شخصیت کو پوری طرح اللہ کی بارگاہ تک پہنچا دیتی ہے
- پھر سارے خوف نکل جاتے ہیں - خوف و خطرے سے پاک ہو جاتا ہے - دل پاک
ہو جاتا ہے - اسی کو کہتے ہیں - الا ان اولیاء اللہ ______ یحزنون ہ - وہ خاطر میں
دھیان میں ہی کسی کو نہیں رکھتا انسان نے خوف کسی کا کرنا ہے - وہ کسی کا دھیان ہی
نہیں کرتا - وہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتا - انسان نے حرص اور لالچ کسی شئے کا
کرنا ہے اس کی روحانیت اور نفسانی حیثیت جمع ہو جاتی ہے -
اللہ رب العزت کے ساتھ جب تعلق قائم ہو - اللہ کے ساتھ تعلق کی تین
قسمیں ہیں - (۱۰-۵۸) جب تصور کی مضبوطی نہیں ہے تو قسمیں کیا بیان کرے
گا انسان - جب انسان مخصوص اوقات میں اللہ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرے
تو شخصیت میں یکجہتی آ گئی انتشار ختم ہو گیا - پھر اگلا سٹیپ آتا ہے کہ ایمان کامل
ہوتا ہے - جو مخصوص اوقات میں اللہ سے تعلق قائم کیا تھا - باایمان عالم کے لئے -
اس کا اثر پوری زندگی کے بقیہ اوقات میں نظر آتا ہے - اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا
رجال لا تلھیھم ______ ذکر اللہ - کہ وہ دیگر دنیوی امور کو انجام دیتے ہوئے بھی اللہ
سے دور نہیں ہوتے - تو جب اللہ تعالیٰ یاد اتنی غالب آ جائے - انسان کی زندگی اور
دل دماغ میں - تو پھر دیگر اوقات میں بھی اللہ کا خوف غالب رہتا ہے - اس
کو معلوم ہے کہ یہ کام اللہ کو اتنا ناپسند ہے - کسی کی چغلی نہیں کرے گا - اس کو معلوم
ہے کہ اللہ کو چغلی ناپسند ہے - وہ گناہ نہیں کرے گا - وہ نافرمانی نہیں کرے گا - اللہ کو
اس کی نافرمانی ناپسند ہے - تکبر نہیں کرے گا - اسے معلوم ہے کہ اللہ فرماتا ہے
کبریائی میری چادر ہے - تکبر کرنے والا اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا - دوسرے کو حقیر جاننے والا
میری چادر کبریائی چھیننا چاہتا ہے - کسی کی برائی نہیں کرے گا - کسی پر ظلم نہیں
کرے گا - پھر تو بہت سارے لوگ میں ادھر بات اور ہے ادھر بات جا کے اور کر دی
یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں انسان کے اندر کیونکہ شخصیت اللہ کے ساتھ تعلق والی نہیں ہے -

اس کی شخصیت میں نیکی بھی چل رہی ہے برائی بھی ہے، جھوٹ بھی ہے ظلم بھی ہے سب کچھ ہے
مختصر سے وقت میں نماز بھی ہے۔ نیکی کے اعمال بھی ہیں۔ جب وقت ختم ہوا تو۔ اللہ کی
عبادت کو برداشت نہ کر سکا تو سمیٹ کے رکھ دیا۔ اللہ کی محبت اللہ کا خوف
لاک میں تالے میں اللہ کی عشق کا تعلق تالے میں۔ باقی پوری زندگی شیطان اور
نفس کے سپرد کر دی۔ وہاں حسد بھی ہو رہا ہے مسلمانوں کے خلاف پریشانی بھی
پھیلائی جا رہی ہے۔ لگائی بجھائی بھی انسان کر رہا ہے فتنہ گری بھی کر رہا ہے جھوٹ بھی
بول رہا ہے۔ کسی کے خلاف شکایت بھی کر رہا ہے۔ اس کے خلاف سازش بھی
کر رہا ہے۔ خیانت بھی کر رہا ہے لوٹ مار بھی کر رہا ہے۔ گناہ بھی کر رہا ہے سارے کام
چل رہے ہیں زندگی میں۔ ایسے چل رہے انسان کی زندگی میں جب خدا کا تصور رہتا ہی
نہیں۔ جب اس انسان کا اللہ پہ ایمان ہی نہیں ہے۔ اس کا اللہ سے کوئی تعلق
ہی نہیں رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ کا حیا ہی نہیں ہے اس شخص کو۔ اس طرح فنکشن کر رہا
ہے اپنی زندگی میں۔ متضاد کام زندگی میں ہیں۔ ہر انسان کی کوشش کرنا کہ زندگی
میں اللہ کے تعلق کو ڈالنا ہے۔ ہم نے عبادت بھی تو دنیا داری کے طریق پر کی تھی۔
کہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے بھی دنیا کی یاد کو نہیں چھوڑا۔ مگر کچھ جو حیا کے کاری
سمجھا کر رہے ہیں۔ تلاوت کر رہے ہیں۔ اس طرح کا حیا کا باقی زندگی میں خیال ہی نہیں رہتا۔
حیا ہی نہیں رہتا کہ ہم قرآن پہ حدیث پر ایمان رکھیں۔ خدا کا خوف ہی نہیں رہتا۔
اگر کسی انسان میں برائی ہے۔ بدی ہو۔ تو دوسرا انسان اس کی برائی نہ بیان کریں
تو اس شخص کو اللہ کا بھی حیا نہیں ہے، اس کو ذرا بھی اللہ کا حیا نہیں ہے، اللہ کے رسول کا
حیا نہیں ہے۔ اللہ کے رسول نے اس کو غیبت کہا ہے جیسے مردہ بھائی کی لاش
کاٹ کر کھانا۔ اتنا حرام ہے۔ ہم اس میں وہ باتیں منسوب کریں جو شاید وہ اس
میں نہیں ہیں۔ محفل غیبت الگ کر رہے ہیں اور اعمال کو برباد کیے جا رہے ہیں۔
اس وقت نہ اللہ یاد ہے نہ اللہ کا رسول۔ جو ہم نے محفل سجا لی۔ نماز روزہ حج۔
عمرہ وغیرہ وہ کہاں گیا۔ وہ اوقات کو اچھا کریں جو اللہ کی عبادت اور رسول کی
محبت کے لیے مختص ہیں۔ ان کو توجہ میں خالص کریں۔ اور پھر اس کا اثر پوری زندگی

پر عمل کریں ۔ اس کے لیے اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے ایک کوشش کی ضرورت ہوتی ہے ۔
ہر اس چیز سے بچیں جو خرابی کا باعث بنیں ۔ اپنی زبان کو بچائیں ۔ کہ ہمارے ہاں
بڑی بلا ہے کہ بے تکلفانہ گفتگو کرتے ہیں ۔ ایک حیا ہے ایک ادب ہوتا ہے ۔ وہ سارے نظر انداز
ہو جاتے ہیں ۔ اللہ رسول اونچی لوگوں کے سامنے بات کی اجازت نہیں دیتا ۔ وہ
نرم گفتگو کو پسند کرتے ہیں ۔ پوری حیات طیبہ سیرت پاک آپ پڑھیں ۔ کہ آپ جس
سے محبت سے شفقت سے بات کرتے تھے ۔ تعلق تو یہ ہے کہ سیرت کو اپنایا
جائے اپنی زندگی میں ۔ اس طور طریقے پر اپنے آپ کو چلایا جائے ۔ جو اوقات مخصوص
ہیں عبادات کے اور اطاعات کے ان کو درست کرنا ۔ توجہ اور نشست خالص
ہو جو ان اوقات کے شعور اور توجہ محسوس ہو کہ زندگی کے سب ورد ہیں اور دیگر
اعمال ہیں اور باہمی تعلقات اور معاملات پر قائم کرتا ۔ جب بھی دو گھڑی بیٹھیں
ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے بیٹھیں تو اس وقت کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکلے جو اللہ
اللہ کے رسول کی ناراضگی کا باعث بنے ۔ جس سے اللہ اور رسول نے منع کیا ہے کہ
کہ بات چیت کریں اس کا دھیان کریں ۔ گفتگو کریں بلکہ چن چن کر کریں ۔ گھر بیٹھے بیٹھے ۔ اکیلے کریں
تو یہی غیبت کی بات ہو ۔ کسی شخص کو منفی طریقے پر گفتگو نہ کریں ۔ کسی پر انگلی نہ اٹھائیں ۔
اس میں اچھائی ہے یا برائی ہے ۔ برائی ہے یا نہیں کسی کی برائی نہ کریں کیونکہ آپ کی برائی بیان
کرنے سے اس کے گناہ معاف ہوتے چلے جائیں گے ۔ آپ کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے چلے جائیں
گے ۔ اور پتہ چلے گا جب قیامت کے دن نامہ اعمال تلے گا ۔ جتنی کسی کی برائی کریں گے وہ اتنا
معاف ہوگا ۔ آپ اتنے گنہگار ہوں گے ۔ قیامت کے دن وہ ہلکا پھلکا ہوگا ۔ نہ اس نے
نفل پڑھے نہ نماز پڑھی نہ عبادت پڑھی ۔ صرف آپ کی غیبتوں نے اس کو بخشش کے
دروازے تک پہنچا دیا ۔ اس گنہگار کو آپ کی غیبت نے جاہل اس کو برا کہلا کے
تے جو ظلم جبر کرتے رہے جو اللہ نے اس کو معاف کر دیا ۔ اور جنت تک پہنچا دیا ۔ اس کے
گناہ معاف ہو گئے ۔ اور آپ کے پاس ہزاروں نیکیاں تھیں ۔ وہ ساری نیکیاں مٹ گئیں اور برائیوں
کے گناہوں کے انبار لگ گئے ۔ آپ سمجھیں گے میں نے اتنی نمازیں پڑھیں تھیں میں نے یہ کیا تھا وہ کیا تھا ۔
کہاں گئے ۔ وہ آپ کی غیبتیں ان کو کھا گئیں ۔ حسد کھا گیا ۔ بغض اور عناد کھا گیا آپ کے

اعمال کو۔ اور نیکیوں کو کیا۔ آپ نے کیا سوچا۔ ان چیزوں کا ارتکاب کیا ہوگا۔ کسی کی تحقیر کا مذاق اڑایا۔ غیبت کی، خلاف بات کی۔ اپنا بغض نکالا۔ غصہ نکالا جو چاہو کرتے رہے۔ ایک لمحے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو ہلکا کر لیا۔ اور قیامت کے دن اپنے آپ کو گناہوں کے بوجھ سے بھاری کر لیا۔ تو یہ کوئی نفع کا سودا ہے۔ یہ سب تو خسارے کا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے فرمایا والعصر ان الانسان لفی خسر قسم ہے زمانے کی انسان خسارے میں ہے۔ قسم ہے وقت کی۔ ہر وقت انسان گھاٹے میں ہے۔ ہر کوئی گھاٹے میں ہے۔ الا الذین امنوا وعملوا الصالحات۔ ہاں اگر صحابات اس سے نکالے۔ نیکی کی بات نکالے۔ نصیحت کی بات نکالے۔ خیر کی بات نکالے۔ پھر خسارے سے بچ جائے گا۔ جب ہو لے خیر کا لوٹ۔ عبادت کے اوقات کو اپنی توجہ کو کامل کر کے خالص کر کے اللہ کے تعلق کو اچھا بنا لے۔ اور پھر اس تعلق کو اپنی بقیہ زندگی پہ حاوی کر لے۔ ساری اوقات اس اللہ کے تعلق کے تابع ہو جائیں دنیاداری کریں مگر طریق دینداری سے۔ دنیاداری کریں مگر اللہ کی تابعداری کے ساتھ دنیاداری کریں مگر اللہ کے رسول سے وفاداری کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصائح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

—۵—

۶ — ۴ — ۲ — ۱۹

۲۹ — ۰۷ — ۱۴۴۰

۶ — ۰ — ۰۹ PM

۲۱۰۔ سبحان (لفظ) کے آئینے میں تقدیس خدا و مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عکس

خطبہ 05-11-1999 جامع مسجد وزیر خان لاہور

سبحان الذی اسریٰ ـــــ البصیرہ ۔ معزز علمائے کرام ۔ عزیزان گرامی قدر اللہ
رب العزت کا شکر ہے جس کی توفیق سے ہم آج شب معراج مصطفیٰ ﷺ ان مبارک
ساعتوں میں ۔ لاہور کی عظیم تاریخی مسجد جامع مسجد وزیر خان میں ۔ جمع ہیں ۔
اللہ تعالیٰ آج کی مبارک اور مسعود رات کی گھڑیاں ۔ اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی اسی کا
جاگنا ۔ اور حضور علیہ السلام کے معراج کا ذکر سننا ۔ اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے ۔ (۴۔۱۶)
اور اس رات کے انوار و تجلیات ـــ اور معراج پاک کی خصوصی برکات اور سعادات
سے ہم سب کو بہرہ یاب فرمائے ۔

آیت کریمہ آپ ہمیشہ سنتے چلے آئے ہیں ۔ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے
ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے عظیم معجزہ معراج کے تناظر میں چند اہم گوشوں کی طرف
اشارہ فرمایا ۔ آیت کریمہ کی ابتداء لفظ سبحان سے ہو رہی ہے یہ بات ذہن نشین
کرلیں ۔ ہر چند کہ کلام مجید کلام الٰہی ہے ۔ مگر خاص طور پر وہ مقام قرآن مجید میں جہاں جہاں
حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوگا ۔ آپ کی ہستی خاص اقدس کا بیان ہوگا ۔ آپ کی مبارک ہستی کی
کسی خاص حالت کا ذکر ہوگا ۔ آپ کی سیرت طیبہ کے کسی پہلو کا بیان ہوگا ۔ آپ کے
شمائل حمیدہ کا ذکر ہوگا ۔ اور جہاں بھی آپ کے حسن اخلاق کا ذکر ہوگا ۔ آپ کی کسی فضیلت
اور کسی کمال کا ذکر ہوگا جس جگہ بھی اور جہاں حضور ﷺ کی ذات اقدس آپ کے کسی کمال کا بیان
ہوگا ۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام میں اور آیات مقدسہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ایک
ایک لفظ جہاں کلام الٰہی ہے ۔ وہاں یاد رکھ لیں ۔ ایک ایک لفظ حضور ﷺ کی اس باب میں اس مضمون
میں ۔ اس پہلو میں آپ کی شان کو آشکار کر رہا ہوتا ہے ۔ وہ لفظ حضور ﷺ کی خاص
کیفیت اور شان کی پوری عکاسی کرتا ہے کہ آپ اس الفاظ اور آیات کے آئینے
میں حضور علیہ السلام کی ہستی اقدس کی عظمت کا عکس دیکھ سکتے ہیں ۔ یہ بنیادی نکتہ
ہے ۔ یہ نکتہ دوبارہ توجہ سے سمجھیں ۔ ایک تو وہ پورا مقام ہے پوری آیت ہے ۔ جو ایک
حضور علیہ السلام کی شان اقدس کا مضمون بیان کر رہا ہوتا ہے ۔ جیسے اللہ رب العزت
نے فرمایا ۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم ۔ توبہ ۱۲۸ ۔ بے شک تمہارے اندر ایسا

برگزیدہ رسول آگیا ہے۔ جو تم ہی میں سے ہیں۔ اور جو تکلیف تم پر وارد ہوتی ہے وہ ان پر شاق
گزرتی ہے۔ اس تکلیف کا درد رنج والم وہ محسوس کرتے ہیں اپنے اندر۔ تکلیف تمہاری
ہوتی ہے۔ اس کا رنج انہیں ہوتا ہے۔ اس کا درد انہیں ہوتا ہے۔ عزیز علیہ ما عنتم۔ تمہاری
بھلائی کی۔ تمہاری خیر خواہی تمہاری بہتری تمہاری اچھائی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں
خواہش مند رہتے ہیں۔ بالمومنین رؤف رحیم۔ مومنوں کے لیے بڑے رؤف اور رحیم
ہیں۔ سراپا رحمت و برکت کا پیکر ہیں۔ آپ نے دیکھا یہ ایک آیت کریمہ
ہے۔ دو باتیں سمجھانا چاہتا ہوں ایک تو یہ ہے۔ ایک تو وہ کہ پورا مضمون ہے۔ جو حضور
کی سیرت ہے۔ آپ کی عظمت آپ کی شان آپ کا اخلاق آپ کی ہستی
ہے۔ اس کی خاص خوبی کا ذکر اس مضمون میں ہو رہا ہے۔ ایک تو اس آیت کریمہ کا
پورا مضمون ہو گیا۔ جس کو آپ یہ نہیں کہ صرف حضور علیہ السلام کے اخلاق کا ذکر ہے۔ آپ
کی شانِ رحمت کا ذکر ہے۔ شانِ رافت کا ذکر ہے ـــــ (۔۔۔۔۔ ۱۰)
امت کے ساتھ قریبی رشتے اور تعلق کا ذکر ہے۔ امت پر آپ کی مہربانیوں کا
ذکر ہے۔ یہ تو پورا مضمون ہو گیا ہے۔ اب یہاں میں ایک دوسری بات کر رہا ہوں۔
اور یہ جو تفسیر ہے۔ اور قرآن مجید کی تفسیر کا گوشہ بھی نیا ہے۔ اور یہ کتابوں
میں نہیں ملے گا۔ حاضرین محترم آپ یاد رکھیں۔ میں جو بات کہتا ہوں وہ کسی کتابوں
میں نہیں ملے گا۔ اس کے بعد زندگی ساری گزار دیں لاکھ کتاب پڑھ لیں وہ نہیں ملے
گا۔ اور ایک لاکھ کتاب اٹھا لیں۔ یہ نکتہ سمجھ لیں۔ کہ جو کتابوں میں نہیں ملے گا وہ نہیں
ملے گا۔ ساری زندگی گزار دیں۔ لاہور سے چلیں اور ملک کی دنیا ... کی چھان مار ہی کتابیں
لے آئیں تو نہیں ملے گا۔ کہاں ملے گا صرف اللہ کے قرآن میں ملے گا۔ اور بس جس کو جتنی
ضرورت چاہیے قرآن عطا کرتا ہے۔ ہم نے اپنا تعلق قرآن کا ـــــ توڑ لیا ہے۔ اس لیے قرآن کی
ہمیں ضرورت نہیں دیتا۔ اس لیے میں جو خاص بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ نیا نکتہ ہے
اور قرآن مجید کے معارف و علوم میں ایک نیا نکتہ ہے۔ اور مضمون ہے۔ پہلی بات کو
کہ ذہن میں عسیٰ ان یبعثک ربک ـــــ ایک مقام آیا قرآن مجید میں۔ فرمایا اللہ کے
مقاماً محموداً یقیناً اے محبوب آپ کو مقام محمود پر قائم فرمائیں گے۔ پتہ چل گیا کہ اس

میں حضور علیہ السلام کی شانِ شفاعت کا۔ اور اس کرسیٔ شفاعت کا [illegible]
جس پر قیامت کے دن اللہ پاک آپ کو بٹھائے گا۔ ایک مضمون آگیا ہے اس میں۔
آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم۔ بقرہ ۱۵۱
اس میں یہ بیان آگیا کہ یہ رسول ایسے رسول ہیں۔ جو تمہارے اوپر لوگوں پر اللہ کی آیات
تلاوت فرماتے ہیں۔ لوگوں کے نفوس کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ انہیں کتاب کا علم عطا
کرتے ہیں۔ انہیں حکمت و دانائی کا خزانہ عطا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ نہیں جانتے ان
کو عطا کر دیتے ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام کے تربیت و تعلیم کے نظام کی بات ہے۔
یہ مضمون آگیا ہے پورا۔ آپ نے ایک آیت پڑھی اس میں ایک یا دو چار یا پانچ
مضامین بیان کر دیئے۔ آپ سمجھ گئے۔ معراج کے بارے میں آپ نے آیت پڑھی
ثم دنا فتدلی۔ النجم۔ پھر وہ قریب ہوا پھر وہ جلوہ قریب ہوا۔ پھر دو کمانوں
کا فاصلہ رہ گیا۔ اور بالکل اس سے بھی کم رہ گیا۔ آپ نے آیت پڑھی اس
سے کو مضمون پتہ چلا کہ شبِ معراج حضور علیہ السلام کو کتنا قرب عطا ہوا اللہ کے حضور
اور کتنے ہی واسطے تک آقا علیہ السلام جا پہنچے۔ ایک مضمون ہو گیا یہ۔
لیکن میں نے یہ چند مثالیں دی ہیں آپ کو۔ فبما رحمۃ من اللہ۔ آل عمران
میرے حبیب یہ جو اللہ کی رحمت کے سائے آپ نرم دل ہیں۔ یہ اس نرم دلی
کی برکت ہے۔ نہ آپ کی زبان میں سختی ہے نہ آپ کے مزاج میں سختی ہے۔ اور جو
آپ کو سنتا ہے وہ آپ کے قریب آتا چلا جاتا ہے۔ اور جو آپ کو دیکھتا ہے وہ آپ
پر وارے قربان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر آپ کے مزاج میں سختی ہوتی۔ اگر آپ کے مزاج
میں تلخی ہوتی تو یہ جو ارد گرد آپ کے عاشقوں اور غلاموں کا ہجوم جمع رہتا ہے یہ
چھوٹ گیا ہوتا۔ لوگ بھاگ گئے ہوتے۔ دور کے پار کے۔ مگر جو آتا ہے وہ جاتا نہیں ہے۔
ایک آیت پڑھی تو آپ کو ایک مضمون معلوم ہو گیا۔ کہ اس میں حضور علیہ السلام کی
نرم گوئی کا ذکر ہے۔ حسنِ مزاج کا ذکر ہے۔ حسنِ اخلاق کا ذکر ہے۔ شفقت
و محبت اور نرمی کا ذکر ہے۔ جو آپ میں ہے اس لئے لوگ آقا کی بارگاہ کی طرف
کھنچے کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ نکتہ سمجھانے کے لئے۔ ہر ایک آیت کریمہ آقا علیہ السلام کی

شان میں ایک مضمون بیان کر دیتی ہے۔ یا بعض آیت میں زیادہ مضمون ہوتے ہیں،
پانچ دس مضمون ہوتے ہیں۔ تو یہاں تک بات سمجھ گئے۔ اب پھر وہی بات
جس کا میں نے کہا۔ وہ نئی بات کہنا چاہتا ہوں جو کتابوں میں نہیں۔

پہلا حصہ یہ تو ہر جگہ ہے۔ یہ جو ابھی تک بیان کیا یہ تو ہر جگہ ہے۔ اب جو نئی بات
ہے اس کو توجہ سے سنیں۔ اور وہ یہ ہے۔ اور وہ مضمون جو حضور علیہ السلام کی
شان اقدس کا۔ اس آیت کریمہ میں اس مقام پر بیان ہوا ہے۔ اس کے لیے اللہ
پاک نے اس مضمون کے بیان کے لیے۔ الفاظ چنیں۔ الفاظ ملے تو آیت بنی۔
اور آیت میں مضمون بنا۔ وہ ایک ایک لفظ جو اللہ پاک نے بیان فرمایا۔
وہ اپنے معنیٰ کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کی کسی شان کی نشاندہی کر رہا ہوتا
ہے۔ آقا علیہ السلام کی ~~کسی شان~~ کی صفت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ (۱۶-۵۲)
آقا علیہ السلام کی کسی خاص حالت کی بھی نشاندہی کر رہا ہے۔ آپ کی کسی خاص
کیفیت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ آپ کے مقام و مرتبے کی کسی خاص انداز کو سمجھا رہا ہے
ہے۔ بیان کر رہا ہے۔ یہ لفظ کسی نہ کسی حیثیت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اب میں ذرا کھل کر
بتانا چاہتا ہوں۔ اس لفظ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ کہ قرآن کی آیت کا کلام الٰہی
ہے۔ کہ اللہ کا کلام ہے۔ دوسری حیثیت یہ کہ وہ کلام الٰہی ہو کر یہ لفظ آقا علیہ السلام کی
کسی نہ کسی شان کے اعتبار سے آئینہ مصطفیٰ ہے۔ وہ لفظ ادھر کلام الٰہی ہے۔ اس
طرف دیکھیں تو وہ آئینہ حالت مصطفیٰ ہے۔ آئینہ خصلت مصطفیٰ ہے۔ آئینہ کیفیت
مصطفیٰ ہے۔ آئینہ رنگ مصطفیٰ ہے۔ آقا علیہ السلام کی جس شان کا بیان ہو رہا ہے
اس شان کی خاص خصلت اس لفظ کے آئینے کے اندر جھلک نظر آ رہی ہوگی۔ وہ
لفظ اپنے معنیٰ کے اعتبار سے آپ جوں جوں اس کے اندر اترتے چلے جائیں گے۔ اس لفظ
کے معانی کے سمندر میں غوطہ لگاتے چلے جائیں گے۔ آقا علیہ السلام کی عظمت کے نئے سے
نئے رنگ آشکار ہوتے چلے جائیں گے۔ نئی سے نئی کیفیت آشکار ہوتی چلی جائے گی۔ لفظ
وہی ایک ہے۔ اس لفظ کو آنکھ سے دیکھیں گے تو شان مصطفیٰ کا کوئی رنگ نظر
آئے گا۔ اس لفظ کو دل میں دیکھیں گے۔ شان مصطفیٰ کا کوئی اور رنگ نظر آئے گا

اسی لفظ کو داتا گنج بخش دیکھیں گے یہ شان مصطفیٰ کا اور رنگ نظر آئے گا۔ اس کو سرکار غوث الاعظم دیکھیں گے یہ شان مصطفیٰ کا کوئی اور رنگ نظر آئے گا۔ اسی کو اویس قرنی دیکھیں گے کچھ اور رنگ نظر آئے گا۔ اس کو علی شیر خدا دیکھے گا۔ ابوبکر صدیق دیکھے گا۔ کچھ اور نظر آئے گا۔ اس لفظ کو مصطفیٰ دیکھے گا۔ کچھ اور نظر آئے گا۔ خدا دیکھے گا۔ کچھ اور نظر آئے گا =

جب یہ بات آپ سمجھ گئے تو یہ جو مولویوں کے جھگڑے ہیں وہ بھی آپ کی سمجھ میں آجائیں گے۔ یہ جو فرقہ بازی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی شان پر جو اعتراضات ہیں۔ اور آقا علیہ السلام کی شان پر جو گفتگوئیاں ہیں۔ اور آقا علیہ السلام کی ہستی پر اس قسم طرح طرح کی باتیں ہیں اور جھگڑے ہیں۔ جھگڑا ہوا ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر فتوے ہیں۔ یہ ساری فتوہ بازی اور جھگڑے وغیرہ کی حقیقت اسی بات میں نظر آجائے گی۔ اس لئے وہ جو دیکھ رہا ہے اس لفظ کو اُسے کچھ اور نظر آرہا ہے اور جب یہ نگاہ دیکھ رہی ہے اس کو لفظ کو اُسے کچھ اور نظر آرہا ہے۔ تو اس لفظ کو دیکھنے والے اس لفظ کو سننے والے۔ اس لفظ کو پڑھنے والے پھر اس لفظ کے اندر جھانکنے والے۔ اس لفظ کے اندر آئینے میں جھانکنے والی نگاہیں چونکہ جدا جدا ہیں۔ اس لئے جلوے بھی معانی بھی مفہوم بھی جدا جدا نظر آتے ہیں۔ لفظ ایک ہی ہے۔ اس کو ابوجہل اور ابولہب بھی سن رہا ہے۔ اور اس کو ابوبکر و علی بھی سن رہا ہے۔ اُسے کچھ اور سمجھ آرہا ہے۔ انہیں کچھ اور سمجھ آرہا ہے۔ اس لئے قرآن نے کہا یضل به کثیرا و یھدی به کثیرا۔ بقرہ ۲۶ کئی اس قرآن کی مثالوں کو پڑھ کے گمراہ ہوتے ہیں۔ کئی انہیں کو پڑھ کے ہدایت پا رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں قرآن ان سے سمجھنا جن کو اچھا نظر آتا ہے۔ جن کی بینائی اچھی ہے۔ ہم جب کالج میں پڑھتے تھے نا۔ اس زمانے میں محفل ہوا کرتی تھی لوگ لڑکے یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

ان عقل کے اندھوں کو الٹا نظر آتا ہے۔

مجنوں نظر آتی ہے۔ لیلیٰ نظر آتا ہے۔

تو یہ تو دل کی بات ہے اور سمجھ کی بات ہے۔ اور اس اصول کو اگر آپ اپنے ذہن نشین کر لیں۔ تو آیت اگر حضور علیہ السلام کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ آپ کا معجزہ معراج بیان کرنا چاہیئے۔ اللہ پاک فرماتا ہے سبحان الذی اسریٰ۔ پاک ہے وہ ذات اسکا

نے بات ذکر مصطفیٰؐ کی۔ وہ کہاں سے کی ہے کہ پاک ہے وہ ذات۔ اب اس سبحان میں۔ اشارہ تقدیس پاکیزگی کا اشارہ ہے۔ تو یہاں تو ایک تو تقدیس اس کی اپنی ذات کی ہو گئی نا۔ وہ ذات ہر کمی کمزوری سے پاک ہے۔ مگر خوبی دیکھئے کہ اس نے سبحان کا۔ اپنی شانِ تقدیس کا۔ شانِ مصطفیٰؐ کے ضمن میں کیا ہے۔ لہذا اس سبحان کے آئینے میں۔ جہاں تقدیسِ خدا ہے۔ وہاں تقدیسِ مصطفیٰؐ بھی ہے۔ اس کی تقدیس اس کی شان کے لائق ہے۔ تو آقا علیہ السلام کی تقدیس آقا کی شان کے لائق ہے۔ تو جب اس سبحان کے آئینے میں۔ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی۔ اس نے جب اپنی پاکیزگی کا بیان کیا۔ وہ چیزیں جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اس نے اپنی برأت کر دی۔ اپنا اس سے پاک ہونا بیان کر دیا۔ اپنا اس سے منزہ اور بلند و بالا ہونا بیان کر دیا۔ تو اسی لفظ کے آئینے میں۔ چونکہ یہ لفظ بیانِ شانِ مصطفیٰؐ میں وارد ہوا تھا۔ بیانِ عظمتِ مصطفیٰؐ میں وارد ہوا تھا۔ بیانِ معجزۂ مصطفیٰؐ میں وارد ہوا تھا۔ جب اسی لفظ کے سبحان کے آئینے میں جہاں اس کی تقدیس نظر آ رہی تھی۔ وہاں اسی کے تقدس کے فیض سے تقدیسِ مصطفیٰؐ بھی نظر آ رہی تھی۔ تو ارشاد ہو رہا ہے پاک ہے وہ ذات۔ وہ ذات کل چیزوں سے پاک ہے۔ جن سے الوہیت کا پاک ہونا ضروری ہے الوہیت جن چیزوں سے پاک ہو جائے۔ تو وہ کل خدا کو ادا کر رہی ہے۔ تو اسی طرح سبحان تقدیس سے جو تقدیسِ مصطفیٰؐ کو بیان کیا ہے اور آقا علیہ السلام کی شانِ اقدس میں وارد ہوئی تو تقدیس پاکیزگی کو کہتے ہیں۔ کسی شخص کا کسی ذات کا کسی ہستی کا۔ اس چیزوں سے پاک ہو جانا۔ جو چیزیں اسے گھٹیا بنائیں۔ جو چیزیں اسے کمتر بنائیں۔ جو چیزیں اسے ناپاک بناتی ہیں۔ اور جو چیزیں اسے اونچے مقام سے نیچے گراتی ہیں۔ جوں جوں آپ ان علائق سے پاک ہوتے چلے جائیں۔ ان کو علائق دنیویہ کہا کہتے ہیں — ان کو تعلقاتِ ناسوتیہ بھی کہا جاتے ہیں۔ ان کو علائق بشریہ کہا کہتے ہیں۔ انہیں علائق مادیہ کہا کہتے ہیں۔ وہ بدن کے حجابات بھی ہیں۔ وہ بشریت کے پردے بھی ہیں۔ وہ نفس اور نفسانیت بھی ہے۔ وہ شہوات و شہوانیت بھی ہے۔ وہ مادہ اور مادیت بھی ہے۔ وہ ناسوت اور ناسوتیت بھی

انسان چونکہ اس دنیا میں ہے۔ لہذا اس کے وجود میں مادہ بھی ہے۔ مادہ ہونے کے ناطے مادیت بھی ہے۔ اور مادیت کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ بشریت ہے تو بشریت کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ ناسوتیت ہے اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ نقص ہے انسان میں۔ اس میں نفسانیت ہے۔ اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ تقاضے ہیں۔ جب اللہ پاک نے (فرمایا آدم علیہ السلام کو۔ انی خالق بشرا من صلصال من حما مسنون۔ حجر (۲۸) کہ میں اس گارے سے ایک بودار سیاہ گارے سے پیکر بشریت بنا رہا ہوں۔ فرشتوں کو کہا۔ تو اللہ پاک نے جب فرمایا کہ میں بشریت کا ایک پیکر ان چیزوں سے بنا رہا ہوں۔ تو فرشتے سمجھ گئے۔ کہ جو پیکر ان چیزوں سے بنے گا۔ اس کے اندر یہ خصلتیں ہوں گی۔ جب آپ نام لیں گے پانی کا۔ تو اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی نا۔ کہ یہ گیلا کر دیتا ہے۔ جب آپ نام لیں گے مٹی کا۔ اور کچھ سمجھ آئے یا نہ آئے۔ یہ تو میلا کر دیتی ہے جب آپ نام لیں گے آگ کا۔ اور سمجھ آئے یا نہ آئے اتنا تو سمجھ آ گئی۔ کہ جلا دیتی ہے۔ آپ نام لیں گے مٹھائی کا اور سمجھ آئے یا نہ آئے اتنا تو سمجھ آتی ہے۔ کہ منہ کو میٹھا کر دیتا ہے۔ تو جب آپ کسی چیز کا نام لیتے ہیں۔ تو کم سے کم یہ اس کی کچھ خصلتیں تو جاننا چاہئے کہ دھیان خود اس کے تقاضوں کی طرف اور اس کی خصلتوں کی طرف چلا جائے گا۔

جب اللہ پاک نے فرمایا کہ میں پیکر بشریت بنا رہا ہوں۔ اور اس کا اس چیز سے بنا رہا ہوں اس کا خمیر ان چیزوں سے تیار کر رہا ہوں۔ فرشتے تو جان گئے۔ کہ جب پیکر بشریت ان ان چیزوں سے مل کر بنے گا۔ تو اس میں تو یہ خصلت بھی ہو گی۔ یہ اس میں خصلت بھی ہو گی کہ یہ اس میں یہ بات بھی ہو گی۔ اس میں یہ بات بھی ہو گی۔ اور یہ ساری خصلتیں مل کر اس شخصیت کا کردار اپنا بنے گا۔ بات سمجھ میں آئی یا نہیں

تو یہی وجہ تھی۔ جب اللہ پاک نے فرمایا۔ واذ قال ربک للملئکۃ ——— جب اللہ پاک نے فرمایا کہ میں زمین میں ایک اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں ——— تو یاد ہے کہ فرشتے آپ سے کو اچانک کیا بولے۔ اتجعل فیھا ——— باری تعالیٰ تو اپنا خلیفہ اور نائب ایسے کو سمجھ کو بنا رہا ہے جو زمین میں فساد کرے گا۔ جو قتل و غارت گری کرے گا۔ جو خون بہائے گا۔ ایسے کو بنا رہا ہے۔ اب بولئے آدم علیہ السلام نے اس طرح کسی کو قتل کر دیا تھا۔ ایسی

تو وہ بنائے جا رہے ہوں گے۔ ابھی تو زمین پر ان کا وجود ہی نہیں آیا تھا۔ ابھی تو روح بھی
نہیں آیا تھا۔ تو فرشتے یہاں سے جان گئے تھے کہ ایسے کو بنایا جا رہا ہے جو قتل و غارت
گری کرے گا جو خون بہائے گا جو فساد مچائے گا۔ ابھی کچھ دیکھا تھا انہوں نے تو یہ قیاس
یہاں سے کر لیا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے جنات کی مخلوق آباد
ہو چکی تھی۔ اور جنات نے کچھ ایسا کیا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا (۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں
وہ ملائکہ ہیں۔ اتنے سمجھدار تو ہیں کہ جنات تو جنات رہتے ہیں اور انسان انسان ہیں۔
اللہ پاک نے جنات کو کبھی اپنا نائب اور خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ اب بنایا جا رہا تھا کہ میں
اپنے اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔ تو ملائکہ جانتے تھے یہ سوال و اعتراض کر رہے۔ بنا رہا ہے اللہ
اپنا خلیفہ جیسے اللہ اپنا خلیفہ و نائب بنا رہا ہے۔ فرشتے اس کا سبب سوال کر رہے ہیں
کہ باری تعالیٰ اس کو نائب بنا رہا ہے کہ جو خون بہائے گا جو قتل و غارت گری کرے گا
جو فساد کرے گا۔ یہ کیسے پتہ چلا۔ وہ پتہ چل گیا کہ اللہ پاک نے علم ان کو پہلے عطا
کر دیا تھا کہ میں یہ پیکر بشریت اس اس چیز کے ملاپ سے بنا رہا ہوں۔
یعنی حلوائی نے کہہ دیا کہ یہ میں نے اس میں میدہ ڈال دیا ہے۔ اس میں چینی ڈال دی
ہے۔ اس میں شیرہ بن گیا ہے۔ اس میں کشمش ڈال دی ہے۔ اور اس کے بعد جب آپ
نے اجزاء بتا دیے ہیں کہ یہ یہ ڈال دیا تو کچھ سمجھ تو آیا ہے کہ یہ میٹھی ہو گی یا کڑوی ہو گی
تو کیا سمجھ آ گئی ہو گی یا نہ آ گئی ہو گی۔ جب بتا دیا کہ اس خمیر میں یہ یہ ڈال رہا ہوں۔ اور
ان چیزوں کو ملا کر پیکر بشریت بنا رہا ہوں۔ تو فرشتے سمجھ گئے کہ پیکر میں یہ یہ چیزیں
ہیں۔ تو اس کا ان چیزوں سے کیا ہو گا۔ یقیناً جو شخصیت وجود میں آئے گی
خون بھی بہائے گی۔ اس کو غصہ بھی آئے گا۔ لڑائی بھی ہو گی۔ آپس میں جھگڑا کرے گی بھی قتل
و غارت بھی ہو گی۔ خون بھی بہے گا فساد بھی ہو گا۔ تو خمیر بشریت کے اجزاء کو
اور ان کی خصلتوں کو اور ان کے خواص کو جان کر سمجھ گئے۔ اب یہاں تو بات سمجھ آ گئی۔
لہٰذا بشریت کے پیکر میں کچھ خصلتیں ہیں۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر بشریت ہم سے عادت
ہم انسانیت ہو تو کچھ چیزوں کا لازماً اس کے اندر ہونا ضروری ہے۔ اور جب وہ
چیزیں ابھر آتی ہیں تو بشر کو نیچے گرا دیتی ہیں۔ وہ چیزیں جب زور پکڑتی ہیں۔

تو آسمانوں کو نیچے گرا دیتی ہیں۔ اب رب کائنات فرما رہا ہے۔ کہ اے میرے محبوب لوگوں
کو بتا دیجئے۔ سبحان الذی اسریٰ۔ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو۔ وہ جس
پاکیزگی کا ذکر کر کے اپنی قدوسیت کا بیان فرما رہا ہے۔ (۲۶ — ۳۳) صفحہ
وہاں اس سبحان کے آئینے میں مصطفےٰ کا پاک ہونا بھی بیان فرما رہا ہے — اسی کے
آئینے میں — یہ اس کی قدوسیت کا فیض ہے — یہ اس کی سبحانیت کا فیض ہے
یہ اس کی پاکیزگی کا فیض ہے — جو وجود مصطفےٰ کو منتقل ہو رہا ہے — فرما رہا ہے لوگو
جہاں وہ ذات پاک ہے اپنی شان کے لائق — محبوب اپنے سبحان ہونے کی قسم وہاں یہ
ذات بھی پاک ہے — اپنی شان کے لائق — جہاں میں پاک ہوں — اپنی شان کے لائق
جان لو وہاں یہ ذات بھی پاک ہے۔ اپنی شان کے لائق — اس لیے۔ عظمت مصطفےٰ کا ذکر
شان سبحانیت سے کر رہا ہوں — پاک ہوں — کہہ رہا ہوں — جیسے آقا علیہ السلام
کو سبحان کے آئینے میں — اللہ کی پاکیزگی کو دیکھا تو لفظ سبحان یہ استعمال کر رہا ہے — وہاں
اس ذات کی پاکیزگی کی قسم جو لے گئی یہاں اس ذات کی پاکیزگی کی قسم جو لے جانے
کے قابل ہو گئے — وہ لے گیا اس لیے کہ وہ لے جانے پر قادر تھا — اور ادھر — لے جایا گیا
اس لیے کہ یہ لے جائے جانے کے قابل تھا — وہ اپنی ذات میں سبحان تھا۔ یہ اپنی ذات
میں پاک تھا — وہ اپنی شان میں پاک تھا۔ یہ اپنی شکل میں پاک تھا (۱۲–۳۵)
— وہ کمزوری سے پاک تھا اس لیے۔ لے جا رہا تھا۔ اور یہ کمزوریوں سے پاک تھا وجود اس
لیے اس مکان سے لا مکان تک لے جایا جا رہا تھا۔

اس لیے فرمایا وہ جو بات فرشتوں نے کہی تھی۔ اس حوالے سے فرمایا جو پیکر بشریت
ہے۔ یہ جو پیکر ناسوتیت ہے۔ یہ جو پیکر انسانیت ہے۔ اس پیکر کے ہوتے پیکر کو لے گیا ہوں۔ اور خود تو
لے جانا تھا قاب قوسین کے مقام تک لے جانا بھی او ادنیٰ کے مقام پر۔ اگر صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ
تک لے جانا ہوتا۔ تو پاکیزگی کی ایک حد ہوتی۔ اس سے گزارہ چل جاتا — اگر مسجد اقصیٰ سے صرف آسمانی
کائنات تک لے جانا ہوتا۔ تو مزید پاک کر دیتے — اس کی حد ہوتی۔ تو گزارہ چل جاتا۔ اگر آسمانوں سے
جبرائیل جس حد تک لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک لے جانا ہوتا۔ تو اتنا پاک کرتے کہ جس طرح فرشتے پاک ہوتے۔
تو پھر ملائکہ کی حدود سے گزر سکیں۔ اتنا پاک کیا جاتا جتنا جبرائیل پاک ہوتا ہے۔ تا کہ سدرۃ المنتہیٰ

تو اتنی پاکیزگی کہاں ہوتی۔

تک پہنچ جاتا۔ خدا کی قسم اگر سدرۃ المنتہیٰ تک جانا ہوتا۔ اس سے بھی آگے لے جا رہا تھا جہاں
جبرائیل رک گیا۔ عرش پیچھے رہ گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ پیچھے رہ گئی۔ ملائکہ رہ گئے۔ جبرائیل رہ گیا۔
فرمایا محبوب یہ سارے رہ گئے۔ تو مکان کو چھوڑ کر لامکان میں آ۔ اور یہاں آنے کے لئے یہ اسرار کی کمال
اتنی پاکیزگی کا یہ عالم جو لامکان میں جانے کے قابل بنا سکے۔ فرمایا محبوب سفر میں نے قسم
کھائی تھی کہ سبحان الذی جتنا میں پاک ہوں اپنی ذات کے تقاضے کے مطابق محبوب
ہم نے اتنا آپ کو بھی پاک بنا دیا ہے اپنی شان کے تقاضے کے مطابق ۔ (۱۷ — ۳۸)
انبیاء بھی پاک تھے۔ ان سب پاک انبیاء کو مسجد اقصیٰ میں کھڑا کر دیا۔ جن
کو بھی شان سبحان کا حصہ ملا تھا۔ فرمایا محبوب۔ تو ان کا امام ہو جا — امامت کروا دی۔
انبیاء کے وجود وہیں رہ گئے۔ فرمایا محبوب آگے چل۔ ملائکہ کی کائنات آگئی۔ سدرۃ
المنتہیٰ اور عرش معلیٰ آگیا — اور ایک سے ایک مقام وہ آیا۔ کہ جب پاکیزگی طہارت اور
نورانیت میں سب سے کا تصور تمام ملائکہ سے طاقت ور جس میں کا تصور پاکیزگی میں
طہارت میں نور میں نورانیت میں۔ توانائی میں نورانیت میں سب سے کا مشہور جبرائیل
امین۔ وہ فرشتہ جو اللہ کی وحی اٹھا کے لاتا ہے۔ جو اللہ کا کلام لے کر آتا ہے اس سے بڑھ
کر بھی کوئی طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کا کلام لے کر آتا ہے — ایک مقام آیا کہ جبرائیل
امین بھی رک گئے۔ یعنی ان کی پاکیزگی بھی لطافت بھی نورانیت بھی جواب دے گئی — فرمایا جبرائیل
جبرائیل آگے آؤ۔ عرض کیا حضور جتنی پاکیزگی طہارت لطافت نورانیت اور طاقت بھی جتنی
اللہ نے مجھے دی تھی۔ یہاں تک پہنچ سکتا ہوں اس سے آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔
تو آقا علیہ السلام نے پوچھا باری تعالیٰ میرے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا محبوب یہ کسی کسی
کا فیض ملا ہے جو فیض آپ کو ملا ہے۔ اس کی جھلک بھی کوئی نہیں پا سکتا۔ تو آقا کو
لامکان میں لے گئے۔ تو سبحان الذی پاک ہے وہ ذات جو لے جانے میں اتنی طاقت والی
تھی جانے والا ہر کمزوری سے پاک تھی۔ لے جانے کی شان کے لائق تھی اور سبحان الذی اسریٰ —
پاک ہے وہ ذات جو لے جانے میں اتنی پاک تھی۔ جو جا کے جانے میں اتنی طاقت کی حامل
تھی۔ جو لے جانے جانے میں اتنی طہارت کی حامل تھی۔ لے جانے میں اس لطافت کی حامل
تھی اور اس روحانیت کی حامل تھی۔ اس نورانیت کی حامل تھی۔ بلکہ میں یہ بھی کہہ دوں۔ کہ نور کا

دنیا۔ وہ سورۃ المنتہیٰ پر ختم ہو گئی۔ بشریت کی دنیا، مسجد اقصیٰ پر ختم ہو گئی۔ اب اس سے
آگے سبحان کا فیض خاص تھا۔ آگے لے جایا گیا۔ محبوب نہیں آشنا پاک کیا گیا ہے
بشری علائق سے ـــــ مادی علائق سے ـــــ ناسوتی علائق سے ـــــ کمزوریوں سے
ان کمزوریوں خصلتوں سے جنہیں دیکھ کر فرشتوں نے انگلی اٹھائی تھی۔ فرمایا فرشتو
یہ بشریت ہے۔ اعتراض کی سوال کی انگلی اٹھانے والو۔ تمہارا سوال تھا۔ آج اس
کا جواب ہے۔ تم نے پوچھا تھا یہ یا رب کیسے؟ اس آیت میں نے جواب نہیں دیا تھا فرمایا
تھا۔ اور کئی باتیں ہیں جو تمہیں معلوم نہیں۔ میں جانتا ہوں مگر تم نہیں جانتے ـــ آج جواب
کانوں سے سن لو۔ آنکھوں سے دیکھ لو
جن چیزوں کا وہم تم کر رہے تھے وہ یہ کرے گا۔ یہ کرے گا۔ میں بتا رہا ہوں
کہ یہ ایک ایسا وجود بھی ہے۔ جو ان بری چیزوں سے پاک ہے۔ اور ان چیزوں
پاک ہے۔ کیونکہ پھر یہ بندہ ہے۔ تو اتنا پاک کر دیا۔ کہ لامکان میں جا رہا ہے
اور وہاں جا کر ثم دنیٰ کے مقام دنیٰ آتا ہے۔ پھر پاک ہے وہ ذات اس کو اتنا پاک
کر دیا۔ کہ وہ مقام دنیٰ پر فائز ہونے پر بھی قابل ہے ثم دنیٰ فتدلیٰ۔ پھر اور جلوہ قریب ہوا
وہ جلوہ فیض یافتہ سبحان ہے۔ پھر وہ قریب آیا۔ وہ جلوہ سبحان قریب آیا۔ ادھر
فیض یافتہ سبحان قریب آیا۔ پھر یہ قریب پھر وہ قریب۔ اتنا پاک کیا۔ جو اس جلوے
کے قریب ہونے کے قابل ہو گیا۔ پھر سبحان الذی۔ اتنا پاک کیا۔ فکان قاب قوسین
اتنا پاک کیا کہ یہ جلوہ حسن، یہ جلوہ نور، یہ جلوہ حقیقت، یہ جلوہ محبوبیت۔ اس جلوہ
الوہیت کے اتنا قریب ہوا۔ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ اس کو اتنا پاک کر دیا گیا۔
علائق مادیہ سے۔ علائق بشریہ سے۔ علائق ناسوتیہ سے۔ اتنا پاک کر دیا۔
اور فرشتوں میں بھی کچھ علائق تھے۔ جبھی تو سورۃ المنتہیٰ سے آگے جا نہ سکے۔ اگر
وہ تمام علائق سے پاک ہوتے۔ تو وہ بھی لامکان میں جاتے ـــ
اگر وہ تمام علائق ـــ علائق نورانیت میں ہوتے ہیں۔ آپ کو کیا خبر ـــــ
صرف علائق مادیت کے ہی نہیں ہوتے۔ علائق نورانیت کے ہوتے ہیں ـــ آپ کو خبر نہیں کہ
کیا بات اور کچھ پردے بشریت کے ہی نہیں ہوتے۔ پردے نورانیت کے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا

نہ ہمیں بشر کی خبر نہ نور کی خبر

بھی پردہ بن جاتا ہے۔ جسم کے بھی پردے ہوتے ہیں۔ قلب کے بھی پردے ہوتے ہیں۔ روح کے
بھی پردے ہوتے ہیں۔ سِر کے بھی پردے ہوتے ہیں۔ مادہ کے بھی پردے ہوتے ہیں۔ نور
کے بھی پردے ہوتے ہیں۔ روحانیت کے بھی حجابات ہوتے ہیں۔ اولیاء سے پوچھو۔
جو حجابات سے گزر جاتے ہیں جو کبھی گزرے نہ گئے نہ آئے انہیں کیا خبر —— وہ صرف اک
ہی جلوہ میں لگے رہا —— کہ کہیں گئے نہ آئے — جو کبھی بیرون ہی نہیں گیا۔ اسے کیا پتہ
کہ اندرون کیا ہے اور بیرون کیا ہے — اندرون والا جو کبھی دہلی دروازہ سے باہر گیا ہی
نہیں — وہ سمجھتا ہے کہ سارا لاہور یہیں پر ہے —— بس لاہور یہی لاہور ہے۔
جو اندرون سے کبھی باہر گیا ہی نہیں —— جو بیرون رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے سارا
لاہور یہی ہے — اس کو پکڑ کے اندرون لاؤ —— پتہ چلے گا ادھر طرف بہت کچھ یہ بھی
ہے — اندرون والے کو پکڑ کے بیرون باہر لے جاؤ —— پتہ چلے لاہور ادھر طرف بہت کچھ
اور بھی ہے۔ جو مکان سے باہر گیا ہی نہیں۔ اسے کیا خبر کہ کوئی لامکان بھی ہے۔
جو علائق میں ہے۔ اسے کیا خبر کہ کوئی ورائے علائق بھی ہے۔ تو بشریت کے
علائق ہیں —— اس لیے بشریت اوپر نہیں جا سکتی —— پھر نورانیت کے
علائق ہیں۔ اس لیے عرش معلیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر نہیں جا سکتے۔
تو فرشتوں کے بھی کچھ علائق — نورانیت کے علائق ہیں۔ وہ علائق نورانیت کے باعث
نور کی انتہا پر تو کھڑے ہیں۔ مگر ورائے نور عالم لامکان میں نہیں جا سکتے۔ جب
مصطفیٰ علیہ السلام لامکان میں چلے گئے۔ تو اعلان ہو گیا مصطفیٰ کے سراپا کو دیکھو۔ جلوۂ
مصطفیٰ کو دیکھو۔ اس میں عظمت و رفعت کو دیکھو۔ بشریت کے علائق دنیا میں
چھوڑ کے آگیا۔ نورانیت کے علائق سدرۃ المنتہیٰ پر چھوڑ کے آگیا۔

جب آقا علیہ السلام عرش معلیٰ پر آ گئے۔ تو علائق بشریت کے مکمل
بھی پاک ہو گئے — جبھی تو یہاں تک آ گئے اور جب سدرۃ المنتہیٰ چھوڑ کر عالم لامکان میں
چلے گئے۔ تو اللہ کی ذات کی قسم علائق نورانیت سے بھی پاک ہو گئے۔ تم
تو نور و بشریت میں جھگڑا کرتے ہو —— نہ ہمیں بشر کی خبر نہ ہمیں نور کی
کیا خبر تم نور و بشر میں جھگڑتے رہتے ہو — ارے دیکھو تم کہاں آ گیا ہے عالم خلق میں

جہاں بشریت بھی علائق میں داخل ہے۔ اور نورانیت بھی علائق میں داخل ہے۔ وہاں
جانے کے لیے بشریت سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ اور نورانیت سے بھی نکلنا پڑتا
ہے جب لامکاں میں پہنچے تو مصطفیٰ جب عالم عرش پر آئے تو بشریت کا لباس
اتار دیا تھا ——— اور جب عرش والوں کو چھوڑ کر لامکاں میں گئے۔ تو نورانیت
کا لباس بھی اتار دیا تھا ——— اب کون سا لباس رہ گیا
سو یہ ہے کہ یہ ملک ہے۔ جہاں آپ کون دور کر جانے۔
وہ کاف ق سے مشترک ہے۔
علائق بشریت کا لباس سدرۃ المنتہیٰ میں اتار دیا ——— علائق نورانیت کا لباس عرش
معلیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ پر اتار دیا۔ ایک بار سیدنا کا فیض یہاں ملا ——— دوسری بار سرکار
کا فیض یہاں ملا ——— کہ پاک ہے تو ——— علائق بشریت سے۔ فرمایا محبوب سب
پاک ہے تو آج علائق نورانیت سے۔ میں تو پاک ہوں اس کی ہوں ——— میں تو وہ پاک
ہوں جسے سمجھ کوئی نہیں سکتا۔ فرمایا آج اس پاک نے تجھے بھی پاک بنا دیا ہے
پہلے علائق بشریت سے پاک کیا۔ پھر علائق نورانیت سے پاک کیا۔ عالم
لامکاں میں آ گئے۔ ختم دنیٰ کی آواز آئی تو وہاں علائق لگے تھا۔ اب دوری حجاب کے علائق۔
علائق حجابات تھے۔ حجابات تھے نور کے ——— حضرت بایزید بسطامی
فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک دن معرفت کے سمندر میں غوطہ لگایا تاکہ جانوں۔ کہ حضرت جعفر کی
کیا ہے۔ کہ آقا علیہ السلام کی حقیقت کیا ہے۔ فرمایا جب میں نے غوطہ لگایا۔ فاذا بینی و بینہا
تو میں نے اپنے مقام کی انتہا۔ اور حقیقت محمدیہ کی ابتداء اس کے درمیان ہر وہ جانے کے لیے
ایک ہزار نور کے پردوں کو حائل پایا۔ تو نور کے بھی پردے ہوتے ہیں۔ صرف کپڑے کے
پردے نہیں ہوتے۔ صرف اس گارا مٹی چونا اور اینٹ کے پردے نہیں ہوتے یہ پردے
ہمارے لیے ہیں۔ جو صرف بشری ہی بشر کا ہیں۔ اور مادی ہی مادی ہیں۔ یہ پردے ہمارے
لیے ہیں ——— اور جب ان پردوں ——— نکل جاتے ہیں۔ ان کے لیے بعد پردے ہیں۔ وہ نوری پردے
تو آگے نور کے پردے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ پردے اٹھانے پڑتے ہیں۔ تو جب سدرۃ المنتہیٰ
پر گئے ——— تو وہاں تجلیات الٰہیہ کے پردے تھے ——— ستر ہزار پردے تھے۔ علماء نے مختلف

باتیں ہیں۔ اگر عدد مختلف ملیں تو کوئی حرج کی بات نہیں، جس کو جتنی سمجھ
آئی اس نے اتنا لکھ کر دیا ——— ستر ہزار حجابات نور تھے۔ اور وہ نور بے نور
نہ تھے وہ نور تجلیات الٰہیہ کا نور تھا۔ وہ نور تھا جس کی ایک تجلی نے طور کو
جلا دیا تھا۔ وہ جس کی تجلی کی ایک جھلک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش
کر دیا تھا۔ اولوالعزم پیغمبر رسول کو بے ہوش کر دیا تھا۔ اس نور کے کم سے کم
ستر ہزار اللہ جانے تجلیات الٰہیہ کے وہ انوار کے پردے تھے۔ وہ بھی علائق تھے۔
تو فرمایا محبوب اب علائق ——— بھی گزر آ ——— جب پچھلے علائق بشریت
چھوڑ آیا ہے۔ جب پہلے علائق نورانیت چھوڑ آیا ہے۔ اب یہ حجابات کے
علائق بھی چھوڑ آ۔ میرے مصطفیٰ اسی آن کے فیض سے بڑھتے گئے اور حجابات
تجلیات کے سارے علائق حجابات کے سارے علائق سے نکل کر پیچھے چھوڑ کر
آگے گزر گئے ——— اتنا بڑھے کہ آواز آئی ثم دنی مصطفیٰ اب تو مقام دنیٰ پر آگیا
ہے۔ تو سارے علائق تجلیات کے انوار کے نورانیت کے بشریت کے ناسوتیت
کے ملکوتیت کے جبروتیت کے لاہوتیت کے علائق اب عالم لاہوت میں
میں ہیں ——— اب وہ بھی گزر گیا ہے۔ اب نہ ناسوت رہا۔ نہ ملکوت رہا۔ نہ جبروت
رہا۔ نہ لاہوت رہا۔ اب ثم دنیٰ پر پہنچے محبوب اب تو قریب پہنچ ہے۔
لعبد کے علائق ختم ہو گئے۔ لعبد کی وادیاں ختم ہو گئیں ——— کہ فاصلے ختم ہو گئے۔
ثم دنیٰ اب تو دنیٰ کے موڑ پر آگیا ہے۔ گھر قریب ہے۔ اب گلی کے موڑ پر
آگیا ہے۔ سارا راستہ عبور ہو گیا ——— فاصلے طے ہو گئے۔ سب منزلیں پیچھے
رہ گئیں ——— ثم دنیٰ۔ اب یار کی گلی کے موڑ پر آگیا ہے۔ (۱۸ — ۵۵)
۴۔ اس موڑ کا نام مقام دنیٰ ہے ——— فرمایا محبوب اب آگے آ ——— اب موڑ سے آگے گزر جا
تو بلا تشبیہ و بلا مثال سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں ——— تو فرمایا محبوب اب تو اس
گلی جس کو چھپا کے رکھا تو آیا تھا جس کے لیے تجھے لے جایا گیا تھا اب دنیٰ کے موڑ پر آگیا ہے
محبوب اب کیا کرو ——— رک جا۔ اب گھر والا خود آتا ہے ——— فتدلیٰ پھر وہ قریب
ہوا۔ موڑ تک پہنچا ——— اور فتدلیٰ اور پھر وہ موڑ تک پہنچا اور قریب ہوا ——— پھر قاب

قوسین۔ پھر اتنے قریب ہو گئے کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ وہ تشبیہ سے بھی پاک اور مثال سے
بھی پاک۔ سمجھانے کے لیے کہی ہے تاکہ وہ اونچی بات ہمیں سمجھ آ جائے تاکہ ہم
مثال سے سمجھ سکیں۔ ورنہ وہ کمانوں سے بھی پاک ہے۔ اور مثالوں سے بھی پاک ہے
اور کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ وہاں کوئی تیر کمان تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ ہمیں سمجھایا۔ اور
کمانوں کی بات کہی گئی۔ بڑی گہری بات ہے۔ مگر اس میں ایک نشانیوں سے
دو کمانوں کی مثال ہے۔ تیر کمان تو آپ جانتے ہی ہیں نا جب دو بازو کو
آگے کریں۔  یہ ایک کمان ہے۔ یہ رخ کیا ہوا۔ اللہ نے ایک
کمان کہا ہے۔ یہیں فرمایا دو کمانوں کا۔ اب ایک ادھر سے اور دوسرا کوئی
ادھر سے آگے ایسے کرے۔ علمائے میں تشبیہ و مثال نہیں۔ وہ کمانوں
مثالوں سے پاک ہے۔ آپ کو سمجھانے کے لیے اللہ پاک نے۔ ایک تشبیہ کی زبان
میں بات کہی۔ اور وہ خود کیفیت حال اور مقام کو خود وہ پاک ہے فرمایا
دو کمانوں کا فاصلہ۔ ایک دنیٰ کی کمان تھی۔ وہ جو ادھر سے آ رہا تھا۔ اور ایک
فتدلیٰ جو اوپر سے آ رہا تھا۔ ایک جانے والے کی کمان تھی۔ ایک بلانے والے کی کمان
تھی۔ جب دونوں ہاتھوں دو کمانوں کی مانند مل جائیں۔ تو دو کمانوں کا ملنا تمثیل معانقہ ہو جاتا
ہے۔ اور اس میں بھی تشبیہ و مثال سے پاک تھا وہ رب۔ ہمیں سمجھانے کے لیے
فرمایا۔ تھا قاب قوسین۔ جب قاب قوسین پر آئے تو دنیٰ کو چھوڑ دیا۔ فرمایا پھر
اب اس مقام پر محبوب تنہا کو بھی چھوڑ دیا۔ کہ وہ بھی اس مقام کے علاقوں میں سے ہے
چھوڑ کے آگے گزر گیا۔ فتدلیٰ اور قاب قوسین پر پہنچے فرمایا محبوب اب فتدلیٰ
کو چھوڑ دے۔ وہ بھی اس مقام کے علاقوں میں سے ہے۔ آ دو کمانوں کی طرح مل جائیں۔ جلوہ
محب اور جلوہ محبوب جلوہ خدا اور جلوہ مصطفیٰ دو کمانوں کی طرح مل گئے۔ تو
قاب قوسین ہوا۔ گھر والے دروازے تک آ گئے۔ مہمان دہلیز پار۔ بلا تشبیہ بلا مثال
وہاں پہنچ گئے فرمایا محبوب اب یہاں تک تو ایک بیان تھا۔ یہاں تک مثالیں تھیں۔
اب اس سے آگے وہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس کے بیان کے لیے مثال نہیں کہ لوگوں کو سمجھاتی
وہ کہا تھا۔ اب دروازہ کھلا ہے دروازہ کھلا محبوب اندر آ جا۔ حریم ناز میں آ جا۔

محبوب کے حرم ناز میں قدم رکھا۔ خدا نے دروازہ بند کر دیا۔ فرمایا او ادنیٰ۔ لوگو اس
سے آگے کی باتیں خبر نہیں کہ کیا ہوگا۔

شیخ الاسلام
ڈاکٹر محمد طاہر القادری
منہاج القرآن ۳۶۵
لاہور

Tahir

۱۵ — ۰۴ — ۲۰۱۹
۱۰ — ۰۸ — ۱۴۴۰ پیر
۷ — ۵۴ — ۲۰ — PM

۱۴۱ - معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیدار الٰہی جل جلالہ

ڈاکٹر طاہر القادری

جامع مسجد منہاج القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور

جمعہ

15-02-1991

(ما کذب الفؤاد ما رأی ۔ النجم) یہ مہینہ معراج النبی ؐ کا مبارک مہینہ ہے ۔ ۲۷
رات جو شب معراج ہے ۔ آج شب معراج جن فضائل و کرامات سے اور جن
جن انعامات اور نوازشات سے حضور نبی اکرم ؐ کو بہرہ ور فرمایا گیا ۔ اُن میں سے
ایک فضیلت معراج ہے ۔ اور یہ وہ فضیلت ہے کہ حضور علیہ السلام کو اللہ رب العزت
کا دیدار نصیب ہوا ۔ اللہ جل مجدہٗ نے شب معراج حضور ؐ کو بہت سے فضائل
بہت سی بزرگیاں ۔ بہت سی نوازشیں اور بہت سی عنائتیں عطا فرمائیں ۔ بہت
سی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ۔ اور من آیات ربہ الکبریٰ = اللہ پاک کی بڑی بڑی
نشانیوں سے حضور علیہ السلام کو بہرہ ور فرمایا گیا ۔ اور اُن تمام نشانیوں اور نعمتوں
سے بہت سے بڑی نعمت جو حضور علیہ السلام کو عطا کی گئی ۔ وہ دیدار الٰہی کی نعمت تھا ۔
بہت سے معجزات اور اعزازات حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے ۔ مگر وہ دیگر انبیاء
علیہم السلام کو اُن کی شان اُن کی درجات رتبے اور اُن کے فضائل کے مطابق عطا کیے گئے
تھے ۔ اور وہ سب مراتب اور فضائل حضور علیہ السلام کی ذات اقدس میں یکجا کیے گئے ۔
اور جمع بھی جو ہوئے تو اس سے ہر فضیلت اپنے رتبہ اور مقام کے اعتبار سے بھی
حضور علیہ السلام کی ذات اقدس میں منتہائے کمال کو پہنچی ۔ مگر رؤیت باری تعالیٰ کا کمال و
دیدار الٰہی کا شرف یہ صرف حضور علیہ السلام کے لئے خاص کیا گیا ۔

قرآن مجید کی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی ہے ۔ اس میں اللہ رب العزت
نے فرمایا ۔ ما کذب الفؤاد ما رأی ۔ میرے محبوب ؐ کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ۔ دل
نے اسے جھٹلایا نہیں ۔ دل نے اس کی تصدیق کر دی ۔ یہ ہے ترجمہ اس آیت کریمہ
کا ۔ کیا دیکھا آنکھوں نے دل نے کس کی تصدیق کی ۔ کیسے تصدیق کی ۔ یہ تفصیل طلب
مسئلہ ہے ۔ حضور ؐ کا اللہ کے دیدار سے شرف یاب ہونا ۔ اس مسئلے پر صحابہ کرام
سے لے کر آئمہ عظام تک اور علمائے کرام کی آراء ، اقوال ۔ اور مختلف نظریے ہیں ۔ اس
پر بحثیں بھی ہوئی ہیں ۔ بعض نے حضور ؐ کی نسبت کہا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے اور آئمہ کرام نے یہ مذہب اختیار کیا اور فرمایا
کہ حضور علیہ السلام نے بلا شک و شبہ اللہ پاک کو دیکھا ہے۔ اور یہ قول بعض صحابہ کرام
کا کہ اللہ کو نہیں دیکھا۔ اس کا مفہوم انہوں نے یہ لیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں نہیں
دیکھا ہے۔ اس میں دیدار شب معراج کی نفی نہیں ہے۔ کہ ان کا کہنا ہے۔ کہ اس دنیا میں جو
آنکھیں ہیں وہ اللہ پاک کو نہیں دیکھ سکتیں۔ لا تدرکہ الابصار ـــــ اسی سے مراد
انہوں نے یہ لیا کہ اس دنیا میں ان آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ … اور اثبات کیا
کہ اللہ پاک کو دیکھا۔ اس سے مراد لیا شب معراج۔ جب ثم دنا فتدلی ـــ
او ادنیٰ کی منزلوں پر حضور علیہ السلام کو سرفراز کر دیا گیا۔ اور سب مکانی مسافتوں
کو، فاصلوں کو مٹا دیا گیا۔ اور قرب اور وصال اپنے کمال پر پہنچا اور جہاں حجابات اٹھا دیئے
گئے۔ اور حضور علیہ السلام کو اللہ پاک نے اپنا جلوہ عطا فرمایا۔
سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن عباس کا قول ہے بہت سے صحابہ کرام کا۔
مگر حضرت حسن بصری رضی اللہ حضور علیہ السلام کی نسبت رؤیت باری تعالیٰ اللہ کے دیدار سے متعلق
جب ہونے کی بات آتی۔ تو آپ اللہ کی قسم کھا کر کہتے کہ اللہ کی قسم ہے کہ حضور علیہ السلام
نے اللہ کو دیکھا۔ (۳ بار فرماتے) اس مسئلے پر ان کا شرح صدر اور یقین
کی پختگی کا عالم یہ تھا۔ اور امام احمد بن حنبل رح سے پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ رأی محمد
ربہ ـــ فرمایا کہ ہاں حضور علیہ السلام نے اللہ کا دیدار کیا اور یہ فرماتے ہوئے آپ کی سانس
ٹوٹ جاتی تھی ـــ یعنی بار بار ان کلمات کو دہراتے رہتے سانس کے ختم ہونے
تک۔ معلوم ہوا کہ ان کو اس مسئلے پر اتنا یقین کامل تھا۔ کہ وہ پوری ثقوت کے ساتھ
اسے بیان فرماتے ـــ سمجھانا مقصود یہ ہے کہ اس مسئلے پہ مختلف اقوال ہیں۔
مگر مذہب مختار اکثریت صحابہ کرام کی تابعین کی اور آئمہ محدثین کی اس بات پر اتفاق
کرتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے اللہ پاک کا دیدار کیا ہے۔ اور بعضوں نے یوں کہا۔ دیدار
کیا اور آنکھوں سے دیدار کیا۔ بعضوں نے کہا۔ کہ آنکھوں سے نہیں دل سے زیارت
کی۔ بعضوں نے کہا کہ دل اور آنکھوں دونوں طریق سے دیدار کیا۔ مختلف اقوال ہیں
آگے میں ان کے اندر تطبیق کی ایک صورت اپنانا چاہتا ہوں۔ (۱۳ ـــ ۱۰)

کہ مختلف اقوال ہیں۔ انہیں میں یکجا کر کے سب کو ایک بنا کے سمجھا جائے تو ایک
صورت تطبیق کی بنتی ہے۔ کہ آنکھوں سے بھی دیکھا اور دل سے بھی دیکھا۔ اور یہ کہنا
کہ آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ دل سے دیکھا۔ قرآن کا کہنا کہ دل نے اسے نہیں جھٹلایا
جو ہمارے محبوب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تو ان ساری باتوں کا معنیٰ کیا ہے۔ ایسے
سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جو واقعہ ہے جو طور پر پیش آیا۔ اس کی روشنی میں سمجھنا۔
آسان ہو جائے گا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔ رب ارنی
اے اللہ مجھے اپنا آپ دکھا۔ مجھے اپنے دیدار کا شرف عطا فرما۔ تو اللہ نے فرمایا کہ لن
ترانی۔ اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ چیز میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ مولانا الہی
کے پہلے خطبات میں بیا۔ تفاسیر میں۔ اور درس میں۔ کہ لن ترانی میں نفی اس طور
کی گئی کہ اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اس بات کی نفی نہیں کی۔ کہ مجھے دیکھا نہیں
جا سکتا۔ کہ مجھے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ یا مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ فرمایا لن ترانی۔
اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اس جواب کے اندر ایک وضاحت پوشیدہ ہے
اور اس نفی کے اندر ایک اثبات پوشیدہ ہے۔ کہ تم نہیں دیکھ سکتے۔ مراد یہ ہے
کہ اے موسیٰ مجھے دیکھا تو جا سکتا ہے۔ اور میرا جلوۂ حسن ممکن ہے۔ اور کوئی آنکھ
اگر تاب نظارہ رکھتی ہے۔ تو میرا جلوہ دیکھ تو سکتی ہے۔ مگر اے موسیٰ تیرے لیے یہ کام مشکل
ہے۔ لن ترانی تم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر بات یہاں ختم ہو جاتی۔ تو معاملہ اس کی ایک
حد تھی۔ مگر اس سے آگے جو واقعہ پیش آیا وہ ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کرتا
ہے۔ اللہ نے فرمایا ولکن انظر الی الجبل ۔۔۔ (قرآن – اعراف) اے موسیٰ ہم ایسا
کرتے ہیں کہ اپنی تجلی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ اور یاد رکھ لیں۔ تجلی کسے کہتے ہیں
ظاہر ہونے کو۔ ہم اپنی تجلی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ اور تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر
یہ پہاڑ ہماری تجلی برداشت کر گیا اور اپنی جگہ پر قائم رہا ۔۔۔ تو تم مجھے دیکھ لو۔ تجلی
کہتے ہیں ظاہر کرنے کو۔ اپنے جلوۂ حسن کو ظاہر کرنا ۔۔۔ یہ تجلی ہے۔ فرمایا فلما تجلی ۔۔۔
وخر موسیٰ صعقا۔ جب اللہ رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی۔ وہ تجلی کیا تھی۔ اس
پہاڑ پر اپنے جلوۂ ذات کا اور اپنے جلوۂ نور کا۔ اس پہاڑ پر ظہور فرمایا۔ کہ تجلی کا مطلب

ظہور فرمایا۔ اس پہ ظاہر ہوا — یہ نکتہ قابل توجہ ہے۔ یہ خیال جو لوگ کرتے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے۔ تو دیدار کسے کہتے ہیں۔ دیدار کہتے ہیں کہ آنکھ پہ کسی کا جلوہ
ظاہر ہو جائے — بس یہی دیدار ہے۔ اگر اللہ کا حسن کا جلوہ ظاہر نہیں ہوتا۔
تو پہاڑ پہ کیا ہوا — فلما تجلی — جب اس پہاڑ پہ اللہ پاک نے حسن
کو ظاہر فرمایا — پہاڑ پر اک ظہور فرمایا — یہ ہے تجلی۔ ظاہر ہوا۔ جعلہ دکا
وہ ظہور جلوہ ذات کو برداشت نہ کر سکا۔ اور ریزہ ریزہ ہو کر جل گیا۔ وخر
موسیٰ صعقا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کے پہاڑ پہ ظہور حسن کا جو نظارہ کیا
تو پہاڑ تو راکھ راکھ ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر اس کا اثر یہ ہوا۔ کہ وہ بے ہوش
ہو کر نیچے گر پڑے۔ تو یہاں دو سوال پیدا ہو گئے۔ یعنی چیزیں —
(۱) اللہ پاک نے اپنا ظہور فرمایا تو فرمایا — فلما تجلی ربہ للجبل۔ گویا یہ ظہور کا بتا دیا ہے
اللہ پاک اپنے ظہور کا جلوہ قدرت کو ظاہر کیا — پہاڑ پر۔ دوسری بات جعلہ
دکا۔ اللہ پاک نے اپنا جلوہ حسن پہاڑ پہ ظاہر کیا — تو جعلہ دکا کا مطلب یہ ہوا کہ پہاڑ
اسے جذب نہ کر سکا — پہاڑ میں اتنی طاقت نہیں کہ اسے جذب کر سکتا۔
یہ مفہوم ہے برداشت نہ کر سکنے کا۔ جو جذب کر لے۔ اس نے برداشت کر لیا
جو سنبھال لے جذب کر لے اس نے برداشت کر لیا — وہ چونکہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔
جل اٹھا راکھ ہو گیا۔ تو مطلب یہ ہے اس جلوہ حسن کے ظہور کو۔ جلوہ ظاہر تو ہوا
اس پہ۔ اتنی بات تو ہو گئی۔ مگر وہ برداشت نہ کر سکا۔ اور جل اٹھا۔ اور
ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اب وہ جو ظہور ہوا جلوہ حسن کا اس کا حصہ موسیٰ علیہ
السلام کو ملا یا نہ ملا — وخر موسیٰ صعقا۔ اگر اس جلوہ حسن کے ظہور کا کوئی
حصہ موسیٰ علیہ السلام کو انعکاساً اس جلوہ حسن کا جو ظہور تھا۔ اس کا اثر تو
اگر موسیٰ علیہ السلام پہ نہ پڑا ہوتا تو آپ کے بے ہوش ہو کر گر پڑنے کا کیا مطلب
ہے۔ تو جو اثر پہاڑ پہ ہوا وہی اثر موسیٰ علیہ السلام پہ بھی ہوا — مگر فرق یہ تھا۔ کہ پہاڑ
پہ براہ راست ظہور ہوا وہ جل اٹھا — موسیٰ علیہ السلام نے انعکاسی ظہور کا اثر
لیا۔ وہ بے ہوش ہو گئے — یہ فرق رہا — اس جلوہ حسن کا ظہور کا انعکاس

موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس پر ہوا — جو وہ بے ہوش ہو گئے۔ پہاڑ پر براہ راست
ظہور ہوا — وہ جل اٹھا — تو فوراً ہوا نا — موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔ قرآن
مجید نے فرمایا تھا۔ فان استقر مکانہ — اگر یہ قائم رہا اے موسیٰ تم مجھے دیکھ لو گے — اس
اس نے میرا جلوہ حسن کے ظہور کو برداشت کر لیا — اپنے اندر جذب کر لیا۔ تو اے
موسیٰ فسوف ترانی — تو تم مجھے دیکھ لو گے۔ اگر اس نے برداشت کر لیا — اور اپنی جگہ
پر قائم رہا تو وہ میرے حسن کا مظہر بن جائے گا — فسوف ترانی کا مطلب یہ ہے
وہ میرے حسن کا وہ میرا ظہور اس پر ہو گا — اور اگر اس نے برداشت کر لیا۔ وہ قائم
رہا تو وہ اس کا مظہر بن جائے گا — جیسے سورج کا ظہور آئینے پر ہو۔
اور آئینے میں جو سورج چمکنے لگے — اور کوئی آئینے کو دیکھے اس نے دیکھ لیا تا سورج
کو — جیسے دیکھا — آئینہ برقرار رہے تو دیکھا جائے گا — اور اگر اس کا شیشہ
ٹوٹ جائے — آئینہ کا شیشہ چور چور ہو جائے — تو پھر نہیں دیکھا جا سکے گا۔
وہ آئینہ مظہر نہ رہا — وہ چور چور ہو گیا تا ٹوٹ گیا — تو جب اپنی حالت پر قائم
نہ رہا — تو وہ مظہر نہ ہو سکا — اس میں دکھائی نہ دیا — اور اگر اپنی حالت
پر برقرار رہا — تو سورج اس میں چمک اٹھا — اور دیکھنے والے نے اس آئینے میں
سورج کو دیکھ لیا — آپ کو اس مثال کی سمجھ آ گئی — تو اس پہاڑ کو اللہ تعالیٰ
نے آئینے کی مثل بنایا — فلما تجلی ربہ للجبل — فرمایا موسیٰ براہ راست تو میری نگاہ
مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ براہ راست تو میرے جلوہ حسن کا نظارہ کر نہیں سکتا — ہم اس
طور کو آئینہ بناتے ہیں۔ اور اس کے آئینے میں ہم اپنے حسن کا جلوہ اتارتے ہیں۔
اگر یہ آئینہ طور اپنی حالت پر برقرار رہا — تو دیکھنا میرا حسن تجھے نظر آ جائے
گا — ہم اس کو مثل آئینہ کے بناتے ہیں اور اپنا جلوہ حسن اس کی ایک جھلک اس
میں اتارتے ہیں — اپنی تجلی اس پر فرماتے ہیں — اپنے حسن کو بے نقاب کرتے ہیں۔ اس
پر اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں — اگر یہ آئینہ طور اپنی حالت پر برقرار رہا — اور اگر اس نے
اپنے اندر میرے حسن جلوہ کو برداشت کر لیا — تو موسیٰ پھر اسے دیکھنا سامنے
یہ ہو سکتا ہے تمہیں میرا حسن ہو گا — میرا حسن ہو گا — فسوف ترانی — پھر آئینہ

طور کے اندر تمہیں میرا جلوہ نظر آ جائے گا۔ تو اللہ پاک نے پہلے اپنا ظہور فرمایا پہاڑ پر۔ اگر یہ اپنی حالت پہ قائم رہا۔ پہلے شرط لگا دی۔ تو تم دیکھ لو گے۔ مگر وہ پہاڑ تھا۔ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ جب آئینہ چور چور ہو جائے تو اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ تو وہ مقام مظہریت پہ نہ رہا۔ البتہ اس کی شعاعیں اس ظہور کے جلوہ حسن کی انعکاسی شعاعیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح پر پڑیں۔ اس کے نظارے سے بے ہوش ہو گئے۔ کیونکہ وہ جذب نہیں ہو سکی تھیں۔ اسی طرح منعکس ہو گئیں۔ تو ان شعاعوں نے طور کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش کر دیا۔

اب اس واقعے کو اچھی طرح آپ ذہن میں رکھ لیں۔ اس کے بعد اس آیت کی میں تفسیر کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا ماکذب الفواد ما رای۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا۔ دل نے اس کی تصدیق کی۔ دل نے اسے جھٹلایا نہیں۔ اب اس مقام کی جو تشریح ہے وہ اس واقعہ سے کرتا ہوں (تا کہ تطبیق ہو جائے) پتہ یہ چلا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ آنکھیں براہ راست لا تدرکہ الابصار۔ اب وہ جو اقوال تھے نا۔ کہ کسی نے کہا کہ نہیں دیکھا۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں تو جواب دیا کہ آنکھیں دیکھنے کے قابل نہیں۔ اب وہ سارے اقوال ہم نے جمع کر رہے ہیں۔ ہم یہ انکار نہیں کرتے اس بات کا کہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ بے شک آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ باوجود اس کے یہ کہہ کر لن ترانی فرمایا تھا۔ دکھائے جانے کا ایک اہتمام تو کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ لن ترانی تم نہیں دیکھ سکتے۔ یہ نفی کی رویت کی بالعین۔ کہ آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں۔ تو باوجود اس کے کہ آنکھیں دیکھ نہ سکتی تھیں۔ مگر اس رویت کا ایک سامان تو پیدا کیا ہے نا۔

اس دیدار اور اس نظارہ حسن کا سامان تو پیدا کیا تھا۔ اور اس کے لیے طور کو مظہر بنایا تھا۔ اس پر اپنا ظہور کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اگر اس نے میرے جلوہ حسن کو سنبھال لیا۔ برداشت کر لیا۔ اتنی طاقت اسے مل گئی۔ تو پھر میرا جلوہ حسن اس کے اندر آ گیا۔ فسوف ترانی پھر جب دیکھا اسے دیکھنا تو تمہیں میرا جلوہ نظر آ جائے

گا۔ (۵۵-۲۴) تو ظاہریت کے طریق پر موسیٰ علیہ السلام کو اپنا دیدار کرانے کی ۔
اب اللہ رب العزت نے فرمایا اے محبوب ثم دنیٰ فکان قاب ۔ آگے مقام
قاب قوسین پر لے گئے پھر مقام او ادنیٰ پر فائز کیا۔ جب وہاں فائز کیا۔ تو حضور علیہ
السلام نے دیدار چاہا ۔ آنکھوں کو اس پیکر بشریت کی نقش نا ۔ اور دل کا مقام
بہت بلند تھا۔ اس مقام پر اللہ پاک نے چاہا کہ محبوبؐ کو اپنے دیدار سے نوازا
جائے۔ تو وہاں پر اہتمام یوں کیا تھا کہ طور کو مظہر بنایا تھا۔ اور اس پر اپنا جلوہ کیا، اور
اپنا آپ اس پر ظاہر کیا۔ اور بار بار سجدے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا
کہ اسے دیکھو یہاں سے کچھ اندر ہی اندر کر دیا ۔ فرمایا محبوب اپنے اپنے دل کو اپنی
جلوہ گاہ بنا لیتے ہیں ۔ وہاں تھا فلما تجلی ربہ للجبل ۔ کہ اللہ پاک نے جب اپنے جلوہ
حسن کو پہاڑ پر ظاہر کیا ۔ اپنے جلوۂ نور کو پہاڑ پر ظاہر کیا۔ اب یہاں کوئی نہ تو پہاڑ
تھا۔ نہ کسی پہاڑ کی حاجت تھی۔ یہاں فرمایا محبوب اپنے اپنے دل کو اپنی جلوہ گاہ بناتے
ہیں ۔ ان آنکھوں نے نظر اٹھائی مگر نور اک حجاب تھا۔ فرمایا نور ان دائی
میں ان آنکھوں نے دیکھا۔ وہ نور ہی نور تھا۔ اس نور سے آگے کیسے دیکھتا ۔ تو آنکھوں کے
سامنے تو نور تھا۔ حجاب تھا۔ مگر قلب اطہر کے لئے کوئی حجاب نہ تھا۔ تو محبوب کے
قلب اطہر کو حضور علیہ السلام کے دل انور کو اللہ پاک نے اپنے جلوہ ذات کی جلوہ
گاہ بنا دیا ۔ جلوۂ ذات کا ٹھکانہ بنا دیا اور وہ محل جو صفاتی تجلی کے اعتبار سے طور پر
جلوۂ ذات ہی نہ تھا۔ جلوۂ صفات تھا۔ صفاتی تجلی تھی ۔ اور انبیاء علیہم السلام اللہ
پاک کی صفاتی مظہر ہوتے ہیں ۔ اولیاء کرام اللہ پاک کا اسمائی مظہر ہوتے ہیں۔ ساری
مخلوق اللہ پاک کی افعالی مظہر ہے۔ اللہ کے افعال کی مظہر ہے ۔ افعالِ الٰہیہ کی مظہر ہے
اور آپ سید تاجدار کائنات ﷺ اللہ کی ذات کے مظہر ہیں ۔ حضور کی شان مظہریت میں
اللہ کا اسماء کے بھی مظہریت شامل ہے۔ افعال کی مظہریت بھی شامل ہے۔ افعال کی بھی شامل
ہے ۔ صفات و اسماء کی بھی شامل ہے ۔ مگر یہ سب در ثانیت ہیں ۔ مگر آپ
کی فضیلت یہ ہے کہ آپ اللہ کی ذات کے مظہر ہیں ۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے
مقابلے میں طور پر۔ جلوۂ صفات تھا۔ مگر یہاں جلوۂ ذات تھا۔

بڑی اونچی بات ہے کہ جلوہ ذات سے ہے۔ جلوہ صفات کے لئے جہاں کہ منظر طور کو بنایا۔
اور یہ طور کو قلب رسول سے کیا نسبت ہے۔ یہاں اپنے جلوہ ذات کے لئے
قلب محمد ﷺ کو اللہ پاک نے منظر بنایا۔ فرمایا محبوب ہم اپنا جلوہ تیرے ہی دل میں
اتار رہے ہیں۔ یہی بات نکلتی ہے کہ امام نے کہا تھا۔ کہ میں ان احوال کو لے کر کیا
تطبیق کروں گا۔ * میں اس وقت کسی ایک قول پر بات نہیں کر رہا۔ وہ جو
اقوال ہو گئے تا کہ نہیں دیکھا۔ اور دیکھا۔ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں دل دیکھ سکتا
ہے۔ ان اقوال کو لے کر تطبیق کے طور پر گفتگو کر رہا ہوں۔ وہ قول کہ آنکھیں نہیں دیکھ
سکتی تھیں۔ دل نے دیکھا۔ جلوہ ذات کو۔ اس قول پر گفتگو کرتے ہوئے۔ فرمایا
محبوب ﷺ آنکھیں بے حجاب جلوہ ذات نہیں کر سکتیں۔ فرمایا محبوب تیرے قلب میں
تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ رکاوٹ تو براہ راست رویت بالعلم ہے۔ اور یہاں ارادہ
رکاوٹ ہے آنکھوں سے۔ مگر تیرے قلب اطہر کو تو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس لئے
محبوب ہم تیرے دل کو اپنی ذات کی جلوہ گاہ بناتے ہیں۔ اور اپنی ذات کا جلوہ
تیرے قلب اطہر پہ اتار رہے ہیں۔ کہ تیرا دل ہمارے جلوے کے منظر ہونے میں مقام امکان
میں پہنچ جائے جب امکان میری ذات کی جلوہ گاہ ہے۔ محبوب تیرا دل میری ذات
کی جلوہ گاہ ہوگا۔ فان استقر مکانہ۔ تو جب ہم نے موسیٰ سے کہا تھا۔
کہ جب ہم جلوہ اتاریں گے۔ پہاڑ پر تو اگر پہاڑ برقرار رہا۔ تو وہ میرا منظر بن جائے گا
اگر یہ برقرار رہا اپنی حالت پر تو پھر مجھے دیکھ لو گے۔ محبوب ہم تیرے قلب اطہر میں
اپنی ذات کا جلوہ اتارتے ہیں۔ فان استقر مکانہ اگر تیرا دل میری ذات کے جلوے
پر برقرار رہا۔ اور میرے جلوہ حسن ذات پر برقرار رہا۔ اس کی حالت بگڑی نہ تا۔
ہوش قائم رہا۔ اگر اس نے جلوہ ذات کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ اور خود کو سنبھال لیا
اور میرے جلوے کا منظر بن گیا۔ اے محبوب یہ آنکھیں جو ہیں براہ راست نہیں دیکھ سکتیں۔ ہم پہلے
تیرے دل کو اپنی جلوہ گاہ بناتے ہیں۔ اور پھر آنکھیں بعد میں تیرے دل کو جب دیکھ لیں گی۔ محبوب یہی
بات ہے تا کہ جیسے وہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ براہ راست تو پھر کیا بات ہوگی۔
اگر آنکھیں براہ راست میرے جلوہ ذات کو دیکھ نہیں سکتیں۔ تو ہم اپنا جلوہ تیرے دل

میں اتار دیئے ہیں۔ ؎

آئینہ دل میں ہے تصویرِ یار جب چاہا گردن جھکائی دیکھ لیا۔

اور تیرے دل کو اپنی ذات کی جلوہ گاہ بنا دیئے ہیں۔ اب محبوب تیری آنکھیں تیرے دل کو دیکھیں وہ دل نہیں ہے۔ بلکہ نظر آئے میری ذات نظر آئے گی۔ تیرا دل میرا جلوہ ہو چکا ہو گا۔ تیرے دل میں بس میرا جلوہ ہی جلوہ ہو گا۔ دنیا کا مازاغ البصر وما طغیٰ۔ نہ آنکھ نہ بھٹکی نہ حد سے بڑھی۔ تو تیرے دل کو اپنی جلوہ گاہ بنا رہے ہیں۔ اپنی ذات کا جلوہ حسن تیرے دل میں چمکاتے ہیں۔ اب محبوب اب تیری آنکھیں تیرا دل کو دیکھیں۔ میں نظر آ جاؤں گا۔ ما کذب الفؤاد ما رای۔ جو آنکھوں نے دیکھا تو دل نے تصدیق کر دی۔ کس چیز کی۔ آنکھوں نے دیکھا کہ یہ جلوہ ذاتِ الٰہی ہے۔ شاید کسی کو خیال ہوتا۔ وہ آنکھوں نے دیکھا وہ اللہ کا جلوہ تھا یا نہ تھا۔ تو دل نے تصدیق کر دی نہیں نہیں یہ تو وہی ہے یہی اس کی ذات کا جلوہ ہے۔ جو آنکھوں نے دیکھا تو دل نے جھٹلایا نہیں۔ فرق کیا ہوا۔ کہ طور برداشت نہ کر سکا تھا۔ اور قلبِ مصطفیٰ برداشت کر گیا۔ طور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور قلبِ مصطفیٰ نے برداشت کر لیا۔ اور وہ جلوہ صفات کو بھی طور نہ کر سکا۔ اور یہ جلوہ ذات کو برداشت کر گیا۔ یہ بھی اللہ نے برداشت کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ جلوہ ذات کو برداشت کر لیا تو وہ مظہر ہو گیا۔ تو حضور علیہ السلام کی آنکھوں نے بھی دیکھا اور دل نے بھی دیکھا۔ دل نے تو یوں دیکھا کہ خود جلوہ گاہ بن گیا۔ اور آنکھیں سیر ہو کر تکتی رہیں۔ اور خدا جانے تشنگی رہ تک تکتی رہیں۔ تو آنکھوں نے بھی دیکھا۔ اور دل نے بھی دیکھا۔ اور برداشت کر گیا جلوہ الٰہی۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی تشنگی الگ باقی تھی۔ مشتاق تراش والا۔ چاہا کہ تو ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ تو شعاع کا انعکاس کا اثر تو پڑا تھا۔ کاش کہ طور اپنی حالت پر قائم رہتا۔ اور وہ مظہر بن جاتا جلوہ حسنِ الٰہی کا۔ اور میں دیکھتا رہتا۔ ایک تشنگی قائم تھی کہ نہ طور برقرار رہا۔ اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا ہوش برقرار رہا۔ تو جب ہوش میں آئے تو عرض کیا۔ تبت الیک وانا میں اپنے سابقہ سوال سے تائب ہوتا ہوں۔ مگر آرزو کی تشنگی

تو باقی کیا —— (۲۰ — ۳۶) اور بڑھ گئی تشنگی بلکہ میرا دل تو کہتا ہے علماء
میں سے کسی نے نہ لکھا نہ میں نے پڑھا — مگر دل کہتا ہے کہ اس وقت تشنگی اور
بڑھ گئی ہوگی — توبہ تو کر دی کہ — بے ادب بارگاہِ الٰہی تھا — مگر وہ جو لذت بے ہوشی
کی ملی — اس نے تو اندر آگ لگا دی ہوگی — کہ جب تک دیکھا نہ تھا — جب تک چکھا
نہ تھا — آرزو تھی اب تو تھوڑا سا تک بھی لیا تھا — مگر جو اس حال کو جا پہنچا جائے۔
دیکھ بھی سے اندازہ ہی دیکھے — تو تھوڑی سی جھلک لے — بس اب نہ ہو تو اندازہ کر لیں کہ اس
کی آرزو میں کشش بڑھ جائے گی — اس واقعے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی تشنگی میں تو
شدت آ گئی ہوگی — انتظار کرتے رہے گزرتے رہے۔ شبِ معراج آگئی حضور علیہ السلام
گئے بلائے ہم حاکم مولا۔ طور تو جلوہ گاہ نہیں بن سکا تھا — وہ راکھ ہو گیا تھا۔ میرا محبوب
تو جلوہ گاہ بن گیا ہے کہ طور تو جل گیا تھا جو تیرے جلوے کو سنبھال نہ سکا۔ صفاتی جلوہ
سے میں بھی اب بے ہوش ہو گیا، وہ کام جو طور نہ کر سکا — وہ کام تیرے محبوب نے تو کر لیا ہے
اب میری تشنگی باقی ہے تو نے کہا تھا اگر یہ برقرار رہا — تو تم دیکھ لو گے۔ مولا وہ برقرار
نہیں رہا تھا۔ تو یہ تو برقرار رہے — محبوب کا دل تو برقرار رہا ہے۔ مشرف تو ان کی تشنگی
باقی ہے — فرمایا بس ان کی طلب — ہم محبوب کو پچاس نمازیں دے دیں گے۔ تم راستے میں
کھڑے ہو جاؤ — معلوم تھا کہ آخر میں بچ رہ جائیں گی — مغالطہ تو نہ تھا — بدرجہ کی تو بھی محبوب
بنی ہے۔ تشنگی باقی لے آئے اس تشنگی کو بھی بجھا دیتے ہیں — راستے میں کھڑا ہو جا
میرا محبوب آئے گا — یہ پچاس نمازیں لائے ہو آتا وہ فرماتے گئے کہ پچاس تو کہا حضور
کی امت اتنا بوجھ برداشت نہ کر سکے گی — کم کروا لائیں — بعض کتابوں میں آیا ہے
کہ موسیٰ علیہ السلام نے نو مرتبہ عرض کی تھی — کہتے ہیں مرتبہ التجا کی تھی — تین بار کی التجا
بھی روایت کرتے ہیں — وہ طور برداشت نہ کر سکا، میرا محبوب اس کو برداشت کر کے
آ رہا ہے۔ اب اس کا دل حتیٰ کہ اس کا سراپا میرے حسنِ ذات کا جلوہ گاہ بن گیا
ہے۔ اے موسیٰ اگر طور برقرار رہتا تو تو بھی دیکھ لیتا —— اگر اپنے محبوب کے دل کو اس سے
بڑھ کر کسی کا جلوہ بنا چاہتا ہے کہ جب میرا محبوب آئے گا تو اسے خوب جی بھر کے دیکھ لینا
میرا جلوہ سمجھ جائے گا —— میرا دیدار ہو جائے گا — نہ صرف موسیٰ علیہ السلام نے آقا

کو دیکھا ۔ پھر چیچک والشمس کی تفسیر ۔ پلٹ کے آئے پھیر بھیجی ۔ پھر بھیجا تو جتنی بار دعا کی تھی پھر
پھر دعا کے عوض ایک بار دیدار ہو گیا ۔ تو لوگ کہتے ہیں کہ آقا نے اللہ کو نہ دیکھا ۔
ہم نے کہا ۔ بھی دیکھنا تو بعد کی بات ہے ایسی دیکھا کیا نہ دیکھنے والوں کو دیکھا بھی گئے
خود بھی دیکھ کر آئے ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اندر سے دکھا بھی گئے
تو حضرت محمد مصطفیٰ نظر کامل ہو گئے ۔ وفی انفسکم افلا تبصرون کے ۔ وہ تمہارے اندر تو
ہے تم دیکھتے کیوں نہیں ۔ اس آیت کے مظہر اتم شب معراج حضور علیہ السلام بن
گئے ۔ اور پھر آقا علیہ السلام کو یہ سب کا دائمی نصیب ہو گیا ۔ اس لئے نبی آئے ا
تو تب بھی فرمایا ۔ من رآنی فقد رای الحق ۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا ۔
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۴۷ حدیث ۲۲۶۷) طور اگر برقرار رہتا تو چند لمحوں
کے لئے رہتا ۔ تو صرف لمحوں کے لئے جلوہ گاہ بنتا ۔ اگر آقا برقرار رہے تو عمر بھر کی
جلوہ گاہ بن گئے ۔ اور آج تک آقا دو جہاں اس کے حسن ذات کی جلوہ گاہ ہیں
اور فرمایا من رآنی فقد رای الحق ۔ جو آج بھی مولا کو دیکھنا چاہتا ہے ۔ وہ مجھے دیکھے میرے اندر اس
کا جلوہ نظر آ جائے گا ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حضور علیہ السلام کے اس فیضان سے ہمیں اور حضور کی پوری امت
کو علم و عرفان عطا فرمائے ۔

جس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی ۔

۱۲ — ۰۴ — ۲۰۱۹
۱۱ — ۰۸ — ۱۴۴۰   بدھ   8

۱۲ — ۰۶ — ۲۰ — PM

۴۱۲ - ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1998-08-07 — ڈاکٹر محمد طاہر القادری

خطاب: ورفعنا لک ذکرک = اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ جس کی توفیق
سے حضورؐ کے غلام ہیں داخل ہوئے ماہ ربیع الاول میں۔ میلاد النبیؐ کی اس عظیم
الشان بابرکت محفل کے بعد۔ (۱۸ - ۳) سے ہے آج ذکر مصطفیٰؐ کی محفل ہے
قرآن مجید کی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی ہے، اس میں عجیب عجیب معانی معارف
اور حکمتیں ہم کو مل رہی ہیں۔ آپ اس آیت کے حوالے سے نیا نکتہ سماعت فرمائیں۔
ورفعنا لک ذکرک — کا ایک معنیٰ جو حضرت امام جعفر صادقؓ سے مروی ہے
آج اس معنیٰ کی شرح ہے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد میں
کہ ورفعنا لک ذکرک۔ اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا ہے۔
آپ کا ذکر آپ کے لئے بلند کر دیا۔ اس کا معنیٰ سیدنا امام جعفر الصادقؓ یہ بیان فرماتے
ہیں۔ کہ اللہ رب العزت نے یہ فرمایا ہے۔ ورفعنا لک ذکرک سے کہ ذکر لک کہ آپ کی
جعلت ذکرک ذکری۔ اے محبوب مکرم میں نے آپ کا ذکر آپ کے لئے اس
طرح بلند کیا ہے۔ کہ آپ کے ذکر کو میں نے اپنا ذکر بنا لیا ہے۔

اور یوں آپ کے ذکر کو آپ کے لئے بلند کر دیا ہے۔ یہ ایک قول ہے تفسیر
اس آیت کریمہ کی — جو سیدنا امام جعفر الصادقؓ نے فرمائی — اس قول کو تھوڑا
سا سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب کسی کا ذکر کسی کے لئے بلند
کیا جاتا ہے۔ مثلاً۔ ایک شخص ملک کا صدر ہے۔ یا وزیر اعظم ہے، تو بحیثیت
صدر کے اور بحیثیت وزیر اعظم کے اس کا اپنا ایک مقام اور منصب ہے اور اس
مقام و منصب کے اعتبار سے اپنی اپنی شان ہے۔ اور قدر و منزلت ہے
اگر کوئی اس کا ذکر بلند کرنا چاہتا ہے وہ جو اس کی اپنی قدر و منزلت ہے
اس کے اپنے منصب اور مقام کی حیثیت ہے۔ اگر اس سے اس کا ذکر
کم درجے کا ہو — تو کیا اس کو بھی کہیں گے کہ اس کا ذکر بلند کر دیا، اور اس
کے درجے کے مطابق ہو تو اتنا ہی ذکر کر دیا جائے تو کیا اس کو بھی کہا جائے گا۔ کہ
اس کا ذکر بلند کر دیا — جتنا ذکر کیا ہے۔ اتنا تو وہ پہلے ہی ہے

تو بلندی کیا ہوگی — بلند کرنے کا مطلب کیا ہوا — تو مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس سے
بلند کرنا — آپ نے دس فٹ اونچی دیوار بنائی — دس سال سے چلی آ رہی
ہے — اب اگر کوئی کہے کہ ہم نے اس دیوار کو اونچا کر دیا — تو تبھی یہ بات بنے گی جب
دس فٹ سے بارہ فٹ کر دی جائے — چودہ پندرہ فٹ کر دی جائے۔
تو تبھی ہم کہیں گے نا — کہ ہم نے دیوار کو اونچا کر دیا — اگر وہ دس کی دس فٹ
ہی رہے، اور آپ شور مچاتے پھریں — کہ جی ہم نے دیوار کو اونچا کر دیا۔ یہ تو
بات غلط ہوگی — ہمارے ہاں ادھر نارووال الحسن ہے جو نا تب تھا ویسے ہے۔
اس کا چھوٹا سا شہر ہے (شادی کا مسئلہ اور بوتل ڈاکٹر)
مطلب یہ ہے کہ کو اس سے بلند ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے بلند کر دیا۔
یہ بلند کرنے اور بلند ہونے کی تشریح آسان سی بات ہے — (۱۹ — ۱۳)
جب یہ بات طے ہو گئی کہ بلند اور ارتفاع کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے مقابلے
میں کسی شے کو اونچا کیا جائے — تب کہتے ہیں کہ بلند ہوا۔ اب اس آیت
کریمہ کی طرف پلٹ آئیے — اللہ پاک نے فرمایا محبوب جب مکہ میں تھے — بلا تشبیہ
و بلا مثال — اب فرمایا محبوب ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لئے بلند کر دیا۔
اب بات توجہ طلب ہے — کہ اگر یہ ہوتا کہ آپ کا ذکر آپ کی امت کے لیے
بلند کر دیا — آپ کا ذکر اوروں کے لئے بلند کر دیا۔ تو کہتے جس قدر بھی بلند
ہوتا وہ بلند تصور کیا جاتا — امت کے حساب سے بلند ہوتا — آپ کی
مسجد کے مینار ہیں بادشاہی مسجد کے مینار ہیں۔ مینار پاکستان ہے۔ اگر وہ ارد
گرد کی ساری عمارتوں سے بلند ہوگا — تو اس علاقے میں کہا جائیگا — کہ سب
سے بلند ہے — اور اگر اور عمارتیں بھی اس کے برابر ہیں۔ یا اس سے بھی اونچی ہیں
تو اس سے بلند کوئی نہ ہو جیسے کہا تو بلند تب کہا ہے جب ارد گرد کی ساری
ہی رکھوں سے اونچا نکل جائے — اگر کہا جاتا کہ ہم نے آپ کا ذکر آپ کی
امت کیلئے بلند کر دیا تو مطلب یہ ہوتا — کہ آپ کی امت سے بلند ہو گیا۔ تو کچھ
بلندی ہوتی — اگر کہا جاتا کہ ہم نے آپ کا ذکر سب نبیوں سے بلند کر دیا۔

تو سارے نبیوں سے بلند ہو جاتا۔ اور بے شک بلند ہے۔ تو تب بھی ورفعنا
کا مقصد پورا ہو جاتا کہ بلند ہو گیا۔ کہ سب نبیوں سے بلند ہے۔ اگر
ہوتا کہ ہم نے آپ کا ذکر ساری مخلوق سے بلند کر دیا۔ یہ لفظ آ جاتا تو
تب بھی یہ بات سمجھ میں آ جاتی۔ لیکن اللہ پاک نے فرمایا ورفعنا لک
ذکرک۔ آپ کا ذکر آپ کے لئے بلند کر دیا۔ جس کا مطلب ہے۔ کہ اب آپ کے
لئے آپ کا ذکر تب بلند ہو گا۔ کہ جتنی بلندی حضور علیہ السلام کی اپنی ذات
گرامی کو حاصل ہے۔ جتنی بلندی آپ کے اپنے منصب کو حاصل ہے۔ آپ
کے اپنے مقام کو حاصل ہے۔ آپ کی اپنی قدر و منزلت کو حاصل ہے (۱۷-۶)
جتنی بلندی آپ کو اپنی شان کو حاصل ہے۔ وہ تو حضور کی اپنی بلندی ہو گی۔ اگر ذکر اس
بلندی تک پہنچے۔ تو بلند نہ ہوا۔ اتنا اونچا ہو جتنی شان اللہ تعالیٰ نے آقا کو دے رکھی ہے۔
تو پھر یہ ذکر ہوا۔ بلند نہ ہوا۔ ذکر تو ہوا مگر حضور کے لئے بلند نہ ہوا۔ حضور کے لئے تب
بلند ہو گا۔ کہ حضور کا ذکر حضور سے بھی بلند ہو جائے۔

اب آپ کہیں گے۔ کہ یہ بات آپ نے کیا بات کہہ دی۔ یہ نکتہ سمجھانے والا
ہے۔ تو حضور علیہ السلام سے بلند ہو جائے۔ تو کائنات میں مخلوق میں کوئی جگہ ہے
جو حضور سے بلند ہو۔ کوئی شئے نہیں۔ حضور علیہ السلام خود ساری مخلوق
سے بلند ہیں۔ جب عرش معلیٰ سے حضور اونچے تشریف لے گئے۔ عرش معلیٰ
عالم خلق کی انتہا ہے۔ یعنی جہاں مخلوقات کا عالم ختم ہوتا ہے وہاں عرش معلیٰ ہے اور پھر
حضور عرش معلیٰ سے بھی اوپر تھے تو پھر اور اونچے بلائے گئے۔ تو ساری کائنات
اپنی قدر و منزلت میں اور مقام و مرتبہ میں ساری مخلوق اکٹھی تو حضور سے نیچے
ہیں۔ اور حضور علیہ السلام سے اوپر عالم خلق میں کوئی شئے ہے ہی نہیں۔ انسان
تو درکنار۔ انبیاء تو درکنار ملائکہ تو درکنار یعنی مکان و لامکان میں کوئی شئے حضور
علیہ السلام سے بلند تصور ہی نہیں ہے۔ اور حضور سے بلند کوئی امکان ہی نہیں ہے
تو حضور کا ذکر حضور سے بلند کیسے ہو گا۔ حضور سے اوپر بلندی کا کوئی مقام ہو کر
کہیں حضور کا ذکر حضور سے بلند ہو۔ وہ کوئی ہے ہی نہیں۔ تو کیسے سوالیہ نشان

آ گیا ؟ ہے کہ یہ کیسے بات بن گئی - اللہ پاک نے فرمایا میرے محبوب مجھ سے اوپر مخلوق میں
تو ہے کوئی نہیں، میرے محبوب آپ سے اوپر صرف ایک ہستی ہے اس کا نام اللہ
ہے - مصطفیٰ اور سے بلند صرف خدا ہے - باقی سب کچھ مصطفیٰ سے نیچے
ہے - اور مصطفیٰ سے بلند فقط صرف خدا ہے - اور حضور سب سے بلند ہیں -
مگر خدا نہیں ہیں، خدا حضور سے بلند ہے - کیونکہ وہ خالق اور حضور مخلوق
ہیں - تو مصطفیٰ کو خدا تو نہیں بنایا گیا، تو اب فرمایا ورفعنا لک ذکرک محبوب
تجھے تو آپ کو تو خدا نہیں بنایا - مگر میں نے کیا کیا - آپ کے ذکر کو بلند اپنا کر دیا -
کہ مصطفیٰ تو خدا نہیں - مگر ذکر مصطفیٰ کو ذکر خدا بنا دیا ہے ـــ (۱۷ ـــ ۲۰)
مصطفیٰ تو خدا نہ تھے مگر ذکر مصطفیٰ کو ذکر خدا بنا دیا ـــ تو بلند ہوا یہ تشریح یعنی
حضور اللہ پاک نے فرمایا تجھے میں نے میں تو نہیں بنایا - مگر تیرے ذکر کو اپنا ذکر بنا
لیا ہے - اب جو محمد محمد کہے اس کے نامہ اعمال میں اللہ اللہ لکھا جائے گا -
یعنی محمد تو اللہ نہیں ہے - اور نہ اللہ محمد ہے - وہ خالق یہ مخلوق - وہ مالک یہ
نبی رسول مملوک ہیں - تو محمد تو اللہ نہیں ہے - مگر یہ کر دیتا ہوں - کہ تیرے ذکر کی بلندی
کی یہ شان ہے - کہ جو ساری رات محمد محمد کرتا رہے اس کے نامہ اعمال میں اپنا ...
کے دن جب کھلے گا - تو لکھا ہو گا کہ ساری رات خدا کا ذکر کرتا رہا ہے - تو تیرا ذکر
میں نے اپنا ذکر بنا دیا ہے - جملہ ورفعنا لک ذکرک کا ہے - یہ مختصر سا جملہ ہے ـــ
اتا کہ [illegible] کا - لیکن دیکھیے اس کے اندر کتنا سمندر چھپا ہے ـــ جملہ مختصر ہے
سمندر پنہاں ہے - جملہ ورفعنا لک ذکرک - یہ جو بات میں نے کہی کسی شارحین
نے نہیں لکھی ـــ انہوں نے صرف قول لکھ دیا - اور آگے چل پڑے - قاضی عیاض نے یہی قول لکھ دیا
آگے چل پڑے حالانکہ علی قاری نے یہی قول ـــ جتنے شارحین شفا شریف میں پائے ہیں
بالعموم قول لکھا ـــ آگے چل پڑے - ایک باریک بات ہے - کھولا نہیں - کیونکہ کھولنے میں خطرے
ہیں ـــ میں نے کہا آج تو اسے کھولا دیتے ہیں - کہ جملہ ذکر کے ذکر کا - کیا ہے کہ میرے
آپ کے کام کو آپ کے لیے بلند کرنے کا مطلب یہ ہے - کہ آپ کے ذکر کو میں نے اپنا ذکر بنا
دیا ہے ـــ اس لیے وہ خواجہ [illegible] کہتے ہیں کہ ـــ لہ

محمد محمد کریندے گزر گئی ــ احد نال احمد ملیندے گزر گئی ۔

یہ توحید کا مقام ہے۔ اور آپ کے ذکر کو میں نے اپنا ذکر بنا دیا ہے۔ یعنی جو محمد محمد کرے گا۔ وہ اللہ اللہ کا اجر پائے گا۔ اور جو محمد میں فنا ہو گا۔ وہ فنا فی اللہ ہو گا۔ (۳۰۔۲۳) ورفعنا لک ذکرک ہے۔ جو حضور محبوب میں فنا ہو گا۔ وہ خدا میں فنا ہو گا۔ اور جو حضور کا ہو گا وہ خدا کا ہو گا ــ قرآن نے یہی گواہی دی۔ جو حضور کی اطاعت کرے گا۔ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا۔ جو حضور سے محبت کرے گا۔ وہ اللہ سے محبت کرے گا۔ جس کو حضور کی قربت مل گئی۔ وہ اسے اللہ کی قربت مل گئی۔ جب حضور کی رضا مل گئی اسے اللہ کی رضا مل گئی۔ حتیٰ کہ جب حضور مل گئے۔ اسے خدا مل گیا ــ

یہ ہے ورفعنا لک ذکرک ہے کہ اللہ نے اپنا ذکر حضور کا ذکر اپنا ذکر بنا دیا۔

حدیث قدسی ہے۔ آیت کی تفسیر میں جو عام مفسرین علماء بیان کرتے ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ میں نے محبوب کہ جہاں میرا ذکر ہو گا۔ وہاں تیرا ذکر ہو گا۔ یہ تفسیر کا اوّل درجہ ہے۔ امام جعفر صادق نے اس سے اوپر کے درجے کی بات کی ہے۔ پہلا درجہ جہاں میرا ذکر ہو گا وہاں تیرا ذکر ہو گا ــ تو وہاں ذکر دو ہیں الگ الگ۔ مگر ہیں ساتھ ساتھ جہاں میرا ذکر ہو گا وہاں تیرا ذکر ہو گا۔ تو ذکر تو دو الگ ہو گئے۔ مگر ہیں اکٹھے ساتھ۔ دیکھو نا میرا ذکر ہو گا اور تیرا ذکر ہو گا ــ ہیں تو دو الگ ذکر ــ یہ ایک درجہ تھا۔ اب اس اوپر کے درجے کی بات کی ہے کہ محبوب ۲ کہ میرا ذکر ہو گا وہاں تیرا ذکر ہو گا۔ اب وہ بات آ گئی کہ اور اب میرے اور تیرے ذکر کا فرق ہی گیا۔ اب تیرا ذکر میرا ذکر ہو گا ــ

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ میرا ذکر تیرا ذکر ہو گا ــ مطلب تو یہی کہ ذکر ہے کہ میں نے اپنا ذکر تیرا ذکر بنا دیا ہے ــ اگر یہ بات ہو جاتی۔ کہ میرا ذکر تیرا ذکر ہو گا ہے ۔ (۳۸ــ۲۵) تو لوگ محمد محمد کا ذکر بھی چھوڑ دیتے ــ لوگ کہتے یا اللہ یا اللہ ــ کرتے رہو تو یا محمد محمد یا رسول اللہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ اللہ کرتے رہیں تو خود حضور کا ذکر بھی ہو جائے گا ــ اور لیکن اس محبوب کو یہ بات گوارہ نہ ہوئی۔ کہ اگر میں نے یہ اصول بنا دیا۔ تو لوگ میرے حبیب محبوب کا ذکر چھوڑ دیں گے۔ میرا ذکر کرنے لگ جائیں گے اور سمجھیں گے کہ میرا ذکر میں میرے محبوب کا ذکر بھی آ گیا ــ فرمایا نہیں خبردار اس راستے پر نہ آؤ۔ کہ میں نے

اپنا ذکر مصطفیٰ کا ذکر نہیں بنایا بلکہ مصطفیٰ کا ذکر خدا کا ذکر بنایا ہے۔ جو اللہ اللہ کرے گا اُسے صرف اللہ کا اجر ملے گا۔ حضور کا ذکر کرنے کا اجر نہیں ملے گا۔ اور جو محمد محمد کرے گا۔ کیونکہ محمد کا ذکر ذکرِ خدا ہے۔ اللہ اللہ کرنے کا ایک اجر ہے۔ محمد محمد کرنے کے دو اجر ہیں —— کیونکہ ایک تو حضور کا ذکر کرنے کا ایک اجر کہ حضور کا ذکر کیا۔ اور دوسرا اجر کیا۔ کہ حضور کے ذکر کرنے سے گویا اس نے خدا کا ذکر بھی کیا ہے ——

تو ذکرِ مصطفیٰ بھی ہے۔ یہی ذکرِ خدا بھی ہے۔ یہاں دو اجر ہو گئے۔ اس لیے عاشق لوگ کہتے ہیں کہ محمد والا بن کر۔ جو محمد والا ہے وہی خدا والا ہے۔ جو رسول والا ہے وہی خدا والا ہے۔ اور جو درمیان میں رسول کو چھوڑ کر خدا والا بننا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نکال دیتا ہے۔ دھکے دے کر نکال دیتا ہے۔ جب شیطان کو نکال دیا "فاخرج منھا فانک رجیم" دفع ہو جا میرے پیغمبر کو چھوڑ کر میرا بننا چاہتا ہے۔ نکل جا یہاں سے۔ اب راستے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ محمد محمد کرو۔ اللہ اللہ بھی ہو جائے گا

ایک دفعہ کوئی عاشق مجھے اکیلے ملے کسی جگہ۔ اور انہوں نے اپنی کچھ واردات کا ذکر کیا۔ حضور کی بارگاہ سے۔ اور کیفیات —— کا ذکر کیا —— پھر مجھے مبارک دینے لگے۔ کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی تحریک منہاج القرآن کو اللہ نے رسول کی تحریک بنایا ہے۔

یعنی یہ تحریک لوگوں کو رسول کی طرف لے جاتی ہے۔ مدینہ پاک لے جاتی ہے۔ پھر محمد والا بناتا ہے کہ خدا کو بھی دکھاتی ہے۔ اور یہ طریقہ اولیاء اللہ کا رہا —— حق کا طریقہ یہ ہے۔ یہاں ایک واقعہ حضرت سلطان باہو کا سناتا ہوں۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو ہل چلا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اندھیری رات میں ہل چلا رہے تھے۔ ذکر اللہ اللہ کر رہے تھے۔ ایک بارات گزری۔ اور راستہ بھول گئی۔ کسی بارات سے تھی —— احمد پور سیال جا رہے تھے۔ جھنگ میں جو سلطان باہو کا مزار مبارک ہے۔ ان کی جو بستی ہے۔ اس سے چند میل آگے احمد پور ہے۔ سیالوں کی وجہ سے احمد پور سیال کہتے ہیں۔ اس طرف بارات جا رہی تھی دلہن کی طرف۔ راستہ بھول گئے اندھیری رات میں آندھی آگئی۔ انہوں نے جو آواز سنی کہ رات کے وقت کوئی اللہ اللہ کہہ رہا ہے تو بارات ادھر آگئی۔ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہے۔ اس سے راستہ پوچھتے ہیں۔ آگئے۔ حضرت سلطان باہو کے پاس۔ کہنے لگے بابا فقیرا۔ اساں احمد پور جانا ہے سانوں ذرا رستہ تو دکھا دیں —— رہبری کے لیے کہا کہ میرے پیچھے آؤ۔ میں پہنچا دیتا ہوں۔ بارات پیچھے پیچھے

آپ آگے آگئے۔ اندھیری رات تھی تو کچھ نہیں آرہا تھا۔ زبان میں اللہ اللہ کر رہا تھا کہ اگر میں پیچھے آتا جاتا
وہ آواز سن کر پیچھے ہو لیا۔ چند قدم چلے۔ گنبد خضراء کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر پیچھے
تو وہ گزر گئے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا دین تو دھیرے دھیرے پھیل رہے گا۔ وہ صرف بارات والوں کا انتظار کر رہے تھے کہ
میں نے تو احمد پور سیال جانا تھا۔ وہ فرمانے لگے کہ ہم کو صرف اسی احمد پور کو جانتے ہیں۔
تو تحریک منہاج القرآن کی طرف ایک احمد پور کو جانتی ہے۔ اور کچھ نہیں جانتا۔ اور حضور علیہ السلام
کے عشق کو اپنے اندر اتار لو۔ منہاجیت اسی میں ہے کہ دھوکے بازی کی منافقت نہیں
ہونا چاہیے۔ کہ اوپر سے حضور کے عاشق بنیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ دھوکہ کریں۔
نماز نہ پڑھیں۔ مکر کریں۔ گالی گلوچ کریں۔ ایک دوسرے کے حق پر ڈاکہ ڈالیں۔ اخلاق اچھے نہ ہوں، عمل اچھا
نہ ہو۔ انسان کی قدریں اچھی نہ ہوں۔ حال بُرا ہو۔ اور اوپر سے کہیں کہ ہم احمد پور کو جانتے ہیں۔ تو
منہاج القرآن کی تحریک مصطفیٰ کی تحریک ہے۔ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔ تو جو آپ کہہ رہے
ہیں۔ وہ سب ہو جائیں۔ میں نے یہی کہا تھا۔
رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی۔
ہن رانجھا ہیوں آکھو نی ہیر نہ آکھے کوئی۔

امید ہے کہ ہم کو حضور اور اسلام کی سچی محبت نصیب ہو جائے۔ اور اس نسبت میں منافقت ختم ہو جاتا

ختم

[signature]

۲۰ — ۰۴ — ۲۰۱۹
۱۴ — ۰۸ — ۱۴۴۰
۳ — ۵۳ — ۰۵ PM

شکریہ

۱۴۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

سبق ۸۲ واختار موسیٰ ـــ المفلحون (الاعراف ۱۵۵ ـ ۱۵۷) سے مشائخ
سلسلہ معزز حاضرین۔ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے۔ کہ جس نے اپنے احسان وانعام
سے ہمیں مالامال کر دیا۔ شکر ہے اس ذات جلیل کا۔ جس نے ہمیں معلم نبی اکرم
کے طفیل مفتاح القرآن عطا فرمایا۔ یعنی قرآن کا راستہ دکھایا ـــ اور قرآن کے کشادہ راستے
پر چلنے کی توفیق ہم رحمت سے نوازی ـــ یہ آیات سورۃ الاعراف کی ۱۵۵ سے ۱۵۷ تک
ہے۔ یہ تین آیات ہیں۔ اس میں تعلیم و تربیت دی ہے۔ اور جب ہم قرآن کی بات
ہو رہے ہیں ہمہ تن گوش ہو کر قرآن مجید کے پیغام کو اور درس میں دیئے گئے سبق کو
سنیں ـــ سمجھیں پر یقین۔ اس کی روشنی میں اپنے احوال کا اپنے اعمال کا اپنی
کوششوں کا اور اپنی مساعی کا جائزہ لیں۔ اور اپنی جدوجہد کو اور اس کے نتائج
کو مزید بہتر کرنے کے لئے اس درس قرآن سے روشنی حاصل کریں۔ اس مقام پر
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت بنی اسرائیل کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور ان
آیات کہ علم کے نزول وصدور کا ایک پس منظر ہے۔ اس پس منظر کی تفصیل میں
گئے بغیر مختصراً۔ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے اپنی امت کو سنایا۔
اور لوگوں کو بتایا۔ کہ راہ پر چل رہے ہو یہ غلط ہے بچھڑے کی پوجا کر رہے۔ اللہ سے شرک کے
مرتکب ہو رہے ہو۔ احکام خداوندی کی بغاوت کر رہے ہو۔ نافرمانی کر رہے ہو۔ تم اس
باز آجاؤ۔ اور یہ اللہ کا پیغام ہے۔ تختیوں کی شکل میں لکھا ہوا پیغام وحی ربانی اور الہامات
ربانی ـــ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو عطا فرمایا ـــ فرمایا یہ تختیاں ہیں
الواح ـــ اس میں جو کچھ درج ہے اللہ کا پیغام ہے، وہ وحی ہے الہامات ہیں جو اللہ
تعالیٰ نے مجھے بطور پیغام کوہ طور پر عطا کی ہیں۔ اور یہ تمہارے لئے لایا ہوں۔ تم اپنی غلط راہ
کو چھوڑ دو۔ اور جو صحیح راہ ہے اس ہدایت الٰہی وحی کی صورت میں تمہیں دی جا رہی ہے
اسے سنبھالو۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ کی قوم کے بعض لوگوں
نے جو بڑے بااثر ہوتے ہیں ـــ (۲۸ ـ ۱۲) وہ بڑی جرح کرتے ہیں بات بات
پر تنقید کرتے ہیں، طعن کرتے ہیں، نقص نکالتے ہیں وسوسہ پیدا کرتے ہیں۔ ایسے چند لوگوں نے

اعتراض کیا - اور کہا کہ اے موسیٰ ہم آپ کی بات کیسے مان لیں - آپ ہمیں یہاں آ کر بتا
رہے ہیں - کہ یہ تختیاں اور ان کے اوپر لکھا ہوا پیغام یہ اللہ تعالیٰ کی وحی یہ منجانب اللہ
احکامات ہیں - ہم نے نہ اللہ کو دیکھا ہے - نہ اس کی بات اپنے کانوں سے سنی
ہے - صرف آپ کی زبان سے سن کر کیسے مان لیں - جہاں جا کر کوہ طور پر آپ
اپنے اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں - ہم کو ہمیں بھی وہاں لے جائیں (۴۷ - ۱۳) تو کچھ سنوائیں
جو آپ سنتے ہیں - تب جا کے ہم اس بات کو مانیں گے - یہ بات اس انداز کی کی
اور جب بھی اس طرح کی بات کی جائے سادہ لوح انسانوں پر ایسی باتوں کا بڑا اثر ہوتا
ہے - وہ سوچتے ہیں کہ بات کو بڑی وزنی ہے - اگر آپ کو وہاں بات جا کر سنائی دیتی
ہے تو ہمیں بھی ساتھ لے جائیں اور سنائیں - اگر آپ اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں -
تو وہ کلام ہمیں بھی سنائیں - تب مانیں گے - ایسی باتوں سے وسوسے پیدا
ہوتے ہیں - اگر آپ کچھ دیکھتے ہیں تو ہمیں بھی دکھائیں - اگر آپ کچھ سنتے ہیں تو ہمیں بھی سنوائیں
کیا وجہ ہے کہ آپ سنیں اور ہم نہ سنیں - تو یہ اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں جس سے عام سادہ
لوح انسانوں کے ذہنوں میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں - تشویش پیدا ہوتی ہے - تو ان لوگوں
نے اس طرح کی بات کی - اور قرآن مجید میں ایک اور مقام پر یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے
کہا - لن نؤمن لک حتیٰ - اے موسیٰ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک
کھلی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ نہ لیں - تو اس انداز کی باتیں کی - حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے کوہ طور پہ جا کر اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں عرض کیا - مولا میری امت کے کچھ لوگ
جو بڑے سرکردہ لوگ ہیں - مختلف قبیلوں طبقوں کے سربراہ قسم کے ہیں
جن کی بات سنی جاتی ہے - مانی جاتی ہے - وہ اس طرح کی طعنہ زنی کرتے ہیں - انہوں
نے اس طرح اعتراض کیا ہے - اب آپ فرمائیے کہ ہمارے لئے کیا حکم ہے - کیا ہدایت ہے -
اس پہ اللہ مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ آپ ایسے کچھ لوگ اپنی قوم سے اور
اپنی امت میں سے چن لے - جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں - ان کا انتخاب کر کے چن
لے - اور چن کے انہیں یہاں پہ لے آ - اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر فرما دیا کہ اس
مقررہ اور معین وقت پہ اپنی قوم اور اپنی امت میں سے کچھ لوگوں کو چن کر یہاں

لاؤ۔ بھیا اس شاندار بچوں کا ان کا مطالبہ ہے۔ اس کا معاملہ دیکھیں گے۔ اللہ رب العزت
نے وقت مقرر فرما دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو کچھ لوگ چن کر جو اسرائیل کر رہے تھے۔ باتیں
بنانے والے تھے۔ ان کو چن کر ساتھ لانے کا حکم صادر فرما دیا۔

یہ پس منظر ہے۔ اب یہاں سے آگے آیت کریمہ ۱۵۵ کا مضمون
شروع ہو رہا ہے۔ جہاں سے میں نے تلاوت کی ہے۔ تو اس سے پہلے کی بات
میں نے خلاصۃً آپ کو بتائی ہے۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ نے اس حکم کی تعمیل میں
حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے۔ اور فرمایا آجاؤ بھئی یہ
انہوں نے اسرائیل کیا تھا۔ جنہوں نے طعنہ زنی کی تھی۔ اور جنہوں نے کہا تھا۔ جو کچھ
آپ موسیٰ ہم سنتے ہیں ذرا ہمیں بھی سناؤ۔ جو ہمیں دکھائی دیتا ہے ہمیں بھی
دکھاؤ۔ آپ ان کو لے کر چل گئے واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا
چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمارا مقرر کردہ وقت کے مطابق اپنی قوم میں سے
ستر آدمی چن لئے اور انہیں اپنے مقرر کردہ وقت کے وقت ہماری بارگاہ میں لے
آئے لیکن طور پہ لے گئے۔ یہ وقت کس نے مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے۔
کس کی درخواست پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر۔ اور
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کس نے کیا تھا۔ آپ کی قوم کے کچھ لوگوں
نے۔ سنتے نہیں۔ تو آپ نے ان میں سے کچھ بڑے بڑے لوگ ستر افراد کا
انتخاب کیا۔ اور مقرر کردہ وقت کے مطابق موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور
لے گئے۔ وہ کیا توقع کر رہے تھے۔ کہ ہمیں لے جایا جا رہا ہے۔ اور ان کا مطالبہ ہی
تھا۔ کہ آپ نے جو کہا ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ جب تک ہم آپ کے
رب کو دکھا نہیں سنا نہیں ہم کیسے مان لیں۔ تو صاف کہا ہے۔ کہ لازم ہے
کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھیں۔ اس کا کلام سنیں۔ تو پھر ہم ایمان لائیں گے۔ اب یہ
انہیں بلا کر منتخب کر کے لایا گیا۔ تو ان کی توقع یہ تھی۔ کہ ہمیں لے جایا جا رہا ہے۔
تو کچھ نہ کچھ دکھایا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیں سنایا جائے گا۔ اگر ہم نے
حضرت موسیٰ کے رب کو دیکھ لیا۔ تو اس کا کلام سن لیا۔ تو ایمان لائیں گے۔ بقول

اُن سے۔ تو اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ ہمیں سنوا نہ سکے۔ تو ہم معاذ اللہ
استغفر اللہ۔ تکذیب کریں گے۔ جھٹلائیں گے اس خیال سے وہ پہنچے
اور آگے کیا کر کیا ہوا کہ بجائے اس کے کہ اللہ رب العزت کا کلام سننے اور
سنایا جاتا۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ فلما اخذتہم الرجفۃ۔ ایک زلزلہ سا
کہ طرح اس طرح بجلی چمکتی ہے۔ اور کڑکا ہوتا ہے، اور اس سے کوئی چیز جل
جاتی ہے اس میں زلزلہ آتا ہے۔ اس طرح کی کیفیت نے آ کر ان کو اپنی چپیٹ
میں لیا۔ گرفت میں لیا۔ ایک کڑکا ہوا۔ اس کے ساتھ زلزلہ سا
آیا۔ ایک بجلی سی چمکی۔ اس کے اثر میں اس کے کڑکے میں اس کی گرفت
میں۔ اور اس پیدا ہونے والے زلزلے کی زد میں وہ آ گئے۔ اور جل کر راکھ
ہو گئے ختم ہو گئے۔ سارے کے سارے جل کر راکھ ہو گئے۔ موت واقع ہو گئی۔
اور ہلاک ہو کر زمین پر گر پڑے۔ یہ ستر کے ستر آدمی ہلاک ہو گئے
اب یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں
عجیب سی مشکل بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو تو چن کر
لائے ہیں اُن کے اعتراض کے جواب میں۔ کہ تمہارا مطالبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ
کی بارگاہ میں عرض کیا۔ فرمایا موسیٰ ان کو چن کر لے آؤ۔ ہمارے پاس ان کے
مطالبے کا مطالبہ جو تھا یہ تم کو پایا گے کے آ گئے۔ ایک زلزلہ سا آیا
اور ستر کے ستر آدمی ہلاک ہو گئے۔ موقعے پر مر گئے۔ حضرت موسیٰ
علیہ السلام رب تعالیٰ کو کہتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں۔ کہ میں واپس جا کر
قوم سے کیا کہوں گا۔ کہ ہمارے تو چھانٹ کے ستر سردار جن کو لے گئے
تھے۔ اور ہم یہ خیال کر رہے ہیں۔ کہ اپنے رب کا کلام آپ ان کو سنا کے
لائیں گے۔ اور یہ آ کے گواہی دیں گے۔ اور یہ ستر کے ستر ہی ہلاک ہو گئے
یہ کیا ماجرا ہے۔ اب تقاضائے بشریت ذہن میں جو سوال رکھتا
ہے، ایسی صورت حال جب پیدا ہو جائے۔ ایسا منظر جب آنکھوں
کے سامنے ہو۔ تو دفعتاً ایک ہنگامی شعور جو ذہن میں آتا ہے یہ کہ

اور انسانی ثقافت کے پیشِ نظر خواہ وہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا غیر انبیاء ہوں ایک
ایک فطری ردعمل جو ہوتا ہے۔ سوچ میں سوال کی صورت میں۔ استفسار کی
صورت میں۔ ہدایت طلبی کی صورت میں۔ اس فطری استفسار کی
شکل میں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے کہ یہ سارے کا سارا کا تھا۔ ان ستر آدمیوں
کو یہاں آج جب میں ان کو ساتھ لایا ہوں کہ آج ہی مارنا تھا (۲۲ ـ ۵۸۱)
تو اس سے ان کو پہلے ہی مار دیتا ۔۔۔ یا بعد میں مار دیتا۔ یہ تو سارے میرے کھاتے میں پڑ
گئے۔ میری قوم مجھ سے کہے گی موسیٰ جواب دے تو ان کو جن کے لیے لے گیا تھا۔ مروا دے
کے لیے لے گیا تھا۔ وہ تو سوچ رہے ہوں گے۔ کہ اللہ کا کلام سنا کے لا رہے ہیں گے۔ میں جا کے
بتاؤں گا۔ میں ان کو طور پہ لے گیا۔ ایک زلزلہ آ گیا، اور یہ ستر کے ستر مارے گئے۔ وہ کیسے تھے
انہوں نے ہی مرنا تھا۔ تو یہ گیا۔ تو میں کیا جا کے جواب دوں گا۔ یہ ایک فطری ردعمل
ہے۔ فطری سوال ہے۔ جو ایسی ہنگامی صورت حال کے پیشِ نظر ذہن میں پیدا
ہوتا ہے۔ جو ہنگامی سوال پیدا ہوتا ہے، وہ حضرت موسیٰ اللہ کے حضور پیش
کر رہے ہیں۔ اے مولا اگر ان کو مارنا ہی تھا۔ تو ان کو پہلے مار دیتا۔ اور اگر آج ہی ان کو
ہلاک کرنا تھا۔ تو ساتھ مجھے بھی دے کے موت واقع ہو جاتی ۔۔۔ یہ تو ستر مارے
گئے میں واپس جا کر کیا جواب دوں گا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا۔
اور کہیں یہ تو تھا فطری ردعمل۔ جو انسانی اور بشری ثقافت کے پیشِ نظر آپ کے ذہن مبارک
میں پیدا ہوا۔ اور سوال کیا۔ اب چونکہ وہ منصب نبوت پر فائز ہیں عام انسان
تو نہیں ہیں نا ۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام بشر اور انسان تو ہیں ہیں
نبوت و رسالت کے منصب عظمیٰ پر فائز ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں خصوصی
ہدایت یافتہ ہیں۔ وحی ربانی کے نور سے ان کا سینہ روشن ہے۔ تو یہاں ایک تھا
ایک آیت کریمہ میں دونوں کیفیتوں کا ذکر ہے کہ پہلے حصے میں فطری اور بشری ثقافت
کے طور پر جو سوال اٹھتا ہے۔ اسے بیان کر دیا۔ اور اسی آیت کریمہ کے دوسرے
حصے میں متصلاً بعد وہ جو نبوی حیثیت سے اللہ کی بارگاہ سے حاصل ہے
اسی کی روشنی میں خود جواب دے رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کوئی متکلم

لاحق نہیں ہوا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ معاذ اللہ حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ مگر جو صورت حال اچانک پیدا ہو گئی۔ فطری ردعمل کے طور پر جو سوال ابھر سکتا تھا۔ اسے بیان کر دیا۔ اور نبوی حیثیت سے جو اللہ کی بارگاہ سے جو ہدایت حاصل تھی۔ اس کی روشنی میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا۔ تاکہ پتہ چل جائے۔ اب یہ پتہ چلانا کس کو مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے۔ کہ موسیٰ میرا پیغمبر ہے۔ اسے مغالطہ نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ (۱۵ — ۲۶) (ڈاکٹر طاہر القادری)

تو پتہ کس کو چلانا مقصود ہے۔ یہ آپ کو اور ہم کو اس واقعہ کو بعد میں پڑھیں گے انہیں بتانا مقصود ہے۔ کہ کوئی شانِ نبوت میں گستاخی کا مرتکب نہ ہو جائے۔ کوئی ان کی شان میں مغالطے کا مرتکب نہ ہو جائے۔ اور کوئی یہ نہ سمجھنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے غلط بات کیا کہ دی ہے۔ فطری ردعمل بھی بیان کر دیا۔ اور نبوی حیثیت سے جس ہدایت سے وہ آشنا تھے۔ اس کی روشنی میں جواب بھی تھا۔ اور حقیقت حال اس کو بھی بیان کر دیا۔

کیا فرمایا عرض کیا۔ پہلا سوال کیا یہ باری تعالیٰ اگر مارنا ہی تھا۔ تو پہلے مار دیا ہوتا۔ کیا اس جگہ ان کی موت کا انتخاب نہ تھا۔ کہ مار دیں گے۔ اور اگر اس موقع کا انتخاب تھا۔ تو مجھے بھی اٹھا لیتے۔ میں بھی دنیا سے ان کے ساتھ ہی رخصت ہو جاتا۔ یہ وہ صورت حال ہے۔ جو اس جا کر پیش آنے والی تھی۔ اور جو قوم نے اعتراض کرنا ہے۔ سوال کرنا ہے۔ وہ سوال جو انہوں نے کرنا ہے۔ قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فطری ردعمل کے طور پر۔ وہ سوال آپ اپنی زبان مبارک سے بیان کر رہے ہیں۔ اور دوسری بات رہنمائی حاصل کرنے کے لئے۔ باری تعالیٰ یہ جو آپ نے ستر آدمی کی ہلاکت فرما دی ہے۔ حماقت کی زیادتی تو چند لوگوں نے کی کہ یہ بے وقوفی تو چند لوگوں نے کی تھی۔ زبان درازی اعتراض طعنہ زنی تو چند لوگوں نے کی تھی۔ سو انہیں کو سزا ملتی۔ یہ میں طرف ان بے وقوفوں سو ملا کے نہیں لایا تھا۔ میں تو قوم میں سے لوگ چن کر لایا تھا۔ تو بے وقوفی اور حماقت تو چند لوگوں نے کی۔ لیکن مارے گئے سارے ستر کے ستر۔ یہ ماجرا

کیا ہوا۔ یہ قرآن مجید کے حقائق ہیں۔ آپ ان کو سمجھیں.
دوسرا سوال عرض کر رہے ہیں کہ باری تعالیٰ المستراحی تو چند لوگوں نے کیا تھا۔ اس
کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات شرارت کچھ لوگ کرتے ہیں۔ غلطی کچھ لوگ کرتے
ہیں۔ فتنہ کچھ لوگ برپا کرتے ہیں۔ مگر اس کا خمیازہ۔ پوری قوم کو یا قوم کے کسی گروہ
لوگوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ وہ سوال کیا جا رہا ہے کہ باری تعالیٰ چند بے وقوفوں نے حرکت
کی ہے۔ مگر اس کی سزا کے طور پر یہ سارے کے ستر لوگ مارے گئے۔ یہ ماجرا
کیا ہے۔ تو یہ دو سوال تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل مجدہ کی
بارگاہ میں۔ ایک فطری سوچ کے طور پر پیش کیا۔ اب اس آیۃ کا وہ مضمون الوہیت
جو ہم نے ثبوت پر فائز ہونے کے باعث آپ کو میسر تھا۔ اس کی روشنی اور اس
کی ہدایت میں۔ جو حقیقتِ حال سے باخبر ہو گئے تھے۔ اس حوالے سے
جواب بھی دیا جا رہا ہے۔ مولا یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ یہ واقعہ ایک آزمائش
ہے۔ مگر بہت بڑی آزمائش ہے۔ میری بھی اور میری پوری قوم کی بھی۔ ان هي الا فتنة
تو موسیٰ علیہ السلام بھانپ گئے۔ جان گئے۔ کہ باری تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے موسیٰ۔
اپنی قوم کے سردار سے ستر لوگوں کو چن کر یہاں لا۔ لا تو سہی جو
بات کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا ہوگا۔ (۴۷ ـ ۳۰)
اور جب لائے تو آگے یہ ہو گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بڑی آزمائش
ہے۔ امتحان ہے۔ جو اللہ رب العزت کی طرف سے آیا ہے۔ اور یہ آزمائش اور امتحان حضرت
موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے۔ کہ میرا بھی ہے اور میری قوم کا بھی ہے۔ بیک وقت ہم دونوں کا ہے۔
اس کا بھی ذکر کر دیا اور پھر ایک بہت لطیف بات بیان کی جا رہی ہے اس مقام پر۔
جب سوال کے دو حصے ہیں۔ تو اللہ جو اب عرض کر رہے ہیں اور حقیقت حال بیان کر رہے
ہیں۔ اس بیان کے بھی دو حصے ہیں۔ پہلا کیا ہے۔ مولا میں جانتا ہوں۔ یہ جو کچھ ہوا
ہے۔ یہ محض ایک آزمائش ہے۔ جس سے ظاہراً ایک بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اور پہلا
سوال جو سوال آئے ہیں۔ وہ علامت ہے اس بات کی۔ کہ یک لخت ذہنی اور فطری
پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ اور ذہن سموار پر تقاضائے بشریت اس نوعیت کا دھچکا لگا۔

اور خصوصاً ایسی ہنگامی صورتحال ذہن میں آتی پریشانی آتی ہو گی - وہ سوال اسلام
کی نماز ادا کر رہے ہیں - کہ عرض کر رہے ہیں کہ بارہ تعالیٰ یہ کیوں ہوا - اور اسی طرح جواب کے بھی
دو حصے ہیں - اور فوراً عرض کرتا ہوں بارہ تعالیٰ لوگ کہتے ہیں ان جیسے سوالات سے دوبارہ سمجھیں
کہ جیسے یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی - کہ یہ کیوں ہوا ہے - اور میرے ان سوالات سے
لوگوں کو کہیں مغالطہ نہ لگ جائے - میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں بشر اور پیغمبر ہوں -
اور بشر اور تربیت یافتہ ہوں - اور میری تعلیم کا نور ہے میرا سینہ روشن ہے - یہ مجھے معلوم
ہے کہ یہ میری طرف سے بہت بڑی آزمائش ہے - ایک بہت بڑا امتحان آیا ہے -
بیک وقت میرا یہ امتحان ہے اور میری قوم کا یہ امتحان ہے - (ایک بات)
دوسری بات شاید جو آپ کے لئے بڑی تعلیم والی بات ہے - سبق آموز بات
عرض کیا اللہ تعالیٰ کے حضور مولا یہ بہت بڑی آزمائش ہے مگر میری طرف سے ایک
بہت بڑا امتحان ہے جو آپ نے ہمارا لیا ہے - مگر میں یہ بھی عرض کروں کہ جیسے تیری
بارگاہ سے حاصل ہونے والی توفیق سے ہدایت سے تعلیم و تربیت سے کہ جب
تیری بارگاہ سے اس طرح کی آزمائش آتی ہیں - اور تیری طرف سے ایسے بڑے
بڑے امتحان آتے ہیں - کہ جو دفعتاً بہت بڑی پریشانی ظاہراً عام لوگوں کی
بہت بڑی الجھن بڑے دھکیلے کا باعث بنتے ہیں، تو یہ ہے کہ یہ صورت امتحان
اور آزمائش ہیں قطعی آزمائش مگر یہ بھی کہ اس آزمائش میں تو بہت سے
لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے - اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا کر دیتا ہے -
تیری بارگاہ سے آنے والے ایسے امتحانات جو ظاہراً ایک
بڑی کڑی آزمائش اور بہت بڑا امتحان ہے - حضرت موسیٰ علیہ السلام
بیان کر رہے ہیں - یہ آزمائش اور امتحان جس میں ہم اس وقت مبتلا
ہو گئے - میں اور میری قوم - مولا ایسی آزمائش اور امتحان کے ذریعے کئی لوگ
ڈگمگا جاتے ہیں - کئی لوگوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں - کئی لوگ صحیح راستے
بھٹک جاتے ہیں - کئی لوگ حوصلہ ہار جاتے ہیں - کئی لوگ بہکاوے میں آ جاتے ہیں -
اور یکلخت پیدا ہونے والی پریشان کن صورتحال سے ذہنوں کو جو دھکے

لگتا ہے جو الجھن آتی ہے کہ۔ اس الجھن اور دھکے کی حقیقت اور اس کی تہہ کو نہ سمجھتے ہوئے۔
کھٹک جاتے ہیں۔ الجھ جاتے ہیں — بہک جاتے ہیں۔ اور لڑکھڑا جاتے ہیں اور اس
لڑکھڑاہٹ کے باعث وہ راستے سے ہٹ کر صراطِ مستقیم سے بھٹک کر راہ راست
کو کھو بیٹھتے ہیں۔ ہدایت کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور اس اشتعال
سے ہونے اثرات کے باعث بڑے بڑے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں — اور انہی آزمائشوں میں
جہاں کئی بڑے بڑے لوگ بھٹک جاتے ہیں۔ لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اور اُن کے قدم ثابت
رہتے ہیں وہاں انہیں آزمائشوں میں لہذا انہی پریشان کن حالات میں اور انہی دھکے
دینے والی صورتوں میں وہ لوگ جو ہدایت پہلے نہیں تھے۔ اُن سے ایسے بھی
اٹھتے ہیں۔ کہ جن کا پتا اس صورت پیدا نہ ہوتی ہدایت انہیں نصیب نہیں ہوئی
ہوتی — ایسی ہی پریشان کن صورت حال کو دیکھ کر وہ لوگ ہدایت پر آجاتے
ہیں — اور کئی ہدایت والے بھٹک جاتے ہیں
یعنی دو کام ساتھ چلتے ہیں — اور دوسرا راستہ کا رستہ ہوتا ہے۔ کئی راہ راست پر چلنے
والے ذہنی دھکے کے باعث بھٹک کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کئی بھٹکے ہوئے لوگ
اس صورت حال — ہدایت پر آجاتے ہیں
اب آپ کو اس کا تعلق سمجھ میں آیا — میرے کئی دوست احباب
ہمارے معتقدین مرید وابستگان اشرف نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ میں نے
انہیں کے انہیں فقط یہ کہا — کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اشرف
نے کہا۔ کہ دشمن جس کے بارے میں ہمیں ۱۰۰ فیصد یقین ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔
وہ باطل ہے۔ وہ بد دیانت ہے۔ وہ کاذب ہے وہ مفتری ہے۔ وہ حد سے
گزرنے والا ہے۔ وہ حملے بھی کر رہا ہے۔ گولیاں بھی برسا رہا ہے — اور ساتھ ساتھ
کیچڑ بھی اچھال رہا ہے جھوٹی تہمتیں بھی لگا رہا ہے۔ اور زبان درازی میں حد سے
گزر گیا ہے۔ اور ایک کہرام مچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو پھر بعض دوستوں نے
کہا کہ ظلم کی کذب کی افتراء کی تہمت کی طعن زنی کی اور بد دیانتی کی انتہا ہو گئی ہے
تو کیا اللہ بھی کہ وقت میں کیا بھی وہ نہیں آیا۔ کیا اب بھی اُن پر اللہ کا عذاب

نازل نہیں ہو رہا — تاکہ اُن کا جھوٹ سرِ عام ہو کر لوگوں کے سامنے کھل جائے۔ اور ہمارا سچ بھی عالم
ہونا بھی قوم کے سامنے آ جائے — حق اور باطل دودھ اور پانی کی طرح جدا جدا
ہو جاتے ہیں یعنی ظلم اُن کا جھوٹ تہمت بدزبانی انتہا سے گزر گئی ہے۔
مگر لوگ اللہ کی گرفت میں ایسے لوگ سر کھا جائیں گے۔ میں یہ سن کے نہیں
پڑا — صرف اتنا جواب دیا کہ ہمارا تو ہمیشہ کچھ نہیں ہو
گیا حد سے گزر گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو تو آروں سے چیر دیا گیا۔
اگر اس طرح انسان سوچنے لگے۔ تو جب انبیاء اللہ کا بھی یہ برگزیدہ نبی
مرسل جس سے اللہ ہمکلام ہوتا ہے۔ جب اس حق گوئی کی پاداش میں
وہ نبی آروں سے چیرا جا رہا ہوگا۔ تو کیا اُن کے دیکھنے والے عقیدت مند اور ایمان
رکھنے والے سوچتے ہوں گے کہ معاذ اللہ ظلم کی انتہا ہو گئی۔ کہ نبی کو آروں سے سامنے چیرا جا رہا ہے
کیسے آئے گا ان ظالموں پر گرفت ذرا یہ فکر رست کا قانون نہیں ہے. وہ ظلم کو ڈھیل دیتا
ہے۔ ڈھیل دینے والا بھی وہ ہے۔ گرفت کرنے والا بھی وہ ہے۔ کس طرح گرفت کرتا ہے اور
کب کرتا ہے۔ یہ اس کے فیصلے اوپر ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم سوچیں کہ کب
گرفت ہوگی۔ کب اُن کا پردہ کھلے گا۔ کب جھوٹ اور سچ دودھ اور پانی کی طرح
جدا جدا ہوگا۔ نہیں یہ معاملات اللہ جل مجدہ کی مشیت سے طے ہوتے ہیں
اگر میں نے اُن کو سمجھایا کہ ہم اس طرح دو جمع دو چار کی طرح موقع پر کھل جانے والے ہوتے
تو کبھی کربلا کا معرکہ برپا نہ ہوتا۔ ادھر امام حسین کھڑے ہیں۔ ادھر خانوادہ رسول کھڑا ہے
ادھر رسول کے نواسے — نواسیاں کھڑی ہیں۔ اور شہزادگان خانوادہ رسالت مآب
کھڑے ہیں۔ ادھر سے تیر برس رہے ہیں۔ حضرت امام حسین سب کو دکھا رہے
ہیں کہ لوگو — دیکھو۔ یہ وہ قرآن ہے جو میرے نانا لے کر آیا۔ میری دستار دیکھو۔ یہ میرے سر
پر کس کی دستار ہے۔ محمد رسول اللہ کی دستار ہے۔ دیکھو میرے تن پر جبہ کس کا ہے۔
میرے ہاتھ میں تلوار کس کی ہے۔ دیکھو یہ کون ہے علی اکبر یہ کس کا بیٹا ہے۔ یہ کس کا نواسہ ہے
دیکھو یہ زین العابدین کون ہے۔ دیکھنے والے بھی تکتے تھے کہ یہ خانوادہ رسول ہے۔ مگر تیر بھی برس
رہے ہیں۔ تیر بھی تلواریں چلیں۔ تیر بھی نفوس قدسیہ چھوڑ کر کہ خانوادہ تمام

ہوا۔ ہم جہاں اتفاقاً نہیں ہیں ان کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے ایسے
روندا گیا — خیمے جلائے گئے۔ دمشق کے بازاروں میں چلایا گیا۔ مگر اس طرح سوچنا
شروع کر دیا جاتا ہے کہ مولا پھر فیصلہ کب آئے گا۔ نہیں یہ صبر کے پیمانے ہمارے
کم ہیں۔ اس کے معاملات اور ہیں — اگر صبر اتنا جلدی اتر جاتا ہو۔ اور اگر
تو پھر جلدی صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہو۔ تو پھر کشتی کی اور قربانیوں کی تعمیر نہیں کیا کرتے۔
یہ برداشت کے راستے ہیں۔ یہ صبر کے راستے ہیں۔ یہ تحمل کے راستے
ہیں۔ یہ اللہ کا دستور نہیں کہ بس — یہ ہمارے کام ہیں کہ ہمیں کسی نے گالی دی ہم
نے جواب میں گالی دے دی — ہمیں کسی نے ایسا کہا۔ بھڑک کر ہم نے تھپڑ سا کر
دیا — ہمیں کسی نے پتھر مارا ہم نے جواب میں اینٹ دے ماری (۲۱—۴۲)
ہے؟ کسی نے ہمارے اندر دخل کیا ہم نے سر اڑا دیا۔ لیکن اس وقت آگ بگولا ہو
کر اتنے موقعے پر ہی احسان چکا دینا۔ یہ ہمارا معاملہ ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے معاملات
حق اور حق کے معاملات کچھ اس طرح نہیں ہوتے — ورنہ بدر کے میدان میں جنگیں نہ
ہوتیں — احد کے میدان میں رخسارِ مصطفیٰ زخمی نہ ہوتا۔ حضور کے دندان مبارک شہید نہ
ہوتے۔ اور غزوۂ خندق کے موقع پر تین تین دن بھوک سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھ کر
غزوہ میں نہ کودتے — اور نمازِ عصر ان کی قضا نہ ہوتی۔ یہ سب کچھ ظلم اور کفر اور باطل
طاغوت حد سے گزر جانا نہ گزرا تھا — آقا کے رخسار زخمی ہوئے۔ طائف
کے بازاروں میں جسم اقدس زخمی ہو رہا ہے۔ سر انور سے قدمین شریفین تک
زخم ہیں۔ خون بہہ رہا ہے۔ اور حالت آگئی کہ چلنا دشوار ہو گیا۔ غشی نے حضور علیہ السلام
نے ایک دیوار کا ٹیک لے کر آڑ سے بیٹھ گئے۔ الغرض اس وقت فرشتہ آیا عرض
کی آقا۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ اجازت ہو تو اس بستی کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر
ختم کر دوں — کہ اس بستی کا کوئی فرد زندہ نہ رہے۔ اسے اٹھا کر اتنی بلندی پر لے جاؤں
اور پلٹ دوں — طائف کی بستی گرے اور قیامت تک زمین کا پیٹ کوئی انسان زندہ نہ رہ سکے
ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ تنہا میرے آقا تھے۔ اور پورا طائف کا بستہ پتھر مارنے والا۔ اور ایک
تنہا آقا تھے۔ اس وقت کو فرشتے کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ دیکھنے والا فرشتے سب کی

نذر کیا گیا۔ اور آ کر عرض کر دیا حضور اب گزر گیا صبر کا معاملہ حد سے گزر گیا معاملہ
ظالموں کا اجازت دیں ان کو بس تباہ کر دوں وہ ــــــ مگر پیارے آقا مسکرا کر فرمانے لگے
فرشتے تیرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا ہے۔ محمد کے صبر کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا۔
بے شک یہ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں۔ مگر میں بددعا اس لئے نہیں کر رہا
کہ شاید پھر ایسا ممکن ہے کہ ان کی نسلیں ایمان لے آئیں ــــ تو میں نسلیں برباد
کرنے کی بددعا نہیں کرتا۔ نکتہ یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ اب یہ حالات اہل حق کی زندگی
میں۔ اہل حق کی تحریکوں میں اہل حق کے انقلابی معرکوں میں۔ اور حق کی خاطر برپا ہونے والے
جہاد کے سفر میں ایسے حالات آتے ہیں۔ فتنے یا عربی زبان میں آزمائش کو
کہتے ہیں۔ یہ پنجابی یا اردو والا فتنہ نہیں۔ عربی والا فتنہ ہے۔ اور عربی میں فتنہ
امتحان۔ آزمائش کو کہتے ہیں ــــ تو آزمائشیں آتی ہیں امتحان آتے ہیں۔ اور
پریشان کن امتحان آتے ہیں۔ اس کا ذکر بطور اصول حضرت موسیٰ علیہ السلام
فرما رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ مولا مجھے علم ہے۔ کہ میرا امتحان ہے۔ آزمائش ہے
اور یہ بھی علم ہے کہ اب یہ عظیم امتحانات اور آزمائشیں آتی ہیں۔ تو اس آزمائش
کے حوالے سے کئی بھٹک جاتے ہیں۔ کئی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات
نہیں آتی ــــ یہ جو مختصر مثالیں ذکر تذکرہ کیا ہے۔ وہ لوگ تو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ
اگر حق ہے تو ہمیں گالی بھی تو کوئی نہ دے سکے۔ تو یہ گمان کئے ہوئے ہیں کہ جو حق پر ہوا
گالی بھی کوئی نہ دے سکے۔ جو حق پر ہو اس کی عزت پر بھی ہاتھ کوئی نہ اٹھا سکے۔
جو حق پر ہو اس کے خلاف کوئی بدتمیزی بھی نہ کر سکے۔ جو حق پر ہو اس
کے خلاف کوئی ہاتھ بھی نہ اٹھا سکے۔ گزند بھی نہ پہنچا سکے۔ نہیں حق کے یہ بنائے
ہوئے معیار ہمارے سامنے گھڑے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ نہیں ہیں۔
حق کی تو یہ پہچان ہے۔ ولنبلونکم ــــــــ والثمرات۔ حق کی تو پہچان
یہ ہے کہ ان آزمائشوں سے گزار دیتے ہیں کبھی خوف دے کر اس کی کیفیت عطا کرتے
ہیں۔ کبھی کھانا پینا روک لیتے ہیں۔ کبھی جانیں لے لیتے ہیں۔ کبھی مال لے لیتے ہیں۔ کبھی
اولادیں لے لیتے ہیں۔ ایسا ایسی پریشان کن حالات پیدا کر دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں

وبشر الصابرین — راجعون ۔ جب حالات سر سے گزر جاتے ہیں۔ اور قدم
لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ اور آزمائش میں بڑے بڑے ثابت قدم لوگ حوصلہ ہارنے لگتے ہیں اس
وقت ہم پڑھتے ہیں۔ کہ اے حق کی بات کرنے والو اب بول اس صورت حال میں دیر سے
قدم لڑکھڑائے یا صبر کی خاطر ثابت قدم رہے — اس وقت ہم پہچانتے ہیں۔ تو پہچان کا
تو وقت ہی تو آتا ہے۔ اور یا جو ایسی صورت میں جو لڑکھڑا جاتے ہیں۔ سمجھیں کہ ان کے مقدر
میں گمراہی تھی۔ تو ایسی صورت ہی تو ہو گئی ہے۔ پہچان کرنے کی — عمل نہیں کرتے ہیں باری
تعالیٰ — ایسے امتحانات میں۔ کوئی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور کئی جو پہلے سے گمراہ تھے
وہ ہدایت پا جاتے ہیں — راہ راست پر آجاتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں معلوم کر کے
اب اللہ جل جلالہ کا حضور التجا کرتے ہیں مولا اب تیسرا سبق۔ دو باتیں سمجھا دیں
اور قرآن نے کیوں بیان کی۔ یہ جو گفتگو اللہ تعالیٰ کی موسیٰ سے ہوئی — اور اللہ پاک سے
حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمکلام ہوئے۔ اور اپنا مدعا حضور الوہیت میں پیش فرمایا۔
موسیٰ علیہ السلام نے یہ تو اس وقت گفتگو تھی نا — جو طور پہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی اور اللہ رب العزت کے مابین ہوئی۔ اس کے جملے اس کا ایک ایک لفظ اس کو قرآن
مجید میں دوبارہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی — (بات سمجھ آرہی ہے۔)
یہ بھی ایک واقعہ تھا — جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پیش آیا۔ آپکی قوم
کا معاملہ تھا — اور اس حوالے سے ایک پریشان کن صورت حال ہوئی۔ اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے عرض شروع کیا — اللہ پاک کی بارگاہ میں التجا کی — کچھ باتیں
آپ نے کہیں — جواب میں کچھ ارشاد اللہ نے فرمائے۔ بات بھی وقت گزر گیا۔
یہ جو بارہ سو سال کے لگ بھگ بعد میں جا کے حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ اس
وقت قرآن نازل ہوا — تو اب یہ جو گفتگو ہوئی تھی۔ ایک ایک جملے کو قرآن کی شکل میں
پھر نازل کرنے کی ضرورت کیا تھی
اگر یہی قرآن کی شکل میں — اس گفتگو کو حصہ قرآن بنا کر نہ اتارا جاتا۔ تو آج
گفتگو سے یہ حقیقت لوگوں نے سبق حاصل ہوگا — یہ ہمیں ایک تربیت دی جا رہی ہے۔
انبیاء کے واقعات سنتے ہوئے سناتے کر کہ آپ کو سمجھ آ جائے۔ کہ جب انبیاء

کے معاملات اللہ رب العزت کے حضور ایسے ہوتے ہیں۔ تو آپ کیا تصور کرتے ہیں۔ کہ بچا نا سکے گا کیونکہ نہ ایسا ہو گا — جو معاذ اللہ استغفر اللہ۔ کسی بھی غیر نبی کی قدر و منزلت نبی سے بلند تو ممکن کیا نبی کے برابر بھی ہو سکتی ہے۔ جو ایسا تصور بھی کرے۔ ایسا گمان کرتا ہے کافر ہو جائے گا۔

سبق دیا جا رہا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام آگے آنے والی نسلوں کو یہ نصیحت کر رہے ہیں۔ تربیت فرما رہے ہیں۔ اور یوں ان کا دراصل اپنا عصا بنا کر امت مسلمہ کے لیے۔ تعلیم و تربیت وراثت امت کا ذریعہ بنا رہا ہے۔

جب یہ باتیں ہو چکیں تو میں نے عرض کیا۔ مولا یہ سب بات درست ہے۔ آزمائش کا سلسلہ بھی درست ہے — (۳۹ — ۵۰) ۶ میرا بھی امتحان ہے۔ میری قوم کا بھی امتحان ہے۔ یہ بھی بجا اس امتحان میں کئی لوگ بھٹک جاتے ہیں۔ کئی ہدایت پاتے ہیں۔ کئی بھٹک جاتے ہیں۔ یہ ساری بات بجا ہے۔ آگے عرض کیا مولا۔ امتحان بھی تیری طرف سے۔ مگر جو درست سبق ملتا ہے۔ کہ اس امتحان میں مجھے کامیابی کے ساتھ گزر جانا اس کی توفیق بھی تیری طرف سے ہے۔ مولا اگر امتحان بھیجا ہے۔ تو اس امتحان میں کامیابی کی توفیق بھی تو عطا کر۔ اس پریشانی کے مرحلے سے جہاں اکثر بڑے بڑے ڈگمگا جاتے ہیں یہ توفیق بھی تو عطا کر۔ یہ مدد و نصرت بھی تو عطا کر۔ یہ رحمت و فضل اور کرم بھی کر ہم ثابت قدم رہتے ہوئے۔ ہدایت کے ساتھ اس آزمائش سے گزر جائیں۔ ہم کامیابی سے گزر جائیں۔ ہماری نگرانی کرنے والا بچا کر اس مقام سے گزار کے حفاظت سے لے جانے والا۔ بھی تو ہی ہے۔ مولا ہمارا رب۔ ہمارا مددگار۔ ہمارا سہارا بھی تو ہے اب اگر یہ آزمائش آگئی ہے امتحان آیا ہے تو ہمیں مفر نہیں ہم اس سے بھاگ بھی تو نہیں سکتے۔ مگر امتحان بھیجنے والے رب اب اس امتحان میں ہمیں کامیابی کرانے والا بھی تو ہے۔ یہ ایک سبق آپ کے لیے اور ہمارے لیے کہ جب امتحان کی گھڑیاں آئیں اللہ کے حضور پہلے سے زیادہ جھک کر سر بسجود ہو کر رہیں — امتحان آئیں تو یہی نہ سمجھیں۔ کہ ہم نہیں ہیں ہم درست ہیں۔ یا غلط یہ شیطان کا وسوسہ ہو گا۔ جو راہ راست سے آپ کو بھٹکانا چاہے گا۔ امتحان حق ہیں۔ آزمائش حق ہے

مگر ایسے لمحے آئیں — تو انت ولینا ۔ تو اس قول کے عملی پیکر بن جائیں ۔ جھک جائیں
کثرت سے سجدے کیا کریں — میں آپ سے کہہ رہا ہوں — مصطفوی انقلاب کے اس
مشن کے عظیم مسافرو — عظیم وابستگان سے کہہ رہا ہوں ۔ ہمارا سفر
بڑا طویل ہے — ہماری منزل بڑی دور ہے ۔ حالات بڑے جھوٹے ہیں ۔ یہ حالات
بڑے معمولی ہیں ۔ اس میں نفسیاتی جنگ بھی ہے ۔ اعصاب کی جنگ بھی ہے ۔ جسمانی جنگ بھی
ہے ۔ عملی جنگ بھی ہے ۔ فکری جنگ بھی ہے ۔ تہمتوں کی جنگ بھی ہے ۔ الزامات کی جنگ بھی
ہے ۔ عزتیں اچھالنے کی جنگ بھی ہے ۔ ماحول کو گندہ کرنے کی جنگ بھی ہے ۔ خوف وہراس
پیدا کرنے کی جنگ بھی ہے ۔ جنگ بے شمار سمتوں سے چھڑ گئی ہے ۔ مگر وقت امتحان
بھی ہوتا ہے ایمان کے بچانے کا ۔ تو جب ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ثابت قدم رہیں ۔
اللہ کے حضور پہلے سے بڑھ کر ۔ جھکتے جائیں ۔ جھکتے جائیں ۔ اور سر جھکا جھکا کر رو
رو کر التجا کرتے جائیں ۔ امتحانوں میں ثابت قدم رہنے والا رب امتحان سے کامیابی کے ساتھ
گزارنا بھی بڑا ہی کام ہے ۔ وعدہ بھی نازل کر ۔ نصرت بھی عطا کر ۔ توفیق بھی دے ۔ تائید
بھی دے ۔ فضل بھی دے ۔ رحمت بھی کر ۔ کرم بھی کر ۔ رحمت بھی کر ۔ انعام بھی کر ۔ احسان
بھی کر ۔ ہمارا سہارا بھی بن ۔ نگران بھی بن ۔ مددگار بھی بن ۔ اگر دشمن آزمائش
بنا ہی ہے ۔ تو اس طرح گزار ۔ کہ دشمن ذلیل ہو جائیں ۔ دنیا تکتی رہ جائے ۔ اور
ہم تیرے کیے پر اہل حق ہو کر حق کی منزل تک پہنچتے چلے جائیں — (۵۲-۵۴)
موسیٰ علیہ السلام اس مرحلے پہ سبق دے رہے ہیں ۔ عرض کرتے ہیں انت ولینا ۔
مولا تو ہی ہمارا نگران — تو ہی ہمارا سہارا — تو ہی ہمارا مددگار ہے ۔ فاغفرلنا ۔ وارحمنا
وانت خیر الغافرین — اب اس موقع پہ دعا سمجھا رہے ہیں ۔ یہ بھی اللہ پاک کا کرم
ہے ہمارے لیے سب اللہ کے دست قدرت میں ہے ۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ دعا سمجھاتے
ہیں — لوگو — عرض کیا کرو اللہ کے حضور ۔ انت ولینا ۔ مولا تو ہی ہمارا مددگار ہے ۔
تو ہی ہمارا نگران ہے ۔ تو ہی ہماری حفاظت فرمانے والا — اور تو ہی ہماری لغزشیں معاف کرنے
والا ہے ۔ امت والے ہماری عرض کیا کرو ۔ فاغفرلنا ۔ کہ مولا ہم تو گنہ گار ہیں ۔ ہمیں معاف کر دے
اور ہمارے اوپر رحم فرما — یہ کون کہہ رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی غلطی کی گناہ

یہ کلمات کیوں عرض کر رہا ہے اللہ کے حضور ۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کونسا گناہ کیا تھا
وہ تو اللہ کے نبی ہیں ۔ گناہ ہوا ۔ پاک ہیں ۔ یا کیا معاذ اللہ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی کسی غلطی پر یہ واقعہ پیش آیا ۔ معاذ اللہ استغفراللہ ان کی کسی گناہ پہ سزا ہو گی
مگر یہ سبق دیا جا رہا ہے امتی کو انبیاء علیہم السلام ۔ یہ آئے ہیں ۔ تو وہ بھی یہ دعا کرتے ہیں ۔
انت ولینا ۔ رات کو چند لمحے دعا کریں ۔ اللہ کے حضور گڑگڑایا کریں ۔ ہمارا سارا
سامان یہی ہے ۔ مولا ہمیں بخش دو ۔ رحم فرما ۔ تو سب سے بڑھ کر معافی عطا فرمانے والا ہے
معافی دینے والے تو کئی ہوں گے مگر سب سے بہتر اور سب سے بڑھ کر معافی عطا فرمانے والا ۔ تو
ہے ۔ یہ جو بات عرض کر رہا ہوں ۔ وہ جو ستر (۷۰) مارے گئے تھے ۔ وہ زندہ ہو گئے پہلے
وہ تو ہر سالک کے لئے رہ گئے ۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا ۔
اے اللہ ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی لکھ دے ۔ یہ بھی التجا ہے ۔ اشارہ
اس امر کی طرف ہے ۔ ۔ ۔ ۔ خاص آزمائش اور امتحان اور ابتلاء کے پس منظر
میں ۔ کہ مولا تیری مرضی ہے کہ جب چاہے امتحان میں مبتلا کرے جس سے چاہے
آزمائش لے ۔ مگر مولا ہماری التجا یہ ہے کہ معاف بھی کر رحمت بھی کر ۔ مدد بھی فرما ۔
اور دنیا میں ہمارے لئے بھلائی لکھ ۔ ہم آزمائشوں کے قابل نہیں ہیں ۔ ہم کمزور ہیں ۔
سبق دیا جا رہا ہے کہ ہم اس لائق اور قابل نہیں کہ ہم آزمائشوں پر پورا اتریں ۔
۔ یا تو ہمیں ان سے بچا لے ۔ یا اگر آزمائش دینی بھی ہیں ۔ تو اپنے فضل سے
ہمیں صبر دے ۔ اور دنیا میں بھی ہمارے لئے کامیابی کامرانی اور صبر لکھ ۔ اور مرنے کے بعد آخرت
میں بھی کامیابی کامرانی اور فوز و فلاح لکھ ۔ اور یہی فرمایا مولا ہم تیری طرف رجوع کرتے
ہیں ۔ تیری طرف جھکتے ہیں ۔ ہم تیری بارگاہ میں رجوع ہوتے ہیں (۳۲-۱-۱)
اب یہ گفتگو تھی ۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اللہ مجیدہ کی بارگاہ میں ۔ اب آپ کا
بیان ختم ہوا ۔ اب اس کا جواب آ رہا ہے اللہ پاک کی طرف سے دیکھئے نا ۔ کتنے کتنے
کرم فرمائے ہیں ۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کے طفیل ۔ حضور کی امت پر ایک ایک بات
ایک ایک جملہ ایک ایک لفظ یہ قرآن بنا کر اتار دیا ہے ۔ تاکہ اس سے ہدایت حاصل
کریں ۔ یہ تعلیمات ربانی بن گئیں ۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس التجا کے جواب میں اب اللہ پاک

(نوٹ) صفحہ ھذا کا بقیہ صفحہ ۱۴۵ پر ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کا خطاب
۳۱۸ پر ہے۔

فرماتے ہیں یہ حال عذاب کا — وہ جو بیان کئے گئے خاص اسی منظر کے حوالے سے اس آیت کریمہ کا مفہوم
سمجھیں — تو اشارہ ملتا ہے کہ یہ عذاب ہی تو میرا اُن کے لئے تھا۔ جن کے لئے جانا — میں
اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ تو خاص اسی منظر کے حوالے سے وہ
خاص جنہوں نے طعنہ دیا تھا۔ اور کہا تھا لن نؤمن لک ——— جتنک کھلے بندوں
اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ موسیٰ ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور جس قوم کے لوگوں نے کہا
تھا۔ کہ جو یہی آپ تختیاں لا کر دے دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ کہ یہ احکام
خداوندی ہیں۔ ان کو قبول کرو — ہم یوں ہی ان کو قبول کریں۔ اگر ہمیں بھی خدا سنا
دیتا ہے تو لے جا کر ہمیں بھی سنا — تو جنہوں نے یہ طعنہ دیا تھا۔ اور جو ان کے سر کردہ
نمائندے بن کے آئے تھے — انہیں جانا تو میں نے عذاب دیا۔ اور عذاب کیوں
دیا — اس لئے عذاب دیا تا کہ یہ امر واضح ہو جائے۔ کہ کون ہے جو میرے نبی کی
صداقت کو جھٹلانا چاہتا ہے۔ تو میں جس پر چاہتا ہوں عذاب کرتا ہوں۔ سب کو
میں بعضوں کو چنتا ہوں (۲-۵-۷-۳-۱) جس کو چاہتا ہوں جس وقت چاہتا ہوں۔ عذاب
میں مبتلا کرتا ہوں۔ مگر قاعدہ یہ ہے۔ ورحمتی وسعت کل شئی — مگر میری رحمت ہر شئی پر وسیع
ہے۔ گویا عذاب اور سزا کسی کسی کے لئے ہوتی ہے۔ تو ان کو چھوڑ کر باقی ہر ایک کو کچھ نہ کچھ
رحمت کا حصہ عطا کرتا ہوں — سزا دیتے ہیں اور عذاب دیتے ہیں۔ میرا جو نظام ہے جو میرا سلسلہ
ہے۔ اس کو ہم نے اپنا وسیع سبب حساب میں رکھا ہوا۔ اس کا حساب رکھا ہے
اور رحمت عطا فرمانے کے لئے معاملہ بے حساب کر رکھا ہے۔ سزا و عذاب کا
معاملہ حساب و کتاب ہی ہے۔ اور رحمت بانٹنے کا معاملہ حساب و کتاب نہیں رکھا
فرمایا ورحمتی وسعت کل شئی — رہ گئی میری رحمت وہ ہر ایک پر وسیع ہے۔ تو رحمت کا حصہ
بے حساب دیتا ہوں۔ اور ہر ایک کو اس کے حصے کے مطابق ملتا ہے۔ مگر سزا اور عذاب
کسی کسی کو دیتا ہوں — چن چن کر دیتا ہوں۔ اور کبھی کبھی دیتا ہوں۔ ہر وقت عذاب اور سزا
کی لاٹھی نہیں چلاتا — مگر رحمت ہر وقت اس کے چشمے چلتے ہیں۔ بلکہ رحمت کے چشمے ابلتے
ہیں — اور بے حساب بانٹتا ہوں۔ جو مانتا ہے اسے بھی دیتا ہوں۔ جو نہیں مانتا اسے
بھی دیتا ہوں۔ جو جھکتا ہے اسے اس کے حساب سے دیتا ہوں۔ وہ جھکنے والا جو ہوا۔ اور

نماز کی فضیلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ اللہ اس آیت پاک میں ارشاد فرماتا ہے ۔ اور میں نے جن اور انسان اس لیئے بنائے کہ بندگی کریں ۔ بندہ وہ ہے جو بندگی کرتا ہے جو یاد الہی سے دل کو سکون دیتا ہے ۔ اور جو یاد الہی سے غافل ہے وہ مردہ ہے ۔ انسان جب مرتا ہے ۔ تو اس پر کوئی عبادت فرض نہیں ۔ اس لیئے کہ وہ مر گیا ہے ۔ مگر جو زندہ رہ کر عبادت نہیں کرتا ۔ اسے خود کو مردہ تصور کرنا چاہیئے ۔ عبادت الہی سے غافل چلتا پھرتا بازار میں مردہ اللہ اللہ کرنے والا مرنے کے بعد مزار میں بھی زندہ ہے ۔

(۱) وجہ تخلیق حضرات محترم غور فرمائیں ۔ جو بظاہر چلتا پھرتا اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا زندگی بسر کرتا اور پھر مر جاتا ہے کیا اس کی زندگی کا مقصد اسی قدر ہے ۔ اگر یہی ہے تو انسان اور حیوان میں کیا فرق انسان اور حیوان کی کیا پہچان ذی ارادہ اور غیر ارادہ میں کیا امتیاز ۔ صاحب عقل اور بے عقل میں کیا تمیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار اور عبث پیدا فرمایا ۔ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ انسان کو محض اللہ تعالیٰ نے کسی کام کیلئے پیدا فرمایا ہے ۔ انسان کی ہستی پوری کائنات سے ختم ہو جائے تو سورج چمکتا رہے گا ۔ دریا بہتے رہیں گے ۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام چیزیں چاند کی چمک کہکشاں کی دمک رات کا اندھیرا صبح کا سویرا ۔ فضا معطر ۔ پھولوں کی لطافت شاخوں کی نزاکت کلیوں کا تبسم بلبل کا ترنم سورج کی تپش زمین کی کشش سب انسان کے لیئے ہے ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے ۔ اس فرمان الہی سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیئے بنائیں ہیں

جانور پیدا کیئے تیری وفا کے واسطے ۔ چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے ۔ سب جہاں تیرے لیئے ہے اور تو خدا کے واسطے ۔

یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا ۔ اب یہ بھی جاننا ضروری ہے ۔

سو عبادت کسے کہتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا۔ پھر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنا پھر زمین پر ماتھا رکھ کر سجدہ کر لینا چند افعال حرکات و سکنات کا بجا لانا عبادت ہے یا رمضان میں صبح و شام تک بھوکا پیاسا رہنا ہی عبادت ہے۔ یا قرآن کریم کا ایک ورق پڑھ لینا کعبے کے گرد چکر لگا صرف یہی عبادت ہے۔ یعنی یہ کہ صرف چند ظاہری اعمال کا نام ہی عبادت ہے۔ ان کاموں کے کر لینے سے وما خلقت الجن والانس ــــ کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ ہر طرح سے آزاد ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس عبادت کیلئے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ وہ صرف اسی قدر نہیں جو ہم نے سمجھ رکھا ہے۔ بزرگو۔ دوستو! عبادت نام ہے۔ اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو قانونِ خداوندی کا پابند کرنا۔ اگر یہ بات ہم میں پیدا ہو گئی۔ تو ہماری ہر جنبش و حرکت عبادت ہو گی۔ اسلام نے عبادت کے مفہوم کو بڑی وسعت کے ساتھ بیان کیا ہے جن کاموں کو آپ بالکل دنیاداری سمجھتے ہیں۔ اگر ان کو رضائے الٰہی کے مطابق کیا جائے۔ تو وہی عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کاروبار کیلئے گھر سے نکلتے ہیں۔ اگر آپ جائز طریقہ سے رزق حلال کما کر لائیں گے۔ تو یہ بھی عبادت ہے۔ حتیٰ کہ چلتے چلتے راستہ سے ایک کانٹا ہٹا دینا بھی عبادت ہے۔

حضرات محترم۔ اب آپ کو عبادت کا مفہوم بخوبی معلوم ہو گیا کہ زندگی کا ہر ہر لمحہ فرمانِ خداوندی کے مطابق گزارنا عبادت ہے۔ اب آپ کے ذہن میں سوال ہو گا۔ کہ پھر نماز روزہ حج۔ زکوٰۃ کیا ہیں۔ جس اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ تو سنیے میں عرض کرتا ہوں۔ ان عبادات کے فرض کرنے کا مقصد ہم کو اس عبادت کیلئے تیار کرنا ہے۔ جو ہم کو ہر لحظہ ادا کرنی ہوتی ہے۔ نماز ہمیں دن میں پانچ مرتبہ یہ سبق دیتی ہے۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندے ہو۔ اسی کی بندگی تمہیں کرنا ہے جب اذان ہوتی ہے۔ تو ہمارا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے۔ کیا میرا جسم پاک ہے۔ میرا لباس پاک ہے۔ جسم و لباس کی پاکیزگی کے بعد وضو کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بے وضو نماز پڑھتے دیکھ کر کوئی شخص کبھی کچھ نہیں کہتا۔ لیکن ہم بے وضو نماز نہیں پڑھتے۔ کیونکہ ہمارے ذہن میں یہ بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اگر بے وضو نماز پڑھی۔ تو میرا خالق و مالک مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ نماز آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں۔ تو یہ یقین پکا ہوتا ہے۔ کہ میرا خدا تعالیٰ سن رہا ہے۔ اگر یہی کیفیت ہماری ہر وقت رہے جو نماز ہمارے اندر پیدا کر دیتی ہے۔ تو یقیناً ہم کوئی کام خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف نہ کریں گے۔ نماز ہمارے اندر خدا تعالیٰ کے علیم و خبیر سمیع و بصیر ہونے کا پختہ یقین پیدا کرتی ہے کہ

اسی طرح روزہ ہم کو سال میں ایک ماہ کے اندر خوفِ خدا تقویٰ و پرہیزگاری کی یاد دلاتا ہے۔ بھوک و پیاس کی شدت ہوتی ہے۔ کھانا اور پینا سامنے موجود ہوتا ہے۔ مگر روزہ کی حالت میں انسان کھاتا نہیں۔ نفس اسے کہتا ہے کھالے۔ تجھے کون دیکھ رہا ہے۔ مگر روزہ سے انسان کے اندر خشیت الٰہی اور خوفِ خداوندی اس طرح رچ بس جاتا ہے۔ کہ وہ یہ کہتا ہے۔ یہ تو درست ہے۔ کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ مگر میرا خالق و مالک دیکھ رہا ہے ——۔ حج خدا تعالیٰ کی محبت اور بزرگی کا ایسا نقش بٹھاتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ اگر وہ دل پر نقش ہو جائے۔ تو عمر بھر اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ ان عبادات کے ادا کرنے کے بعد اب آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ کی ساری زندگی عبادت بن جائے۔ تو بلاشبہ آپ کی نماز نماز ہے۔ روزہ روزہ ہے۔ حج حج ہے۔ زکوٰۃ زکوٰۃ ہے لیکن اگر یہ مقصد پورا نہیں ہوا تو محض رکوع و سجود بھوک و پیاس برداشت کر لینے سے زکوٰۃ ادا کر لینے سے حج کے مناسک پورا کرنے سے عبادت کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ان ظاہری طریقوں کی مثال تو ایسی ہے اگر ایک جسم ہے۔ اور اس میں جان ہے۔ وہ چلتا پھرتا کام کرتا ہے۔ وہ زندہ ہے۔ اگر ایک جسم سلامت ہے۔ جان نہیں تو وہ ہاتھ پاؤں سر آنکھیں کس کام کے ہیں۔ انہیں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہوں۔ یا روزے کی پوری پوری شرائط ادا کر دی جائیں۔ مگر خداوند عالم کی محبت اس دنیا داری اس کے حکم کی پابندی نہ ہو۔ تو نماز روزہ حج زکوٰۃ کے فرائض ادا کرے تو وہ ایک بے جان عبادت ہے

(۱) نماز کی اہمیت۔ جملہ عبادات میں نماز کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دیکھئے حج زندگی میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ زکوٰۃ بھی سال میں ایک مرتبہ صاحب نصاب کو ادا کرنا ہوتی ہے۔ رمضان شریف بھی گیارہ ماہ بعد آتا ہے۔ مگر نماز وہ عبادت ہے۔ جو ایک دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا ہوتی ہے یہی وہ عبادت ہے۔ جو ہر امیر غریب۔ پیر و صغیر۔ مفلس و اسیر۔ مرد اور عورت۔ گورے وکالے۔ جوان بوڑھے بیمار و تندرست شاہ و گدا مریض و کلیم۔ مسافر و مقیم۔ ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے متعلق حکم ہے۔ کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے۔ تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو۔ جب دس برس کا ہو جائے۔ تو اسے مار کر بھی پڑھاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیہ ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے کا حساب نماز سے شروع ہوگا۔ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَلٰوتُہٗ (نسائی)

؎ روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اول پرسش نماز بود

حضرات محترم۔ نماز ہی وہ عبادت ہے۔ جس کا حساب روزِ محشر سب سے پہلے ہوگا۔ نماز ہی وہ عبادت ہے

21

جو گناہوں سے بچنے کیلئے ڈھال ہے ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر

(۲) گناہ جھڑتے ہیں پتوں کی طرح ۔ حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے ۔ سرکار دو عالم سردی کے موسم خزاں میں باہر تشریف لائے ۔ درخت کی شاخ کو ہلایا ۔ (۲) نہر کی مثال مثل کرنے کی ۔ ابوہریرہ روایت کرتے ہیں ۔ (مشکوٰۃ) نماز ہی وہ عبادت ہے ۔ جو انسان کو گناہوں سے پاک کرتی ہے ۔ نماز ہی پیام نظافت و طہارت اور مغفرت و رحمت ہے ۔ سرکار دو عالم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

حضرات محترم اصول ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے ۔ تو اب اپنے آقا و مولا ﷺ کی محبوب عبادت سے ہمیں بھی پیار رکھنا چاہیئے ۔ نماز ہی کی برکت سے مسجدوں کی تعمیر ہے ۔ صوت اذان اور صدائے تکبیر ہے ۔ نماز ہی کی وجہ سے محراب و منبر کی تنویر ہے ۔ نماز ہی سے خطیب کو عظمت ملی ۔ امام کو رفعت ملی ۔ حفاظ کو قدر و منزلت ملی ۔ نمازی کو نفاست و پاکیزگی ملی ۔ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کی سعادت ملی ۔ نماز ہی نے شاہ و گدا کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

نماز ہی کمال عبودیت ہے ۔ نماز ہی تکمیل انسانیت ہے ۔ نماز ہی اخلاق حسنہ کی یاد دہانی ہے ۔ نماز ہی نے پیار و محبت ، الفت و مروت اتحاد و یگانگت کا درس دیا ۔ نماز ہی خدا و رسول کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے ۔

نماز کیا ہے ۔ مخلوق کا اپنے خالق کے حضور عبودیت کا اظہار اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کی یاد ۔ حسن ازل کی حمد و ثنا اس خالق کائنات کے بے انتہا احسانات کا شکریہ ہے ۔ بے قرار روح کی تسلی و تشفی ۔ مضطرب قلب کی راحت ۔ زندگی کا حاصل ۔ ہستی کا خلاصہ الست بربکم کا فطری جواب ۔ تحفۂ معراج دین کا ستون ۔ کامیابی کا راز

(۳) معراج مومن ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ الصلوٰۃ معراج المومنین نماز میں بندے کو اللہ تعالیٰ کا رتبہ قرب حاصل ہوتا ہے ۔ کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے ۔ تو رب تعالیٰ کا فرمان مقدس ہے کہ میں اسے یاد کرتا ہے ۔ فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون ہے بخاری شریف کتاب الایمان میں ہے ۔ ایک دن ایک شخص سائل کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا ۔ اور عرض کیا احسان کیا ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا ۔ تم اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کرو ۔ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو ۔ تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے ۔ (۴) کامیابی کا راز ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ قد افلح من تزکی ۔ وذکر اسم ربہ فصلی ۔ کامیاب وہ ہے جس نے پاکیزگی حاصل کی ۔ اور خدا تعالیٰ کا نام یاد کیا پس نماز پڑھی

معلوم ہوا کہ بے نماز ہر مرحلہ میں ناکام ہے۔ خواہ اس کے پاس دنیا کا کتنا ہی مال جمع ہو جائے۔ کامیاب وہ ہے۔ جو اپنے خالق و مالک کے حضور سر بسجود رہے ــــ آپ بے شک بے نماز مال دار سے دریافت کرلیں وہ ہر وقت پریشان ہی ہوگا۔ سکون قلب اسے نصیب نہ ہوگا۔ تو اطمینان و سکون صرف خالق کائنات کے ذکر سے حاصل ہوتا جس کو لاریب کتاب قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ پ۱۳ یہی وجہ ہے کہ جب مصیبتوں کا ہجوم اور تکلیفوں کی شدت ہو تو ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ـــ یہی وجہ تھی کہ جناب سید المرسلین کو جب کوئی مشکل امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کان النبی ﷺ اذا حزبہ امر صلی۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۷ نماز ہی وہ بابرکت عمل ہے۔ جس سے دنیا و آخرت میں چین نصیب ہوتا ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جس سے بندے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جنت کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے۔ اور یہی وہ عبادت ہے جس کے ترک کرنے سے انسان عذاب جہنم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور جہنمی لوگ دوزخ میں جائیں گے تو اہل جنت جہنم والوں سے سوال کریں گے۔ لم نک من المصلین پ۲۹ قرآن و حدیث میں نماز نہ پڑھنے والوں کے لئے وعید ارشاد فرمائی گئی ـــ ومن اعرض عن ذکری ـــ نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ ـ اندھا کرکے اٹھائیں گے۔ ان مذکورہ آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز کو ترک کرنے والا اور نماز میں سستی کرنے والا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک سے روگردانی کرنے والا مستحق عذاب ہوگا۔ مگر ہماری حالت اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ مذہب سے بیگانگی اور دین سے لا پرواہی اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے کہ نماز تمام عبادات میں نہایت اہم فریضہ ہے۔ جسے ہم چھوڑ چکے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی دس دس ہزار آبادی کی بستیوں میں جب اللہ تعالیٰ کے گھروں سے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کی صدا آتی ہے۔ تو اس فلاح عظیمہ کے حصول کے لئے ہزاروں افراد سے بمشکل تیس چالیس نمازی مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی اکثریت ان بوڑھوں اور کمزوروں کی ہوتی ہے۔ جن کی کمر سیدھی نہیں ہو سکتی۔ جن کی بینائی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ مسجد میں تشریف لاتے ہوئے۔ ان کی عینک راستے میں گم ہو جائے یا گر کر ٹوٹ جائے۔ تو ان کے لئے مسجد میں پہنچنا تو درکنار گھر واپس جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ مسجدوں میں اکثر ایسے بوڑھے نظر آتے ہیں جن کا وجود ان کے گھر والے بھی برداشت نہیں کرتے۔ اور وہ بیچارے اپنے گھروں کی کھاٹ اور کھانستے ہوئے خانہ خدا میں پناہ حاصل کرنے کیلئے تشریف لے آتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ کا عظیم گھر جسے ہم مسجد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے لیئے

۱/مو الخطیب ص ۱۵۶ جلد ۱

(۳)

اپنی شفقت بھری باہیں کھولے۔ ان کے لیے بھی فلاحِ دارین کی بشارت دیتا ہے۔ (ان کے لیے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کی رحمت تو گناہ گاروں کو ہمیشہ صدائیں دیتی ہیں۔ نوجوانی کی توبہ اور بوڑھے کی توبہ ۔ ایسے وقت میں جبکہ ابھی تو پرہیزگاری کا سوال اور معاملہ ہے۔

حضراتِ محترم میرے اس بیان کا ہرگز یہ مطلب نہ سمجھا جائے۔ کہ میں ان بوڑھوں کا مخالف ہوں۔ جو بڑھاپے میں نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کی آبادی جن کے دم قدم سے ہے۔ بلکہ یہ تو خوش نصیب ہیں۔ جو عالمِ پیری میں خدا تعالیٰ کے گھر کی طرف چلے آئے۔ ورنہ کئی ایسے بوڑھے دیکھے ہیں۔ کہ جو بسترِ مرگ پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے۔ حضرات آج کل کا نوجوان بڑھاپے کا منتظر ہے۔ کہ بوڑھے ہوں گے تو نماز پڑھ لیں گے۔ تو میرے نوجوان ساتھیو۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ تم اتنی دیر زندہ رہ سکو گے کہ بوڑھے ہو جاؤ۔ نا معلوم جوانی میں ہی پیغامِ اجل آ جائے۔ اور یوں ہی خالی ہاتھ اس دارِ فانی سے رخصت ہونا پڑے۔ میں عرض کر رہا تھا۔ کہ مسجدوں میں اکثریت بوڑھے نمازیوں کی ہوتی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ کہ آج کل کا نوجوان مسجد میں جانا فیشن کے خلاف سمجھتا ہے۔ لیکن سینما بینی بڑے شوق سے کرتا ہے۔ آج سینما آباد نظر آتے ہیں۔ اور مساجد ویران ہیں۔ اور ان کے در و دیوار سے رونے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے ۔ یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے۔

برادرانِ اسلام یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ ہم نے مسجدوں کو تو ویران کر دیا۔ اور سینماؤں کو آباد کر دیا۔ بتائیے۔ آپ بعد محشر اپنے اس جرمِ عظیم کا خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے ـــــ اے غافل مسلمانو تم اس محبوبؐ کے امتی ہو۔ جس نے اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے۔ پتھر کھائے۔ تم اس نبی کے امتی ہو۔ جس نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لیے گورے گورے اور نرم و نازک ہاتھوں سے مسجد کی اینٹیں اٹھا کر مسجد کا احترام اور مسجد کا مقام بتایا۔ تم اس نبی کا کلمہ پڑھنے والے ہو۔ جو پوری پوری رات قیام کر کے سجدے اور قعدے میں گزار دیتے تھے۔ تم اس علی المرتضیٰ کے محب ہو۔ جن کی ایک نماز قضا ہونے سے ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں۔ ـــــ تم اس سید الشہداء امام حسین کے محب اور غلام ہو۔ جس نے میدانِ کربلا میں اس وقت بھی نماز قضا نہ کی۔ جس وقت ایک طرف اٹھارہ سال کے نوجوان بیٹے کی بے گور و کفن لاش نظر آ رہی تھی۔ ـــــ میدانِ کربلا کا منظر۔ سجدہ کا امام حسین کے سپرد ہے ؎ ۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں۔ نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

احکامِ نماز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وقولوا للناس حسنا و اقیموا الصلوٰۃ پ۱ حضرات محترم۔ فرائض میں
نماز سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اور قرآن و حدیث میں اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ نماز پڑھنے
والوں کی تعریف اور ان کے انعام و اکرام کا ذکر فرمایا گیا۔ نماز نہ پڑھنے والوں اور نماز میں سستی
کرنے والوں کی مذمت اور ان کے ہولناک انجام کا بھی تذکرہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قد
افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون پ۱۸ بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے۔ وہ جو
اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ اسی طرح کہ نماز کی حالت میں ان کے دلوں میں رب کا خوف ہوتا
ہے۔ اعضاء میں سکون ہوتا ہے۔ نماز اپنے تمام پر قائم ہوتی ہے۔ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے۔
۲۹ پاروں میں کہ نماز پڑھنے والے دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔ اصل کامیابی نماز پڑھنے والوں کی ہے۔ لہٰذا
جو لوگ نماز نہیں پڑھتے یا نماز میں سستی کرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں خرابی ہے۔ بلکہ تبا
تباہی ہے ــــ ذلالت ہے ــــ رسوائی ہے ــــ دوزخ کا عذاب ہے۔ آقا علیہ السلام نے
فرمایا نماز جنت کی چابی ہے۔ نماز شفا بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہ کے پیٹ میں درد تھا نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ قُم فَصَلِّ فَاِنَّ فِی الصَّلوٰۃِ ابن ماجہ ص۲۵۵ جلد۲
اٹھ نماز پڑھ بے شک نماز میں شفاء ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے نماز ضائع کر دی
اس کا حشر فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا۔ مَن ضَیَّعَ الصَّلوٰۃَ حُشِرَ مَعَ فِرعَونَ وَ ھَامَان
مشکوٰۃ ص۵۹ فرمایا نماز مومن کا نور ہے۔ نماز پڑھنا ذریعہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
پر دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں مگر پانچ میں ثواب پچاس کا رکھا ہے۔ اور جو جماعت سے پڑھے
اس کے لئے ایک نماز کا ثواب ۲۷ نمازوں کے برابر ہے۔ تو جس نے پانچ نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھیں
تو گویا اس کو ۱۳۵ نمازوں کا ثواب دیا جائے گا۔ اور جو نماز پورے خلوص کے ساتھ پڑھے اس کا ثواب
اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ نماز تمام عبادتوں کی سردار ہے۔ تمام حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ نماز
بندے کی کامیابی کا چراغ ہے ــــ (۱) نماز کا خاصہ:- مروی ہے کہ ایک نوجوان انصاری نماز تو پڑھتا
تھا۔ لیکن ہر برائی ارتکاب بھی کرتا تھا۔ حضور کی خدمت میں اس کی شکایت کی گئی۔ تو فرمایا۔ اسے اس کی
نماز عنقریب برائیوں سے روک دے گی۔ چنانچہ وہ تھوڑے عرصے بعد وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو گیا۔ اور
قلیل مدت میں اس کا معاملہ سلجھ گیا۔ وہ اچھے لوگوں میں شمار ہونے لگا ــــ ہم انسان ہو کر اللہ
تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے۔ اس کی یاد سے غافل ہیں۔ لیکن دوسری مخلوق کو دیکھیں۔ کیڑے مکوڑے چرند پرند

خشکی اور تری کے جانور بلکہ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہے ۔ (۲) مینڈک کی عبادت ۔ حضرت داؤدؑ فرماتے ہیں۔ کہ میں آج رات اتنی تسبیح پڑھوں گا۔ کہ اس کا کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ یہ سن کر ایک گوشہ سے مینڈک بولا۔ حضرت جی فخر مت کریں۔ مجھے ستر سال ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اور ایک لمحہ بھی ذکر اللہ سے میری زبان نہیں رکی۔ اور دس راتوں سے نہ تو میں نے کچھ کھایا نہ پیا۔ وہ اس لئے۔ کہ ان دو کلمات کے پڑھنے سے فراغت ملی ہے نہ کھا پی سکا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کلمات کون سے ہیں مینڈک نے کہا یا مسبحاً بکل لسان و مذکوراً بکل مکان ۔ اے وہ ذات جس کی ہر زبان میں تسبیح اور ہر مکان میں اس کا ذکر ہوتا ہے ۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ مینڈک کا گوشت مت کھاؤ۔ اس لئے۔ کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کیلئے منہ میں پانی رکھ کر آتش نمرود پر پانی ڈالا تھا۔ روح البیان ص ۲۲۱ جلد ۳

حضرات محترم نماز پڑھیں صرف اور صرف اللہ کی رضا کے حصول کیلئے جو کہ اصل نماز ہے۔

(۳) حقیقی ذاکر ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم پر گزرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھی۔ آپ نے اس قوم کے لوگوں سے پوچھا۔ تم ذکر میں کیوں مصروف ہو۔ انہوں نے کہا۔ ثواب کی خاطر۔ آپ نے فرمایا بہت خوب۔ پھر ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ تو آپ نے ان سے پوچھا۔ کہ تم ذکر کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ عذاب الٰہی کے خوف سے۔ آپ نے فرمایا۔ خوب۔ پھر تیسری قوم سے گزرے۔ تو ان سے ذکر کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا۔ نہ ہمیں عذاب کا خوف ہے۔ نہ ثواب کی خواہش بلکہ ہم تو صرف اللہ کی بندگی کی خاطر عبادت کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ حقیقی ذکر کرنے والے صرف تم ہو (روح البیان)

(۴) نماز میں خیالات کا آنا ۔ حضرات گرامی نماز پورا خشوع و خضوع اور توجہ سے پڑھنی چاہیئے۔ اگر دوران نماز کوئی خیال آجائے تو اس میں محو نہ ہو۔ بلکہ اسے ہٹانے کی کوشش کرے۔ روایت ہے کہ ایک یہودی حضور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت حضور قلب سے کرتے ہیں۔ ہمیں ذرہ بھر بھی شیطان کے وسوسوں کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور ہم نے سنا ہے۔ کہ آپ کے صحابہ نماز میں ہزاروں وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہودی کے سوال کا جواب دیجئے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ اے یہودی تمہیں معلوم ہے۔ کہ کسی جگہ پر دو گھر ہوں۔ ایک سونے چاندی۔ جواہرات موتی اور یاقوت و مرجان سے بھرا ہو۔ اور اس میں نفیس اور منقش سامان موجود ہو۔ دوسرا مکان بالکل خالی ہو۔ اب بتاؤ چور کس گھر میں آئے گا۔ قیمتی اشیاء سے پر گھر میں یا خالی گھر میں۔ یہودی نے کہا۔ کہ پُر گھر میں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ کہ ہمارا

دل چونکہ توحید و معرفت ایمان و یقین اور تقویٰ و احسان و ملسیر ھا سے پُر ہیں۔ اور منافق کا دل
ان کمالات سے خالی ہیں۔ اس لئے ابلیس خالی قلوب میں جا کر کیا کرے گا۔ یہودی نے یہ سنا تو
مسلمان ہو گیا۔ (روح البیان ص ۱۸۲ جلد ۵) نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ نماز
باجماعت پڑھنے کے فوائد۔ اور جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کے نقصانات ہیں۔

(۵) نماز با جماعت۔ مشائخ فرماتے ہیں جو پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ اسے مندرجہ
ذیل فوائد نصیب ہوں گے۔ ۱۔ روزی کی تنگی دور ہو گی۔ ۲۔ عذاب قبر سے حفاظت ہو گی۔ ۳۔ پل صراط
سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ (۴) جنت میں بلا حساب داخل ہو گا۔ (۲) نماز بغیر جماعت۔
۱۔ روزی سے برکت اٹھ جائیگی۔ ۲۔ اس کے چہرے سے صالحین کی علامت اٹھا لی جائے گی۔ ۳۔ لوگوں
کے دلوں میں اس کے لئے بغض پیدا کر دیا جائے گا۔ (۴) اس کی روح بھوکی پیاسی قبض کی جائے گی۔ (۵) نزع
کے وقت سخت تکلیف ہو گی۔ ۶۔ قبر میں منکر نکیر کی گرفت سخت ہو گی۔ ۷۔ قبر میں اندھیرا رہے گا۔
۸۔ قبر تنگ ہو گی۔ ۹۔ حساب سخت ہو گا۔ ۱۰۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر سخت عذاب ہو گا۔ (روح البیان)
حضرات: قیامت کے دن نمازی چہروں سے پہچانے جائیں گے۔ اور نمازیوں کے چہرے چمکتے ہوں گے۔ اور نمازیوں
کو بامسرت جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (۶) نمازیوں کی شناخت: روایت ہے۔ کہ جب قیامت قائم
ہو گی۔ اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ تو مسلمانوں کے پاس فرشتے آئیں گے۔ اور اپنے سروں سے مٹی پونچھیں گے
لیکن پھر بھی ان کی پیشانی پر مٹی باقی رہے گی۔ پھر فرشتے پونچھیں گے۔ تب بھی دور نہ ہو گی۔ اس وقت ایک منادی
ندا کرے گا۔ کہ یہ ان کی نماز کی حالت میں پیشانی پر لگنے والا مسح ہے۔ قبروں کی نہیں رہنے دو۔ تاکہ جنت میں
شناخت ہو جائے۔ کہ یہ میرے فرمانبردار لوگ ہیں۔ نزہۃ المجالس ص ۲۲۸ جلد ۱۔

(۷) روشن چہرے: مروی ہے۔ کہ قیامت کے دن بعض لوگ جب محشر میں حاضر ہوں گے۔ تو ان کے چہرے چمکدار ستارے
کی طرح روشن ہوں گے۔ ملائکہ ان سے سبب پوچھیں گے۔ وہ کہیں گے۔ کہ جب ہم اذان سنتے تو فوراً وضو کی تیاری میں
لگ جاتے ہمیں اس سے کوئی شئے نہ روک سکتی تھی۔ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے چہرے چاند کی طرح ہوں گے
ان سے پوچھا جائے گا۔ تو وہ کہیں گے ہم نماز کے وقت سے پہلے وضو میں مشغول ہوتے۔ بعض ایسے ہوں گے۔ جن
کے چہرے سورج کی طرح ہوں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا۔ تو وہ کہیں گے۔ ہم اذان مسجد میں جا کر سنتے تھے (روح البیان)

(۸) نمازیوں کے جہاز: جب قیامت ہو گی۔ تو ایک گروہ پل صراط پر کھڑا رہتا ہو گا۔ ان سے کہا جائے گا پل صراط
سے گزر جاؤ۔ وہ کہیں گے ہمیں دوزخ کا خوف ہے۔ جبرائیل علیہ السلام ان سے کہیں گے۔ تم سمندر پر کیسے گزرتے

تھے۔ وہ جو لباس دیں گے۔ جنازوں پر۔ چنانچہ اس وقت وہ مسجد میں لائی جائیں گی۔ جن میں وہ نماز پڑھتے تھے۔
جو جنازوں کی شکل ہوں گی۔ وہ ان پر سوار ہو کر پل صراط سے گزر جائیں گے۔ نزہۃ المجالس صفحہ ۲۲۲ جلد ۱
حضرات محترم۔ نماز پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ نماز پڑھنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے
رسول اکرم ؐ محبت فرماتے ہیں۔ اللہ کے فرشتے محبت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ساری مخلوق کی نظروں میں محبوب ہو جاتا
ہے۔ اور جو نماز نہیں پڑھتا اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کا غضب ہوتا ہے۔ اس سے ہر چیز نفرت کرتی ہے۔
(درۃ الناصحین صفحہ ۲۹۷)
جہاں وہ جاتا ہے۔ جہاں بیٹھتا ہے۔ وہاں بے برکتی اور نحوست پھیلتی ہے۔
(۹) شیطان کی نفرت = منقول ہے کہ ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا۔ کہ شیطان اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اور
اس نے اس دن پانچوں نمازیں قضا کر دی۔ تو جب رات کو سونے کا وقت ہوا۔ اس شخص نے سونے کا ارادہ کیا۔ شیطان
بھاگنے لگا۔ اس نے شیطان سے کہا۔ تجھے کیا ہوا۔ کہ اب مجھ سے دور جا رہا ہے۔ شیطان کہنے لگا۔ میں نے ساری عمر
میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایک نافرمانی کی۔ تو ملعون ہو گیا۔ اور تو نے آج دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے
مجھے ڈر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنا غضب کرے۔ اور میں بھی اس کی لپیٹ میں نہ آ جاؤں (درۃ)
۱۰- اونٹ کی نفرت = حضرت عقیل بن ابی طالب رض سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں نبی کریم ؐ
کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا۔ اچانک ایک اونٹ دوڑتا ہوا نبی اکرم ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور الامان
الامان پکارنے لگا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ اس کا مالک بھی ننگی تلوار لئے ہوئے۔ آ گیا۔ حضور ؐ نے اس
سے پوچھا کیا وجہ ہے۔ یہ اونٹ تیری شکایت کرتا ہے۔ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ؐ میں نے اسے بھاری قیمت
سے خریدا ہے۔ لیکن یہ مجھے کام نہیں دیتا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اسے ذبح کر دوں۔ چنانچہ حضور سرور کائنات
نے اس اونٹ سے کہا۔ کہ تو اپنے مالک کی نافرمانی کیوں کرتا ہے۔ اونٹ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں
اور کاموں سے تو نافرمانی نہیں کرتا۔ صرف اس میں ایک برائی ہے۔ جس وجہ سے میں اس کی نافرمانی کرتا ہوں۔
آپ نے فرمایا وہ نافرمانی کیا ہے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ؐ یہ عشاء کی نماز نہیں پڑھتا۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔
ایسا نہ ہو۔ کہ اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے جو عذاب اس پر آئے کہیں میں بھی اس عذاب میں
گرفتار نہ ہو جاؤں۔ اونٹ نے عرض کی اے آقا اگر یہ آپ سے وعدہ کرے۔ کہ نماز پڑھے گا۔ تو میں بھی
وعدہ کرتا ہوں۔ کہ اس کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ
لیا کہ آئندہ عشاء کی نماز قضا نہ کرنا۔ پھر آپ نے اونٹ اس کے سپرد کر دیا۔ درۃ الناصحین صفحہ ۲۰۴ جلد ۲
۱۱ - کافر کی نفرت = حکایات مثنوی میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک آتش

پرست رہتا تھا۔ ایک کی ایک بے عمل مسلمان سے دوستی تھی۔ ایک دن بے عمل مسلمان نے اپنے کافر دوست سے کہا۔ کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ آگ کو پوجنے سے کیا فائدہ۔ آگ کو تو اپنے پرائے کی بھی کوئی تمیز نہیں۔ تم جو اس کے پجاری ہو۔ تم بھی اگر اس میں کود جاؤ۔ تو تمہیں بھی جلا دے گی۔ پھر اسے پوجنے کا کیا فائدہ۔ بہتر ہے۔ کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور جس نے آگ کو پیدا کیا ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ کافر نے جواب دیا بھائی میرے سامنے اسلام کے دو نمونے ہیں۔ ایک تو اسلام وہ ہے۔ جو بایزید میں نظر آتا ہے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد و نوافل ادا کرنا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہنا۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ کا ادا کرتے رہنا۔ اور ایک اسلام وہ ہے۔ جو تم میں پایا جاتا ہے۔ نہ کبھی نماز پڑھتے ہو۔ نہ روزہ رکھتے ہو۔ جھوٹ بولنا۔ فریب و مکر سے کام لینا تمہارا کام ہے حقوق العباد و حقوق اللہ کے ادا کرنے کا تمہیں خیال تک نہیں آتا۔ پھر اگر تم یہ کہتے ہو۔ کہ بایزید جیسا مسلمان بنوں یہ تو میرے لیے مشکل ہے لہذا اگر تم یہ چاہتے ہو۔ کہ تمہارے جیسا مسلمان بنوں۔ تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تمہارے اسلام اور میرے کفر میں فرق ہی کیا ہے۔ نماز اگر میں نہیں پڑھتا۔ تو تم بھی نہیں پڑھتے۔ روزہ میں نہیں رکھتا۔ تو تم بھی نہیں رکھتے۔ خدا کا نام اگر میں نہیں لیتا۔ تو تم بھی نہیں لیتے الحاصل جو حال میرا ہے۔ وہی تمہارا ہے۔ پھر مجھے مسلمان ہونے سے کیا فائدہ۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مجھے کبھی مسلمان ہونے کا خیال آتا بھی ہے۔ تو آپ کی حرکتیں دیکھ کر رک جاتا ہوں۔ اسی لیے۔
تو درویش لاہوری نے کہا ہے۔ کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

۱۲۔ شہر اجڑنے کا سبب۔ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک پہاڑ پر گزر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شہر بہترین باغات نہروں پھلدار اور پھولدار پودوں سے سرسبز آباد ہے۔ تمام شہر والے طاعت و عبادات میں مشغول ہیں اور مال و مویشی کے ساتھ خوشحال ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ اور سب نے اپنا اپنا مال آپ کے سامنے پیش کیا۔ مگر آپ نے اس میں سے کچھ قبول نہ کیا۔ پھر اس کے تیس سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ اس طرف گزر ہوا۔ دیکھا کہ اس شہر کے تمام باغات و مکانات اجڑ گئے۔ نہریں اور چشمے خشک پڑے ہیں۔ نہ پھول ہیں نہ پھل ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس حال کے مشاہدہ سے نہایت حیران ہوئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ کہ یا الٰہی اگر عیسیٰ کا تیری بارگاہ میں کچھ بھی ہے تو ظاہر فرما۔ کہ اس شہر کے لوگ کس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

اور ان کے چشموں درختوں اور عمارتوں کی بربادی کا کیا سبب ہوا۔ ابھی یہ الفاظ آپ کی زبان پر
ہی تھے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور عرض کی اے روح اللہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام
فرماتا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے۔ کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی وجبروت کی یہ شہر نہ جادو سے
برباد ہوا۔ نہ نظر بد سے۔ بلکہ یہ تارک نماز کی نحوست کی وجہ سے برباد ہوا۔ ہوا یوں کہ ایک
دن تارک نماز کا اس شہر سے گزر ہوا۔ اور اس نے اس شہر کے چشمہ میں اپنا منہ دھویا تھا۔ اس
کی نحوست سے یہ شہر اجڑ گیا (انیس المجالس ص ۸)

۱۳۔ عبادت کی برکت = منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خریدا۔ غلام نے مالک سے کہا۔ کہ
اے آقا میں آپ سے تین شرطیں چاہتا ہوں۔ ۱۔ شرط یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آ جائے تو مجھے نہ
روکیں۔ ۲۔ کہ آپ مجھ سے دن کو خدمت لیں۔ اور رات کو مجھے چھٹی دے دیں۔ ۳۔ کہ میرے لئے ایک
کمرہ مقرر کر دیں۔ جس میں میرے بغیر کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے۔ آقا نے یہ سب شرطیں منظور کر لیں۔
اس غلام نے مکان کی کوٹھڑیوں کا چکر لگایا۔ اور ایک ویران کوٹھڑی کو پسند کیا۔ آقا نے کہا۔ کہ تم نے یہ
ویران کوٹھڑی کیوں پسند کی ہے۔ اس نے کہا۔ اے میرے سردار کیا آپ کو یہ معلوم نہیں۔ کہ ویران مقام
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ غلام رات کو ایک کوٹھڑی میں رہنے لگا۔ اتفاقاً اس کے آقا
نے ایک رات شراب اور ناچ گانے کی مجلس منعقد کی۔ تو جب آدھی رات ہوئی۔ اور اس کے دوست چلے گئے
تو غلام کا مالک اٹھا۔ اور گھر کا چکر لگایا۔ جب غلام کے حجرے کی چھت پر پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ اس میں نور
کی ایک قندیل ہے۔ جو اوپر سے نیچے کو لٹکی ہوئی ہے۔ اور وہ غلام سجدے میں مناجات اور دعا کر رہا ہے۔ اور
کہہ رہا ہے اے میرے معبود تو نے دن میں مالک کی خدمت میرے ذمہ کر دی ہے۔ اگر میرے ذمہ یہ خدمت نہ ہوتی۔
تو میں دن رات صرف تیری خدمت اور تیرے ذکر میں ہی مشغول رہتا۔ مالک صبح تک اس منظر کا نظارہ کرتا
رہا۔ اس کے بعد وہ قندیل آسمان پر چلی گئی۔ اور چھت بند ہو گئی۔ مالک نے یہ واقعہ اپنی بیوی سے بیان کیا۔
جب دوسری رات آئی۔ تو مالک اور اس کی بیوی حجرے کی چھت پر پہنچے دیکھا کہ قندیل لٹکی ہوئی ہے۔ اور غلام سجدہ
میں سر رکھے ہوئے مناجات کر رہا ہے۔ اگلے دن میاں بیوی نے غلام کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کے واسطے آزاد
ہے۔ تاکہ تو اس ذات پاک کی عبادت کیلئے فارغ ہو جائے جس سے تو معذرت کرتا تھا۔ پھر ان دونوں نے اسے اس
کی کرامتوں کے بارے میں آگاہ کیا۔ جو انہوں نے گزشتہ رات اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ غلام نے یہ سن کر دونوں
ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا اے میرے معبود۔ میں نے تجھ سے دعا کی تھی۔ کہ میرا راز اور پردہ کسی پر نہ کھولیو۔ اب تو نے تو

امن کو فاش کر دیا۔ تو میری روح کو قبض کر کے اپنے پاس بلالے۔ چنانچہ وہ اسی وقت اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ (تبلیغی نصاب ص۵) نماز اللہ تعالیٰ کی عظیم عظمتوں کا اقرار ہے ـــ نماز بندے کی بندگی کا اظہار ہے۔ نماز اپنے رب سے واقفیت کا ذریعہ ہے۔ نماز پڑھنے سے دل میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ نماز پڑھنے سے بندے کو توبہ و استغفار کا موقع ملتا ہے۔ نماز قبر و حشر کا نور ہے

(ابرارِ خطابت ص۸۴ تا ۱۱۴ جلد ۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وارکعوا مع الراکعین پ۱

حقوق اللہ میں کلمہ طیبہ نماز روزہ حج زکوۃ اعمال صالح ہیں۔ ان چیزوں پر عمل کرنا اور برے کاموں سے پرہیز کرنا حقوق اللہ کہلاتے ہیں۔ اور نماز کلمہ طیبہ کے بعد تمام عبادتوں میں افضل عبادت ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ـــ الراکعین پ۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی علامت ہوتی ہے۔ لکل شیءٍ علم و علم الایمان الصلوۃ۔ مشکوۃ المصابیح ص۲ اور ایمان کی علامت نماز ہے۔ ـــ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب دس برس کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر مارو حتیٰ کہ ان کے بستر بھی الگ کر دو مشکوۃ۔ (۱) پانچ نمازیں = فجر کی نماز حضرت آدم علیہ السلام پر فرض تھی ظہر کی نماز حضرت داؤد علیہ السلام پڑھا کرتے تھے۔ عصر کی نماز حضرت سلیمان علیہ السلام ادا کیا کرتے تھے مغرب کی نماز حضرت یعقوب علیہ السلام پر فرض تھی عشاء کی نماز حضرت یونس علیہ السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام پر ان تمام وقتوں کی نمازیں فرض ہوئیں۔ تاکہ اس امت کو تمام امتوں کا ثواب ملے۔ (مواعظ امنویہ) (مجالس سینہ ص۱۴)

نماز پڑھنے کا ثواب۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب نمازی اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جب سبحانک اللھم پڑھتا ہے۔ تو اسے ایک حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب رکوع میں جا کر سبحان ربی العظیم پڑھتا ہے۔ تو اسے تمام آسمانی کتابوں کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے۔ اور جب سجدے میں جاتا ہے۔ تو اسے تمام جنات اور انسانوں کی تعداد کے برابر نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتا

تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے ۔ اور جب سلسلہ پورا ہو جاتا ہے ۔ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ۔ اور وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں چلا جائے (مجالس سنیہ صفحہ ۶۲) یہ تو تھا نماز پڑھنے کا ثواب اور اب سنیئے کہ نماز پڑھنے کی برکات کیا ہیں

(۲) (بینائی واپس) حضرت نماز کی برکت سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی گئی ہوئی نظر واپس آ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے نابینا ہو گئے ۔ اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک لڑکے کے ساتھ مسجد میں تشریف لے جاتے ۔ ایک دن اتفاق سے وہ لڑکا نہ آیا ۔ اور نماز کا وقت ہو گیا ۔ آپ نے اسے آواز دی ۔ مگر کوئی جواب نہ آیا ۔ آخر آپ نے بے چین ہو کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی ۔ کہ اے اللہ یہ نابینا ہونا مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرے ۔ یا اللہ مجھے قیامت کی رسوائی سے بچا لے ۔ چنانچہ آپ کی اس دعا کی برکت سے اسی وقت آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں ۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے خود مسجد میں چلے گئے ۔ (شواہد النبوۃ صفحہ ۳۸۱)

(۳) بچہ آگ سے بچ گیا ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک نیک عورت تھی ۔ جو نماز کی بہت پابند تھی ۔ ایک دن اس نے تنور میں روٹیاں لگائی تھیں ۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا ۔ اور اس نے نماز شروع کر دی ۔ شیطان لعین نے اسے نماز سے ہٹانے کی یہ ترکیب کی ۔ کہ ایک عورت کی صورت بن کر اس کے پاس آیا ۔ اور کہنے لگا بی بی تنور میں تیری روٹیاں جل رہی ہیں ۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی ۔ اور نماز پڑھتی رہی ۔ شیطان نے دیکھا کہ اس کا تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ۔ تو اس نے اس کا دودھ پیتا بچہ جو وہاں کھیل رہا تھا ۔ اٹھا کر اس نے تنور میں ڈال دیا ۔ مگر اس عورت نے پھر بھی کوئی توجہ نہ دی اتنے میں اس کا خاوند آیا کیا دیکھتا ہے ۔ کہ اس کا بچہ تنور میں بیٹھا ہے ۔ اور انگاروں سے کھیل رہا ہے ۔ جب یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے اس عورت کو بلا کر پوچھا ۔ کہ تو کیا عمل کرتی ہے ۔ اس نے عرض کی یا روح اللہ جب میں بے وضو ہوتی ہوں ۔ تو وضو کر لیتی ہوں ۔ پھر نماز میں مشغول ہو جاتی ہوں (نزہۃ المجالس صفحہ ۸۹ جلد ۱) حضرات کرام معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے سے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں ۔ اور اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں ہی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں ۔ اور ان کی تمام بیماریاں مشکلات ٹل جاتی ہیں ـــــ اب سنیئے کہ جو شخص بلا وجہ سستی کرتا ہے ۔ اور نماز وقت سے بے وقت ادا کرتا ہے ۔ اس کے لئے کیا حکم ہے ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فویل للمصلین ـــــ ساھون ۳۰ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے

جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔ کبھی پڑھنا کبھی نہ پڑھنا۔ پابندی سے نہ پڑھنا بلاوجہ بغیر جماعت کے پڑھنا نماز صحیح طریقہ سے ادا نہ کرنا بشوق سے نہ پڑھنا۔ بے پرواہی سے پڑھنا وغیرہ (نماز منہ پر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بندہ صحیح وقت پر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز آسمانوں کی طرف جاتی ہے۔ اور وہ نورانی شکل میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ عرش الہیٰ تک جا پہنچتی ہے۔ اور نمازی کے لیئے قیامت تک دعا کرتی رہتی ہے۔ کہ جیسے تو نے مجھے حفاظت سے ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے —— اور جب آدمی بے وقت نماز پڑھتا ہے۔ تو اس کی نماز سیاہ شکل میں اوپر آسمانوں کی طرف چڑھتی ہے۔ جب وہ آسمان تک جا پہنچتی ہے۔ تو اسے بوسیدہ کپڑے کی طرح لپیٹ کر پڑھنے والے کے منہ پر مارا جاتا ہے (مکاشفۃ القلوب)

حضرات محترم ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ نماز نہایت ہی خشوع وخضوع سے ادا کریں جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ ہے —— ایک دفعہ حضرت امام زین العابدین رضہ گھر میں نماز ادا کر رہے تھے۔ کہ اچانک گھر میں آگ لگ گئی آپ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا۔ اے ابن رسول اللہ آگ بھڑک اٹھی لیکن آپ نے سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ جب آگ بجھ گئی تو آپ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ آگ سے غافل کیوں رہے۔ آپ نے جواب دیا۔ آخرت کی آگ کے ڈر سے (شواہد النبوۃ ص ۱۱۳)

— بے قراروں کیلئے لا ریب ہے وجہ قرار داغ سب دل سے گناہوں کے مٹاتی ہے نماز
شوق دل سے جو بسر کرتے ہیں اس کا اہتمام ان کو انوار ہے مصیبت سے بچا لی ہے نماز

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص جان بوجھ کر ایک نماز قضا کرے گا۔ تو وہ دوزخ میں چھ ہزار سال فرعون کے ساتھ رہے گا (تذکرۃ الواعظین ص ۲۷)

(۴) عذر نا مقبول۔ آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں کام کی مصروفیت کی وجہ سے وقت نہیں ملتا۔ تو نماز کیسے پڑھیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ قیامت کے دن ان کا کوئی بھی عذر قبول نہیں کیا جائے گا —— قیامت کے دن دنیا میں بادشاہی کرنے والا شخص بارگاہِ الہیٰ میں حاضر ہوکر عرض کریگا۔ اے اللہ تو نے مجھے سلطنت اور حکومت دی تھی۔ اس کا کام اتنا زیادہ تھا۔ کہ سر کھجانے اور دانت کریدنے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ پھر نماز کس وقت پڑھتا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کو بلاؤ۔ جب یہ دونوں دربار میں حاضر ہونگے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو آخر یہ بھی بادشاہ تھے۔ اور ان کی سلطنت تجھ سے زیادہ وسیع تھی لیکن انہوں نے کبھی نماز نہ چھوڑی

لہٰذا تو اس میں جھوٹا ہے۔ پھر ایک شخص حاضر ہو کر اپنی بیماری کا عذر کریگا۔ پس بیمار رہنے لگا یا اللہ
مجھے بیماری نے تیری عبادت سے روک دیا۔۔۔ ارشاد ہوگا کہ ایوب علیہ السلام کو بلاؤ۔ حضرت ایوبؑ
حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بیمار تو بتا تو زیادہ بیمار تھا۔ یا ہمارا ایوبؑ کئی سال بیمار رہنے
کے باوجود ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوا۔ اگر بیماری یاد الٰہی سے روکتی۔ تو ایوب
علیہ السلام کو بھی روکتی۔ مگر تو خود جھوٹا ہے۔ جو بیماری کا بہانہ کرتا ہے۔ یہ نماز نہ پڑھنا تیری غفلت اور
سستی کا نتیجہ ہے۔ حکم ہوگا۔ فرشتو اس کو جہنم میں داخل کر دو۔ پھر ایک بے نماز حاضر ہو کر عرض
کرے گا۔ الٰہی میرے بال بچے بہت تھے۔ میں ان کی روزی کے سلسلہ میں سارا دن کام کرتا رہتا تھا۔ اور
نماز نہ پڑھ سکا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان آئے گا۔ ہمارے بندے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیش کرو۔ چنانچہ
حضرت یعقوب علیہ السلام دربار الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ دیکھو تیری اولاد زیادہ تھی
یا ہمارے نبی یعقوب علیہ السلام کی اولاد زیادہ تھی۔ اولاد کے غم میں تو زیادہ مبتلا رہا۔ یا حضرت یعقوبؑ
یوسف علیہ السلام کے فراق میں کئی سال روتے رہے۔ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ کمر جھک گئی۔ بوڑھے ہو گئے مگر
نماز سے ایک گھڑی بھی غافل نہ ہوئے۔ رب تعالیٰ فرمائے گا۔ فرشتو یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ لہٰذا اسے بھی لے جاؤ۔
اور دوزخ میں ڈال دو۔۔۔۔ پھر ایک بے نماز عورت بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر عرض کرے گی۔ مولا میں
اپنے خاوند کی فرمانبرداری میں مصروف رہتی تھی۔ اس لئے میں نماز نہیں پڑھ سکی۔ حکم ہوگا فرعون کی بیوی آسیہ
کو حاضر کرو۔ تو حضرت آسیہؓ حاضر ہونگی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بے نماز عورت بتا خاوند تیرا
زیادہ ظالم تھا۔ یا آسیہ کا خاوند فرعون زیادہ ظالم تھا۔ دیکھو آسیہؓ ایسے ظالم و جابر کی عورت تھی۔ اور ایسی
عبادت گزار تھی۔ لہٰذا تیرا خاوند والا عذر غلط ہے۔ تو خود غافل تھی۔ اور غفلت کی وجہ سے تو نے
نماز نہ پڑھی۔ حکم ہوگا۔ فرشتو لے جاؤ۔ اس کو بھی جہنم میں داخل کر دو۔ روح البیان درۃ الناصحین ص ۲۶۴/۲
ہمیں چاہیئے۔ کہ جہاں بھی ہوں۔ نماز کا وقت آ جائے۔ تو پہلے نماز ادا کر لیں۔ بعد میں باقی کام کریں۔
اور آپ یہ تجربہ کر لیں کہ اگر آپ نماز ادا کر کے کام کریں گے۔ تو ان شاء اللہ اس میں برکت ہوگی اور کوشش
کریں کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔ حضور علیہ السلام
نے ارشاد فرمایا۔ اکیلے نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب ۲۷ درجے زیادہ ہے۔ حضرت
عبد اللہ بن مکتوم نے عرض کی یا رسول اللہ میں گھر میں نماز ادا کر لیا کروں میں نابینا ہوں۔ فرمایا کیا تو اذان سنتا
ہے۔ ہاں۔ پھر آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ = (۷-۱۲-۲۰۰۷)

نماز راہِ نجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔۔۔ و اقیموا الصلوٰۃ ۔۔۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ نماز قائم کرو۔ نماز قائم کرنے کیلئے دو باتوں پر عمل کرنا پڑے گا اگر دو میں سے ایک پر عمل ہوا تو نماز قائم نہ ہوگی ۔ ۱۔ نماز پڑھنا ضروری ہے ۔ ۲۔ پڑھی ہوئی نماز کو بچانا ضروری ہے ۔ تو نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ نماز کو خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھا کرو۔ یہی نہیں کہ ارکان نماز ادا کرلیئے بلکہ نماز کو اس طریقے سے ادا کرو۔ جیسے نماز ادا کرنے کا حق ہے ۔۔۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز اس طرح پڑھو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو ۔ اگر تمہارے پاس یہ کوالٹی نہیں ۔ تمہارے پاس یہ اہلیت نہیں ہے تو یوں پڑھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ جب بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہو تو اس انداز کے ساتھ جیسے کوئی مجرم کسی حاکم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے ۔ تب خشوع و خضوع حاصل ہوسکتا ہے ۔ [illegible] نماز کو بچانا کیسے ہے ۔۔۔ جب نماز پڑھ لی تو اس کو بچانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ سے اور اُن کے تمام پیاروں سے محبت کریں ۔ اگر کوئی نماز پڑھے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا ارتکاب کرے ۔ تو اس کی نماز برباد ہو جائے گی ۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم حضور سے محبت کریں ۔ ہم حضور ﷺ کی اطاعت کریں ۔ حضور ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی پیروی کریں اگر ہم نے حضور کی اتباع کرلی تو ہم پڑھی ہوئی نمازوں کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی پورا کردیں گے واقیموا الصلوٰۃ ۔۔۔ بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی نہ کی جائے ۔ آج کچھ لوگ ایسے ہیں ۔ جو نمازیں بہت پڑھتے ہیں سجدے بہت کرتے ہیں رکوع بہت کرتے ہیں ۔ لیکن نبی پاک کی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ ایسے لوگ نماز قائم نہیں کرسکتے ۔ ان کی نمازیں ابلیس کی مثل برباد ہو جائیں گی ۔ جو نمازیں تو پڑھتا تھا لیکن تعظیم نبی نہ کرسکا ۔ لہٰذا اُس کی نمازیں ختم ہوگئیں اور قائم نہ ہوسکیں ۔۔۔

۱۔ نماز آنکھوں کا نور ہے ۔ ۲۔ نماز دل کا سرور ہے ۔ ۳۔ نماز عبادتِ خدا ہے ۔ ۴۔ نماز اطاعت مصطفیٰ ہے ۔ ۵۔ نماز اللہ کی محبت ہے ۔ ۶۔ نماز حضور کی عنایت ہے ۔ ۷۔ نماز کلمہ کے بعد رکن دین ہے ۔ ۸۔ نماز بندگی کا قرینہ ہے ۔ نماز جنت کا زینہ ہے ۹ نماز نجات کا پروانہ ہے ۔ ۱۰۔ نماز رحمت کا خزانہ ہے ۔ ۱۱۔ نماز عبادت کی لذت ہے ۔ ۱۲۔ نماز قبر کا سراج ہے ۔ ۱۳۔ نماز ایک چمکتا ہوا ستارا ہے ۔ ۱۴۔ نماز پل صراط میں سہارا ہے ۔ ۱۵۔ نماز مومن کی رفعت ہے ۔ ۱۶۔ نماز باعثِ برکت ہے ۔ ۱۷۔ نماز رضائے محمد ﷺ ہے ۔ ۱۸۔ نماز عطائے محمدی ہے ۔ ۱۹۔ نماز نوائے اسلام ہے ۔ ۲۰۔ نماز صدائے اسلام ہے

۲۱۔ نماز ثواب کا ذریعہ ہے۔ ۲۲۔ نماز فلاح دارین ہے۔ ۲۳۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ ۲۴۔ نماز ہر مرض کی شفا ہے۔ (۱) نماز کی برکت۔ ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی خواہش اس عورت پر ظاہر کر دی ——— وہ عورت بڑی پرہیزگار تھی۔ اس عورت نے تمام واقعہ اپنے خاوند کو بتا دیا۔ خاوند نے کہا اب اگر ملے تو اسے کہنا میں تیرا حکم ماننے کو تیار ہوں۔ مگر اس کے لیے ایک شرط ہے کہ چالیس دن نمازیں میرے شوہر کے پیچھے بلاناغہ پڑھے۔ کچھ دنوں بعد وہ عاشق ملا۔ تو اس عورت نے کہا۔ عاشق نے سنا تو اس کی بات ماننے کیلئے تیار ہو گیا۔ اور کمر بستہ ہو کر اس عورت کے خاوند کے پیچھے نمازیں پڑھنے لگا۔ جب چالیس دن نمازیں پڑھ چکا۔ اور نماز پر کاربند ہو گیا۔ تو معشوقہ نے اپنی طرف بلایا۔ تو اس شخص نے کہا۔ اب میری ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے کہ میں اب تمام گناہوں سے تائب ہو چکا ہوں۔ عورت نے جب ساری بات اپنے خاوند کو بتائی۔ تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر ۔

(۲) شہر کوفہ میں ایک قلی رہا کرتا تھا۔ لوگوں کو اس قلی پر مکمل اعتماد تھا۔ اور یہ شخص انتہائی امین تھا۔ لوگوں کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچاتا تھا۔ وہ ایک دفعہ سفر پر تھا راستے میں ایک شخص ملا۔ اس نے قلی سے پوچھا۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ قلی نے کہا فلاں شہر کا۔ وہ کہنے لگا مجھے بھی اس شہر جانا ہے میں چل نہیں سکتا۔ ایک دینار لے لو۔ اور مجھے خچر پر سوار کر لو۔ قلی نے بات مان لی۔ اور اسے اپنے خچر پر سوار کر لیا۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے۔ جہاں سے دو راستے نکلتے تھے۔ اس سوار نے پوچھا کس راستے سے جانا ہے قلی نے اپنا راستہ بتایا۔ سوار نے کہا۔ دوسرا راستہ قریب ہے۔ اور سواری کی سہولت بھی ہے۔ سواری کیلئے گھاس بھی چارہ بھی مل جاتا ہے۔ میں اس راستے پر بارہا چلا ہوں۔ قلی نے اس کی بات مان لی۔ اور دونوں اس راستے پر چل پڑے۔ تھوڑی دور جا کر سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور وحشت ناک جنگل آ گیا جہاں بہت سے مردوں کے سر پڑے تھے۔ اب وہ سوار اس سواری سے نیچے اترا۔ اور خنجر نکال کر کہنے لگا۔ تیار ہو جا میں تمہیں قتل کروں گا۔ قلی نے کہا۔ مجھے قتل نہ کرو۔ بلکہ یہ خچر اور سامان لے لو۔ وہ کم بخت نہ مانا۔ اور کہنے لگا میں نے قسم کھائی ہے۔ پہلے تجھے قتل کروں گا۔ پھر سامان لوں گا۔ قلی نے کہا۔ اچھا مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ پھر جو کرنا ہے کر لینا۔ وہ ظالم اس بات پر راضی ہو گیا۔ اب وہ قلی نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ اب قلی کی زبان سے الحمد شریف کے بعد یہ آیت جاری ہوئی امن یجیب المضطر اذا دعاہ۔ اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اچانک سوار نمودار ہوا۔ جس کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر لوہے کی ٹوپی تھی۔ اس

سوار نے اس ظالم کو تلوار مار کر ہلاک کر دیا۔ اور مرنے کے بعد جہاں اس ظالم کی لاش گری تھی وہاں سے آگ
کے شعلے اٹھنے لگے۔ تل نماز ختم کر کے اس سوار کی طرف دوڑا۔ اور پوچھا خدا کے بندے یہ بتاؤ تم کون ہو
اس نے جواب دیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور اب تیرے لئے امن و سکون ہے۔ جہاں تمہارا دل چاہے تم جا سکتے
ہو۔ (نزہۃ المجالس) ہمیں چاہیئے کہ ہم نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔ کہ جس باقاعدگی سے کھانا کھاتے
ہیں۔ اگر ایک وقت کھانا نہ کھایا جائے۔ تو پریشانی ہوتی ہے۔ دو وقت نہ کھایا جائے تو کمزوری ہو
جاتی ہے۔ نماز نہ پڑھنے سے روح کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کی روح نماز نہ پڑھنے سے بے چین نہیں
ہوتی۔ تو سمجھ لو۔ اس میں ایمان کی کمی واقع ہو چکی ہے۔ آج مسلمان جیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔
اس کی اصل وجہ یہی ہے۔ کہ ہمارے ایمان کمزور ہو چکے ہیں۔ اگر آج بھی مسلمان اپنے ایمان کو مضبوط کر لیں
تو آج بھی دنیا کی کوئی طاقت ہمیں خوفزدہ نہیں کر سکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اور اس کا میں نے اپنے لئے عہد کیا
ہے۔ کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کو اپنے وقت میں ادا کریگا۔ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو
ان نمازوں کا اہتمام نہیں کریگا۔ مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ ابو داؤد شریف جلد اول ص ۲۸
عزیزان گرامی۔ اسلام کی علامت نماز ہے۔ نماز افضل جہاد ہے۔ ۲۔ جب آدمی نماز میں داخل ہوتا
ہے۔ تو حق تعالیٰ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ جب آدمی نماز سے ہٹ جاتا ہے۔ تو وہ بھی توجہ
ہٹا لیتے ہیں۔ جب کوئی آفت آسمان سے اترتی ہے۔ تو مسجد کو آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔
اگر آدمی کسی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے۔ تو جہنم کی آگ سجدے کی جگہ پیشانی کو نہیں کھاتی۔ اللہ نے
سجدہ کی جگہ کو آگ پر حرام فرما دیا ہے۔ —— اللہ کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ
پسندیدہ یہ ہے۔ کہ اس کو سجدہ میں پڑے ہوئے دیکھے۔ کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہے۔
اللہ کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے۔ —— زمین کے جس حصہ پر نماز
کے ذریعے اللہ کی یاد کی جاتی ہے۔ وہ حصہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے —— جب تک مسلمان
پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ شیطان اس سے ڈرتا ہے۔ سب سے افضل عمل اول وقت میں نماز
ادا کرنا ہے۔ نماز پرستش کی قربانی ہے —— نماز کو نہ پڑھنا کتنا گناہ ہے۔ اس واقعہ سے
اندازہ لگائیں۔ بنی اسرائیل کی ایک عورت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر
ہوئی۔ عرض کرنے لگی۔ یا نبی اللہ میں نے ایک گناہ کیا ہے۔ اور میں توبہ کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔

کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ کو بخش دے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے گناہ دریافت کیا تو عورت نے بتایا۔ کہ مجھ سے زنا ہو گیا ہے ۔ اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا ۔ جس کو میں نے قتل کر دیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض ہو کر فرمایا اے بدکار عورت یہاں سے نکل جا کہیں تیری نحوست کی وجہ سے ہم سب پر آسمان سے آگ نازل نہ ہو جو ہمیں جلا ڈالے ۔ عورت شرمندہ اور رنجیدہ ہو کر چلی گئی ۔ اتنے میں حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور کہا ۔ اے موسیٰ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ تو نے ایک توبہ کرنے والی عورت کو کیوں نکال دیا ۔ کیا تو نے اس برے شخص کو نہیں دیکھا ۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ برا کون ہے ۔ فرمایا جو قصداً نماز چھوڑ دیتا ہے ۔ (نزہۃ المجالس جلد ا صفحہ ۱۱۲)

عزیزان گرامی نماز کی اہمیت اسلام میں ایسی ہے جیسے زندہ انسان کیلئے دل کی ہے ۔ ہمیں چاہیے ۔ کہ ہم پانچ وقت نماز ادا کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی اس پر عمل پیرا کرائیں ۔ بچے اگر نماز نہ پڑھیں تو ان پر سختی کر کے ان سے نماز پڑھائیں کیونکہ اس میں ہماری نجات ہے ۔ (خواتین کی محفل مسیلہ دعوت ۵۱ تا ۵۴۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ نماز اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی خوشنودی ۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت معرفت کی نور ۔ ایمان کی اصل ۔ دعا اور اعمال کی قبولیت ۔ رزق کی برکت ۔ بدن کا سکون ۔ دشمن کیلئے اسلحہ ۔ شیطان سے نفرت ۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کو ملانے والی ۔ قبر کا چراغ ۔ اس کے پہلو کیلئے بستر ۔ منکر نکیر کا جواب ۔ اور قیامت تک قبر میں مونس و غمخوار اور زیارت کرنے والی ہے ۔ جب قیامت کا دن ہو گا تو نماز نمازی کے سر پر سایہ فگن ہو گی ۔ سر کا تاج ۔ بدن کا لباس ۔ آگے آگے چلنے والا نور ۔ اس کے اور جہنم کے درمیان پردہ ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مومن کی حجت ۔ ترازو کا وزن ۔ پل صراط سے گزرنے کا واسطہ ۔ اور جنت کی چابی بن جائے گی ۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۱۸)

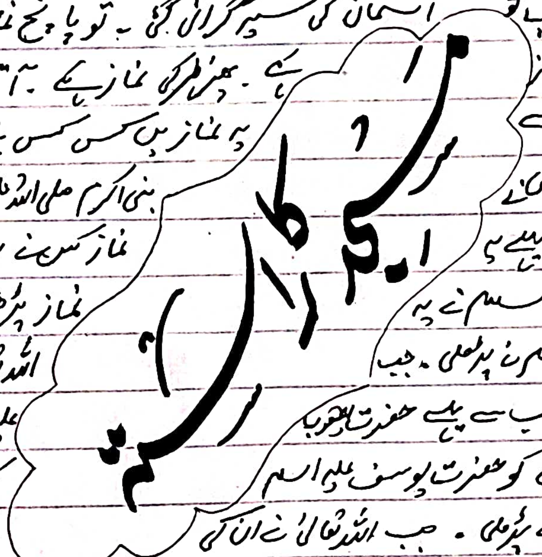
ـــــ

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Pakpattan

10 — 12 — 2
بروز اتوار وقت : 1 PM

بسم اللہ الرحمن الرحیم وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ اور آپ صبح و شام اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت پاک میں نماز کا تذکرہ فرمایا ہے ۔ ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے تو نمازیں فرض ہوئیں اور آپ نے ان کے پڑھنے کا حکم فرمایا ۔ وہ فجر اور مغرب کی نمازیں ہیں ۔ آپ دو رکعتیں صبح پڑھتے اور دو شام کی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ یہاں تک کہ شب معراج آپ کو آسمان کی سیر کرائی گئی ۔ تو پانچ نمازیں فرض ہوئیں ۔ فجر کی نماز دن کی سب سے پہلی نماز ہے ۔ ظہر کی نماز ہے ۔ آپ علیہ السلام نے بیان فرمایا نمازوں کی ترتیب کو کہ سب سے یہ نمازیں کس کس نبی نے ادا فرمائی ۔ بعض روایات میں ہے ۔ کہ ایک انصاری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز کے بارے میں سوال کیا ۔ کہ سب سے پہلے یہ نماز کس نے پڑھی تھی ۔ آپ نے فرمایا سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ نماز پڑھی ہے ۔ ظہر کی نماز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی ۔ جب اللہ تعالیٰ نے نمرود کی آگ سے نجات عطا فرمائی ۔ عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے پڑھی ۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر دی ۔ مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے پڑھی ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عشاء کی نماز سب سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا ۔ غرض یہ کہ یہ پانچ نمازیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں ۔ لہٰذا ان کو باجماعت ادا کرنا چاہیے (غنیہ ص ۶۰۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ ۔ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو ۔ اور وہ روزانہ اس سے پانچ مرتبہ غسل کرے ۔ تو کیا اس کے جسم پر میل باقی رہتی ہے ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ پانچ نمازوں کی یہی مثال ان کے ذریعے خطائیں مٹا دیتا ہے ۔ ——— عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ۔ لوگ گناہوں کی آگ میں جلتے ہیں ۔ جب صبح کی نماز پڑھتے ہیں ۔ تو نماز پہلے کے گناہوں کو دھو ڈالتی ہے ۔ یہاں تک کہ آپ نے پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا ۔ (نماز سے نماز کا ذکر

(۱) مسجد کی طرف آنا ۔ حضرت نافع ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ وہ فرماتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز باجماعت اکیلے تنہا نماز میں ۲۷ درجوں کا فرق ہے ۔ ——— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم



نے ارشاد فرمایا۔ جب بندہ وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھتا ہے۔ اس سے ایک برائی مٹاتا ہے۔ اور ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ اور اس کے آنے سے اللہ تعالیٰ خوش اس طرح ہوتا ہے۔ جس طرح مدت دراز سے ایک آدمی سفر پر رہنے کے بعد گھر آ جائے تو گھر والے خوش ہوتے ہیں ـــ ۳ ـ حضرت ابو عثمان حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ جس نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر میرے کسی گھر (مسجد) میں میری زیارت کی۔ اور میری زیارت کیلئے آیا۔ تو میں اس کی عزت افزائی کرتا ہوں۔ کیونکہ گھر والے کے لئے ضروری ہے۔ کہ آنے والے کی عزت کرے ـــ ۴ ـ حضرت سالم بن عبداللہؓ وہ حضرت عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے والوں کو قیامت کے دن مکمل نور کی بشارت دیجئے ـــ (۵) حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے ـــ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ جو لوگ رات کے اندھیرے میں مساجد کی طرف جاتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو روشنی عطا فرمائے گا ـــ (۶) حضرت انس بن مالکؓ ـــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص صبح کی نماز با جماعت ادا کرے۔ اسے مقبول حج اور عمرے کا ثواب عطا فرماتا ہے ـــ جو ظہر کی نماز ادا کرے۔ اس کے لیے اس جیسے ۲۵ نمازوں کا ثواب ہے۔ اور جنت الفردوس میں ۷۰ درجات عطا ہوں گے ـــ عصر کی نماز ادا کرے۔ پھر سورج غروب ہونے تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے۔ گویا اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام آزاد کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بارہ ہزار مزید ہوں گے۔ مغرب کی نماز ۲۵ درجے اور جنت عدن میں ۷۰ درجے عطا کیے جاتے ہیں۔ جو شخص عشاء کی نماز ادا کرے۔ گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا

(غنیۃ الطالبین ص 619)

-۰-

Abbas

۱۰-۱۲-۲۰۰۷

بروز اتوار ۵:۰۰ PM

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami Distt-Teh. Pakpattan

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الم ذلک الکتاب لاریب فیہ ـــــ ھم المفلحون ۔ پ ا ا-۴ ۔ انسان یہ چاہتا ہے ۔ کہ اس کی آخرت بہتر ہو ۔ اس کے لیئے ضروری ہے کہ انسان اس راستے پر گامزن ہو ۔ جسے پروردگار نے راہ ہدایت قرار دیا ہے ۔ پھر اس راستے پر چلنے سے اسے فلاح یعنی کامیابی حاصل ہوگی ۔ اور کامیابی یہ ہے ۔ کہ روز حشر اسے اپنی رحمت خاص میں جگہ عنایت کردے ۔ لہٰذا یہ تمام مراحل حصولِ آخرت کے زمرے میں شامل ہیں ۔ اور یہ نماز ہی سے حاصل ہوتے ہیں (۱) نمازیوں کے لیئے فلاح ـ نماز پڑھنے والوں کیلئے فلاح ہے ۔ فلاح کا مطلب کامیابی ہے ۔ کامیابی خواہ دنیوی ہو یا اخروی ہو ۔ اس کے لیئے فلاح کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ لیکن قرآن میں فلاح کا لفظ زیادہ تر ان لوگوں کے لیئے استعمال ہوا ہے ۔ جو آخرت میں کامیابی پائیں گے ۔ جن کے لیئے آخرت میں فلاح ہے ۔ ان کی کچھ خصوصیات بھی بیان ہوئی ہیں ۔ ان خصوصیات میں ایک خصوصیت نماز پڑھنا بھی ہے ۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ الم ذلک الکتاب ـــــ المفلحون ۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے ۔ کہ متقین کو آخرت میں فلاح یعنی کامیابی حاصل ہوگی ۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے ۔ کہ متقین وہ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہی فلاح کا راستہ ہے ۔ نماز انسان کو زندگی کی ایسی راہ پر گامزن کرتی ہے کہ جس سے انسان دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہو جاتا ہے ۔ سنی فضائل اعمال ص ۷۸ انسان کی نماز سے جب اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ عنایات و نوازشات کی برسات فرماتا ہے ۔ انسان جب ہر روز اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ اس اپنے بندے کا ذکر فرشتوں میں کرتا ہے ۔ کہ یہ میرا بندہ کتنا معزز ہے ۔ کہ میری حمد و ثنا کرتا ہے ۔ نمازی سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ۔ کیونکہ نمازی دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ کر اللہ ہی سے محبت کرتا ہے ۔ نماز کی وجہ سے انسان کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتا ہے ۔ رزق میں برکت ~~مال میں برکت ۔ گویا کہ ہر چیز~~ کی کمی اللہ تعالیٰ رہنے نہیں دیتا نمازی کی دعا بارگاہ الٰہی میں منظور و قبول ہوتی ہے ۔ الیضاً ص ۸۶

حصولِ آخرت

نماز اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیئے ایک ایسا عظیم تحفہ دیا ہے (۲) گناہ کی مغفرت نماز گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے ۔ کیونکہ گناہ کا سرزد ہونا ہماری فطرت کا خاصا ہے ۔ مگر اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے بھی اسباب پیدا فرماتا ہے ۔ نماز پڑھنے سے انسان کے اکثر گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ۔ حضور علیہ السلام کا زبان

رہا ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں۔ کہ میں حضرت ابو امامہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ مجھ سے ایک صاحب نے آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ کہ آپ نے نبی اکرم ؐ سے یہ ارشاد سنا ہے۔ جو شخص اچھی طرح وضو کرے۔ اور پھر نماز پڑھے۔ تو حق تعالیٰ اس دن کے وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں۔ اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو۔ اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے صادر ہوئے ہوں۔ اور وہ گناہ جن کو اس کی آنکھوں نے کیا ہو۔ اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں۔ سب کو معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے یہ مضمون نبی اکرم ؐ سے کئی دفعہ سنا ہے (۱) اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ انسان جان بوجھ کر خطائیں کرے۔ اور پھر خیال کرے۔ کہ نماز تو میں نے پڑھ ہی لینی ہے۔ جس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ نماز میں نیت کا عمل دخل ہے۔ اس لیئے عمداً اور فخر سے کیے جانے والے گناہوں سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ میری عبادت مقبول ہوئی ہے یا نہیں۔ ہماری عبادت جیسی ہوتی ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول فرمالیں تو یہ اللہ کی خاص کرم نوازی ہے ـــــ ایضاً ص ۹۶ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے ہی برگزیدہ بندے گزرے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت خاص سے نوازا۔ ان محبوب ہستیوں نے اللہ تعالیٰ کی بے حد عبادت کی۔ ان کی نماز میں بے پناہ محویت۔ خشوع و خضوع تھا۔ (۲) رسول خدا کی نماز۔

رسول اکرم ؐ اعلان نبوت سے پہلے بھی غار حرا میں کافی عرصہ عبادت الٰہی میں مصروف رہے مگر جب آپ نے اعلان رسالت فرمایا۔ تو آپ کو نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا۔ نماز کا حکم ملتے ہی آپ اس پر کاربند ہو گئے۔ شروع شروع میں آپ چھپ کر نماز ادا فرمایا کرتے۔ سرکار کی نماز مثالی نماز ہے۔ آپ کی نماز میں حد درجے کی محویت تھی۔ کہ آپ کا نماز پڑھنا ہر طرح سے کامل تھا۔ بعض اوقات آپ نفل نمازوں میں خشیت الٰہی سے اشکبار ہو جاتے۔ اور نماز میں آپ اللہ تعالیٰ کی محبت سے متوجہ ہوتے کہ دنیا کے ہر خیال سے بے نیاز ہو جاتے۔ اور حالت نماز میں آپ بارگاہ رب العزت کے بالکل قریب ہو جاتے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ جیسی کامل اور مقبول نماز نہ کوئی پڑھ سکا۔ اور نہ ہی کوئی پڑھ سکے گا ـــــ آغاز نبوت میں آپ رات کے وقت نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ اور شروع میں آپ پر نماز تہجد فرض تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد صبح و شام آپ نے دو دو رکعتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں ہوا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح و شام اپنے پروردگار کا نام یاد کرو۔ (۱) پاؤں پر ورم اور رفعا۔ عائشہ کی حدیث۔ بلال نے صبح کی اذان۔ نماز کی سہولت میں کا فرض نے ادھر ڈال دیا ـــــ (۲) غزوہ بدر میں ساری رات عبادت۔ باقی شخص سوتے رہے حضرت علی

ـــــ ایضاً ص ۱۱۱

نماز ذریعہ ہدایت

بسم اللہ الرحمن الرحیم - اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ۝ (پ۱۰ التوبہ ۸) اللہ کی مسجدوں کو تو بس وہی شخص آباد کرتا ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔ اور اس نے نماز کو قائم رکھا۔ اور زکوٰۃ دیتا۔ سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈرا۔ تو امید ہے کہ ایسے ہی لوگ ہدایت پانے والوں میں ہوں گے

نماز ہدایت کی علامت ہے۔ اور ہدایت کا مطلب سیدھی راہ پر چلنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کی ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے جس سے مراد وہ فطری راستہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے بقائے حیات کیلئے ضروری قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل و دانش آیات آفاقیہ پیغمبرانِ حق اور صحف سماوی کے ذریعے انسان کو ہدایت عطا کی ہے۔ اور یہ ہدایت دین اسلام کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ جو شخص اس پر عمل پیرا ہوگا۔ وہی ہدایت یافتہ کہلائے گا۔ قرآن مجید میں ان تمام عقائد اعمال اور معاملات کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ جن پر عمل پیرا ہونا ہدایت کی نشانی ہے اعمال میں ایک عبادت کا عمل نماز ہے۔ جس کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ نماز پڑھنے والے ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ (پ۱۰ - توبہ ۸) ظاہر ہے کہ جو لوگ نماز پڑھیں گے۔ وہی مساجد کو آباد کریں گے۔ اور اس فعل کو علامت ہدایت قرار دیا گیا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے والا دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو۔ پھر آقا علیہ السلام نے مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی ___ پھر فرمایا۔ کہ اللہ کی مساجد کو آباد کرنے والے نمازی ہی اللہ کے خصوصی بندے ہیں ___ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نمازیوں کو دیکھ کر پوری قوم سے عذاب کو ہٹا لیتا ہے۔ ۲ - روایت میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے۔ کہ جب میں کسی لوگوں کی وجہ سے زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں۔ تو لوگوں کا گھروں کو یادِ الٰہی سے آباد کرنا اور میرے لئے آپس میں محبت کرنا اور سحری کے وقت گڑگڑا کر استغفار کرنا دیکھ کر اپنا عذاب ہٹا لیتا ہوں ___ ایک صحابی کا قول ہے کہ مسجدیں اس زمین پر خدا کا گھر ہیں اور جو وہاں آئے اس کی عزت کرو۔ لہٰذا صاحب ایمان ہونے کے ساتھ ہی سب سے پہلا فریضہ نماز ہے۔ اور جو نماز قائم کر لیتا ہے۔ وہی ہدایت یافتہ اور کامیاب ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے۔ کہ نماز قائم کرنے وال

اور زکوٰۃ دینے والے اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہی ہدایت یافتہ مومن ہیں۔ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ پ ۱۹ النمل ۱-۳۔ یہ قرآن اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ مومنوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں —— سنی فضائل اعمال علامہ شفیق ص ۷۹

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضؓ — نماز کو قائم کرنے والے اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی گزرے ہیں جو ہدایت کے راستے پر تھے اور ان کی نماز پڑھنا سارے امت کے لئے نمونہ عمل ہیں۔ ان نمازیوں میں حضرت ابوبکر صدیق کا بھی نام آتا ہے۔ آپ ابتدائی زمانہ میں بھی اس عشق و محبت کے ساتھ نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے کہ قریش کے بیوی بچے متاثر ہو کر آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور قریش کو اندیشہ ہوتا۔ کہ کہیں ان کے متعلقین اپنے دین سے منحرف نہ ہو جائیں۔ اس لئے آپ کو نماز پڑھنے سے روکتے۔ اور اذیت پہنچاتے —— حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنی نماز اور تلاوت اس درجہ عزیز تھی۔ کہ آپ نے قریش کے مظالم سے تنگ آکر مکہ سے حبشہ کو ہجرت کرنے کے لئے سوچا۔ مگر آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ نماز اور تلاوت ترک کر دیں۔ آپ آنحضورؐ سے اجازت لے کر حبشہ جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں قارہ کے رئیس ابن دغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ آپ کو مکہ واپس لایا۔ اور آپ کے فضائل بیان کر کے قریش کو ملامت کی۔ کہ تم نے ایسے شریف اور نیک دل انسان کو ترک وطن پر مجبور کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ابن دغنہ نے اعلان کر دیا۔ کہ ابوبکر میری امان میں ہیں۔ قریش نے اس شرط پر امان قبول کر لی۔ کہ حضرت ابوبکر کھلے طور پر نماز اور قرآن نہ پڑھیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے دروازہ پر ایک مسجد بنائی اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے۔ اب پھر وہی حال تھا۔ کہ آپ نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے تو قریش کے بیوی بچے فرط اثر سے کھینچ کر آپ کے پاس جمع ہو جاتے۔ قریش نے ابن دغنہ سے شکایت کی۔ کہ ابوبکر نے اپنے دروازے پر مسجد بنائی ہے۔ اس میں بلند آواز سے نماز اور قرآن پڑھتے ہیں۔ ہمیں اپنے متعلقین کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یا تو ابوبکر شرائط کی پابندی کریں یا پھر تم ان کی ذمہ داری سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ تو آپ نے جواب دیا تم میری حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہو۔ میں اللہ کی حفاظت میں راضی اور خوش ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا نماز کے ساتھ یہ ذوق تمام عمر قائم رہا۔ اکثر دن کو روزے رکھتے۔ اور راتیں نماز میں گزارتے خشوع و خضوع کا یہ حال تھا۔ کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ روتے اتنے کہ ہچکی بندھ جاتی (ایضاً ص ۱۲۱)

۱۳-۱۲-۲۰۰۷ —— ۵ ——

نمازیوں کیلئے بشارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ۝ پ الحج ۳۴-۳۵ - اور عاجزی کرنے والوں کیلئے بشارت ہے۔ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا
ہے۔ تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور ان تکلیفوں میں صبر کرنے والوں کو اور نماز کے قائم رکھنے والوں کو
ان کو جو اس مال میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں —— نمازیوں کیلئے اللہ کی طرف سے
نیک انجام کی بشارت ہے۔ یہ بشارت موت کے بعد راحت پانے کی صورت میں ہوگی۔ کیونکہ جو شخص
نماز پڑھتا ہے۔ وہ اس کی بدولت روز آخرت کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ تو اس کے اس فعل پر اللہ
تعالیٰ نے قرآن مجید کی ان آیات مقدسہ پر خوشخبری دی کہ نماز پڑھنے والو گھبراؤ نہیں تمہارا انجام بخیر ہوگا
فضائل اعمال ص ۸۱ گناہ انسان کی دنیا اور آخرت میں تباہی کا سامان ہے۔ بعض انسان کے نامہ اعمال
کا گناہوں سے بھرا ہونا بہت خطرناک ہے۔ عبادت الٰہی اور نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ عبادت میں نماز کو ایک
بلند مقام حاصل ہے۔ بعض فرض نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔ بلکہ نمازیں پڑھنے سے انسان کے گناہ
اس کے نامہ اعمال سے ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ اور انسان کے گناہ اس طرح ختم ہو جاتے ہیں۔ جس طرح
سردیوں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں —— حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
موسم سرما میں باہر نکلے اور درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر انہیں
ہلایا پتے ان سے جھڑنے لگے گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر میں نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول۔ فرمایا۔
مسلمان بندہ البتہ نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ کرتا ہے۔ اس سے گناہ گر جاتے ہیں
جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔ (احمد) نماز پڑھنے کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ نمازی
کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس حدیث پاک میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ سردی کے موسم میں درختوں کے پتے
اتنی کثرت سے گرتے ہیں۔ کہ موسم خزاں کے آخر میں درختوں پر ایک پتہ تک نہیں رہتا۔ تو ایسے ہی جو
شخص اخلاص اور توجہ سے نماز پڑھتا ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایضاً ص ۹۲ حضرت ابو
ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اکرمؐ نے پانچ نمازیں اور جمعہ سے لے کر جمعہ تک اور رمضان تا رمضان
ان گناہوں کا کفارہ ہیں۔ جو ان کے درمیان ہوتے ہیں۔ جب کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ (مسلم)
یہ انسانوں پر اللہ کا کتنا کرم ہے۔ اور احسان ہے۔ کہ انسان نماز ادا کریں۔ جو ان کے ذمے فرض ہے۔ مگر

عوض میں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرتا چلا جائے۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت اللہ کے اس احسان عظیم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ حضرات گرامی ہماری عبادات اور نیکیاں کیے ہوئے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں۔ اور نیکیوں کی کثرت کے باعث گناہوں کو نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ اگر تم ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے۔ بچو تو چھوٹے گناہوں کو ہم تم سے دور کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جو شخص گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ ایسے ہی ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ دن کے دونوں اطراف میں اور رات کے وقت نماز کو قائم کرو۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا ڈالتی ہیں۔ یعنی نماز انسان کے گناہوں کو ختم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ایضاً ص ۹۲ اللہ کے محبوب نمازیوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام بھی آتا ہے۔ بڑے بارعب جلیل القدر صحابی رسول تھے۔ ان کی نماز کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ آپ رات بھر جاگ کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے جب صبح ہوتی تو اپنے گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے۔ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا طٰہٰ ۲۰-۱۳۲ - اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو۔ اور خود بھی اس پر جمے رہو آپ نماز میں ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر یا خدا کی عظمت و جلالت کا بیان ہوتا۔ اور ان چیزوں سے آپ اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی ایضاً ۱۲۲ — حضرت عثمان غنی دنیاوی معاملات میں توجہ دینے کے باوجود بڑی انکساری اور خضوع سے نماز پڑھتے۔ جب آپ نماز میں ہوتے تو دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے۔ عبد الرحمن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ کہ میں نے ایک رات مقام ابراہیم کے نزدیک حضرت عثمان کو دیکھا۔ آپ آگے بڑھے۔ اور سارا قرآن ایک رکعت میں پڑھا۔ محمد بن سیرین کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ساری رات عبادت کرتے۔ پس قرآن کو ایک رکعت میں ختم کر دیتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا۔ تو حضرت عثمان کی بیوی نے کہا۔ تم نے ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے۔ کہ جو ساری رات ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ ان روایات سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عثمان کو نماز سے خصوصی دلچسپی تھی۔ لہٰذا آپ پوری توجہ سے نماز ادا کرتے تھے۔ عزیزانِ گرامی یہ وہ نمازی تھے جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہوں گے۔ اور یہ ہیں لاکھوں بار۔ پر پیارے محبوب کی امت کے نمازی ہیں۔ ان کی نماز پڑھی کتنی حسین و جمیل ہے۔ ایضاً ص ۱۲۵ —

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ (النساء ۱۶۲ پ ۶) لیکن ان میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں ۔ اور مومن اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ جو تیری طرف اتارا گیا ہے ۔ اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے ۔ اور نمازیں پڑھتے ہیں ۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ اور اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں ۔ وہی ہیں ۔ جن کو ہم عنقریب بہت ہی بڑا ثواب دیں گے ۔ نمازیوں کے لئے آخرت میں اجر عظیم ہے ۔ اجر کے معنی اچھی جزا کے ہیں ۔ خواہ وہ جزا دنیاوی نعمتوں کی صورت میں ہو ۔ یا آخرت میں خواہ جنت کی صورت میں ہو ۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ کے اجر کی عنایت بہت بہتر صورت میں ہوتی ہے ۔ لیکن اس اجر عظیم کیلئے ایمان اور عمل صالح بنیاد ہے ۔ ان آیات میں دونوں باتوں کی وضاحت کی گئی ہے ۔ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا ۔ پہلی بات تو ایمان ہے ۔ اور دوسری بات نیک اعمال ہیں ۔ اور ان اعمال میں سے ایک نیک عمل نماز بھی ہے ۔ لہٰذا جو لوگ نماز قائم کریں گے ۔ انہیں ضرور اجر عظیم ملے گا ۔ نسخہ فضائل اعمال ص ۸۲ = نماز حصول مغفرت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔ کیونکہ ہمارے مذہب دین اسلام میں ثواب اور گناہ کا تصور پایا جاتا ہے ۔ نیک اور صالح اعمال کے اجر کو ثواب کہتے ہیں ۔ برائی اور بدی کو گناہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ نماز پڑھنے سے خیالات پر شدید اثر ہوتا ہے ۔ اور انسان کی توجہ برائیوں سے ہٹ کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے ۔ جوں جوں انسان نمازی ہو جاتا ہے ۔ برائی خود بخود اس کی ... سے دور ہوتی چلی جاتی ہے ۔ اسی طرح انسان بے شمار گناہوں سے بچ جاتا ہے ۔ نماز کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نمازیوں کے گناہ معاف فرماتا رہتا ہے ۔ اور اس کے بارے میں حضور نبی اکرم ؐ کا فرمان ہوتا ہے ۔ ... معاف ہو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ۔ کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا ۔ کہ ... جاتے ہیں یعنی پانچ نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں ۔ جو ان کے درمیان ... نماز فجر کے بعد جب ہوئے ہوں ۔ جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا ہو ... ظہر ادا کی جائے گی ۔ تو ... اس حدیث پاک سے معلوم ہوا ۔ کہ پانچوں نمازیں ... نمازوں کے درمیانی وقت میں کے درمیان میں نادانستہ کئے ہوئے گناہ نماز کی بدولت ... ہونے والی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ معاف

نمازیوں سے [illegible] اجر عظیم کا وعدہ

زیادہ دے گا۔ ایسے ہی دوسری نماز بھی گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہیں۔ ایضاً صہ ۹۱

(۱) نماز پڑھنے سے گناہ کی معافی کا ایک واقعہ ۔ نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ گناہوں کی معافی کیلئے توبہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ علماء فرماتے ہیں۔ کہ گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ البتہ صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سرکار دو عالم کے ظاہری زمانہ پاک میں ایک آدمی سے ایک گناہ ہو گیا اور وہ آپ کے پاس آیا۔ اور سارا معاملہ بتا دیا۔ آپ نے اُسے حکم دیا۔ کہ نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں مسلم شریف کی ایک حدیث آتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرماتے ہیں۔ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے مدینہ کے کنارے میں ایک عورت کو گلے لگا لیا۔ اور زنا کی حد تک نہ پہنچا۔ تو میں یہ ہوں۔ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اللہ نے تیری پردہ پوشی کی تھی۔ کاش کہ تو بھی اپنے پر پردہ پوشی کرتا۔ فرماتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ وہ کھڑا ہو کر چل دیا۔ اس کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا اسے بلایا۔ اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ نماز قائم کرو۔ دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں یقیناً نیکیاں گناہ مٹا دیتی ہیں۔ یہ ماننے والے کے لئے نصیحت ہے۔ قوم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ اسی کے لئے ہے۔ فرمایا سارے لوگوں کے لئے (مسلم) ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر وہ خفیہ گناہ کی توبہ بھی خفیہ کر لیتا تو اچھا تھا۔ کیونکہ چھپے گناہ اعلان کرنا بُرا ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ چھپ کر کرے اور علانیہ کی توبہ علانیہ کرے۔ دوسرے یہ کہ حضور انور پر اپنے گناہ ظاہر کرنا گناہ نہیں۔ بیمار اپنی بیماری طبیب پر ظاہر کرتا ہے۔ علاج کر لیئے۔ اس لئے حضورؐ نے ان پر ملامت نہ فرمائی۔ کہ تو نے اپنا گناہ کیوں ظاہر کیا۔ ـــــ صحابی کا چل دینا کیا گئے کہ انہیں تھا۔ بلکہ وہ سمجھے کہ شاید میرے بارے میں کوئی آیت کریمہ آئے گی۔ تب مجھے بلا کر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر معافی ہو گئی شکر کروں گا۔ سزا تجویز ہو گی تو برداشت کر لوں گا۔ لہٰذا ان صاحب پر یہ اعتراض نہیں۔ کہ حضور سے بغیر پوچھے کیوں چل دیئے۔ کیونکہ یہ کام منع جب ہے۔ جب لوٹنے کا ارادہ نہ ہو۔ جیسے اذان کے بعد مسجد سے نکلنا اس وقت ممنوع ہے جب لوٹنے کا قصد نہ ہو۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ حضور کی مجلس سے بغیر پوچھے نہ جاؤ۔ مقصد یہ ہے۔ کہ اس گناہ پر سزا کوئی نہیں۔ کیونکہ یہ صغیرہ ہے۔ جو تجھ سے اتفاقاً سرزد ہو گیا خیال رہے۔ کہ حضور نے پہلے ہی اسے یہ آیت نہ سنادی۔ بلکہ چلے جانے کے بعد اسے واپس بلا کر سنائی۔ کیونکہ

غالباً حضور کو اشتبہ تھا۔ کہ شاید اس کے بارے میں کوئی اور آیت اترے (مراۃ) الیناء ۹۵

(۲) دن میں پانچ مرتبہ نہر میں نہانے کی مثال ۔ نماز ظاہری اور باطنی غلاظت سے پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے جس طرح پانی انسانی جسم کی ظاہری گندگی کو دھو ڈالتا ہے ایسے ہی نماز انسان کے ظاہر اور باطن کو پاکیزہ کر دیتی ہے ۔ اس کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ۔ خبردار اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے کے سامنے سے نہر جاری گزرتی ہو۔ اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ اس میں غسل کرے۔ کیا اس کی میل باقی رہ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا اس کی میل باقی نہ رہے گی ۔ فرمایا یہ پانچوں نمازوں کی مثال ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے (بخاری) اس حدیث میں مثال بیان کر کے نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ پانچ مرتبہ نہر میں غسل کرے ۔ تو اس کے نہانے سے اس کے جسم سے میل کچیل اتر جائے گی۔ اور اس کا جسم بالکل صاف ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص ایک نماز پڑھتا ہے پھر دوسری نماز تک اس سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے ۔ تو دوسری نماز پڑھنے سے اس کا وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ تو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے درمیانی اوقات کی خطائیں اور لغزشیں معاف ہو جاتی ہیں بنی اکرم کا مقصد اس قسم کی مثالوں سے لوگوں کو یہ سمجھانا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو گناہوں کا کفارہ بننے میں بڑی قوی تاثیر عطا کر رکھی ہے ۔ چونکہ مثال سے بات اچھی طرح سمجھ آ جاتی ہے اس لئے مفہوم بالا ۔ حدیث میں مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے ۔ انسان بار بار گناہ کرتا ہے ۔ کلمہ طور دل کرتا ہے ۔ عمل میں کوتاہیاں کرتا ہے ۔ اور سے تو ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لئے ہمیں نماز جیسا عظیم نسخہ بتا دیا ہے۔

الیناء ۹۸ :- (۳) حضرت علی کی نماز ۔ حضرت علی رض کے متعلق ایک راوی کا بیان ہے ۔ کہ ایک مرتبہ حضرت علی رض فجر کی نماز پڑھا کر دائیں جانب رخ کر کے بیٹھ گئے۔ آپ کے چہرے سے رنج و غم کا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ طلوع آفتاب تک آپ اسی طرح بیٹھے رہے ۔ اس کے بعد بڑے تاثر کے ساتھ اپنا ہاتھ پلٹ کر فرمایا ۔ خدا کی قسم میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہے ۔ آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ ان کی صبح اس حال میں ہوتی کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے چہرے غبار آلود اور زرد ہوتے وہ ساری رات اللہ کے حضور سجدہ میں پڑے رہتے ۔ کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھتے رہتے حتیٰ کہ جب تھک جاتے تو کبھی ایک پاؤں پر سہارا دے لیتے ۔ اور کبھی دوسرے پاؤں کو گویا۔ کہ وہ خدا کے خوف سے ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو بہتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے تھے۔ مگر اب کے لوگ ایسے ہیں کہ غفلت میں رات گزار دیتے ہیں اور دنیا کی پرواہ نہیں۔ ——— نماز کا وقت آتا تو حضرت علی رض کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور

لرزہ طاری ہو جاتا ۔ ایک بار ان سے پوچھا گیا ۔ کہ اے امیر المومنین آپ کا یہ حال کیا ہو جاتا ہے ۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس امانت کی ادائیگی کا وقت ہے ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور پہاڑ پر پیش کیا تو ان سب نے اس بار کے اٹھانے سے ڈر کر انکار کر دیا ۔ اور انسان نے اسے اٹھا لیا ۔

حضرت علیؓ کے بارے میں مشہور ہے ۔ کہ ایک مرتبہ ران میں تیر گھس گیا ۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکل سکا ۔ آپس میں مشورہ کیا ۔ کہ جب آپ نماز میں مشغول ہوں ۔ اس وقت تیر نکالا جائے ۔ چنانچہ آپ جب نماز میں مشغول ہوئے ۔ اور سجدے میں گئے ۔ تو لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا جب نماز سے فارغ ہوئے ۔ تو آس پاس لوگوں کو دیکھا ۔ کیا تم تیر نکالنے کے لئے آئے ہو ۔ لوگوں نے عرض کیا ۔ کہ وہ تو ہم نے نکال بھی لیا ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ کہ مجھے خبر تک نہیں ہوئی ۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے ۔ کہ آپ حالت نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف اتنے متوجہ ہوتے کہ آپ کو ادھر ادھر کی کچھ خبر نہ رہتی ۔ ایضاً ۱۲۵

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ کی نماز ۔ حضرت ابو ہریرہ کو اصحاب صفہ میں سے خاص مقام حاصل تھا ۔ کیونکہ آپ اپنے شب و روز کا بیشتر حصہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں گزارتے ۔ اور اکثر مسجد نبوی میں ہر وقت محو عبادت رہتے ۔ آپ نے شب بیداری کے لئے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا ۔ ایک حصہ میں آپ خود نماز پڑھا کرتے تھے ۔ دوسرے میں آپ کی بیوی نماز پڑھتی تھیں ۔ اور تیسرے حصے میں آپ کا غلام نماز پڑھتا ۔ باری باری ایک دوسرے کو جگاتے تھے ۔ اور اسی طرح عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔ ایضاً ۱۳۰

(۵) حضرت امام حسینؓ کی نماز ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو نماز کے ساتھ خاص شغف تھا ۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش مبارک میں پلے تھے ۔ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا ۔ وہ عبادت الٰہی کا مجسمہ تھیں ۔ حضرت امام حسینؓ دن رات میں ایک ایک ہزار نوافل پڑھ ڈالتے تھے ۔ ایضاً ۱۳۲

(۶) حضرت بایزید بسطامیؒ کی نماز ۔ حضرت بایزید بسطامیؒ عشاء کی نماز کے بعد رات بھر اس طرح نماز میں مشغول رہتے کہ چار رکعت نماز ادا کرتے اور سلام کے بعد کہتے ۔ یہ نماز تو قبولیت کے لائق نہ ہوئی پھر نیت کرتے ۔ اور سلام کے بعد یہی کہتے ۔ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ۔ صبح کو عرض کرتے اے اللہ ۔ میں نے بہت کوشش کی ۔ کہ نماز ادا کروں ۔ جو تیری بارگاہ کے لائق ہو ۔ مگر مجھ سے ادا نہ ہو سکی ۔ تیرے بہت سے بندے بے نمازی ہیں ۔ انہیں میں میرا بھی شمار کر لے ۔ فرمایا میری ساری عمر گزر گئی ۔ اسی تمنا میں کہ کوئی نماز اس خشوع کے ساتھ ادا کروں ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قابل قبول ہو ۔ مگر اب تک ادا نہ ہو سکی ۔

ایضاً ۱۳۶ ۔

۱۶ - ۱۲ - ۲۰۰۷ بروز اتوار ۔ ۵ ۔

نماز خوف و غم سے نجات کا پروانہ

یا اللہ — یا رحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۹﴾ پ ۳ بقرہ ۲۷۷

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز کو قائم رکھا۔ اور زکوٰۃ دیتے رہے۔ ان کے لیے ان کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں موجود ہے۔ نہ ان پر خوف ہے۔ اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

خوف دو طرح کا ہے ایک خوف خدا ہے۔ یعنی اللہ کی جلالیت سے ڈرنا۔ یہ خوف باعث رحمت ہے۔ دوسرا خوف دنیا کا خوف ہے۔ ہر بیبت اور نقصان دہ چیز سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ ایسا خوف باعث تکلیف اور دکھ ہے۔ پریشانیوں اور دکھوں کے باعث ہی انسان غمگین ہوتا ہے۔ نماز ایسے خوف اور غم سے نجات دلاتی ہے لہٰذا وہ لوگ جو ایمان لا کر نیک اعمال یعنی نماز اور زکوٰۃ دینے پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اور انہیں بہت اجر سے نوازے گا۔ موت کے بعد انسان میں برے اعمال کی بنا پر مختلف سزاؤں کا غم اور خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ موت کے بعد عذاب قبر کا ڈر روز قیامت کا غم ہے پھر روز محشر میں حساب و کتاب میں ناکامی کا خطرہ پھر سزا ملنے کی صورت میں عذاب جہنم کا خوف اگر ان تمام مراحل میں کامیاب ہونے کی امید ہو تو خوف دور غم ختم ہو جاتا۔ اللہ رب العزت نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو لوگ صاحب ایمان ہونے کے ساتھ نیک اعمال جن میں نماز بھی شامل ہے پر کاربند ہوں گے۔ تو وہ آخرت پر انہیں بالکل کامیاب و کامران کرے گا۔ جس وجہ سے آخرت میں ان پر کسی قسم کا خوف نہ ہو گا۔ سنہ فضائل اعمال صـ ۸۲

(۱) آسان موت — موت بعد حالت نزع کی سختی ایسی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ کہ مجھ پر موت اور نزع کی سختی آسان فرما۔ ہم موت کی سختی اور شدت کا حال نہیں جانتے بلکہ موت کا حال تو وہ جانتا ہے۔ جس پر وہ حالت گزرتی ہے مرنے والا کو دیکھ کر انسان صرف تھوڑا سا قیاس کر سکتا ہے۔ مگر حقیقت نہیں جان سکتا۔ جسم اور روح کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ مردہ جسم جس میں روح نہیں ہوتی۔ اگر کوئی تکلیف بھی پہنچے تو اسے کوئی احساس نہیں ہوتا۔ مگر جس جسم میں روح موجود ہو۔ تو اسے ذرا سی تکلیف بھی پہنچے۔ تو روح چونکہ اٹھتی ہے۔ چونکہ روح سارے جسم میں پھیلی ہوتی ہے۔ تو جب اسے جسم سے نکالا جاتا ہے۔ تو انسان کو انتہائی شدت کی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر نمازی لوگوں کی موت آسانی سے ہوتی ہے۔ (موت کی سختی کی احادیث و قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ موت کا دہشت کتنا شدید ہوتا ہے۔ مگر جو شخص

پانچ وقت کی باقاعدگی سے نماز پڑھتا ہے۔ اور نیک کام کرے۔ تو فرشتے ان نیک روحوں کو بڑی آسانی اور نشاط
واحترام سے نکال لیتے ہیں۔ اور عالم سکرات کے وقت نماز ہی ایک چیز ہے جو انسانوں کو سختی سے بچاتا ہے۔
مگر یہ نادان انسان پھر بھی نماز کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ایضاً ص ۸۵

(۲) نماز اور نجاتِ عذاب۔

انسان جب اس دورِ فانی سے مرجاتا ہے۔ تو اس کی روح اس عالم سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں
پہنچ جاتی ہے۔ عالم برزخ کا عرصہ قیامت تک ہے۔ اور اس عرصہ کو قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خواہ مردے
کو دفن کیا جائے۔ یا کسی اور طرح سے مردے کے جسم کو مٹی کے حوالے کر دیا جائے۔ عالم برزخ میں نیک
لوگوں کے لئے راحت اور گنہگاروں کے لئے عذاب ہے۔ عذاب قبر بڑا دردناک ہے۔ نماز انسان کو عذاب
قبر سے بچائے گی۔ ـــ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک یہودی عورت اس کے پاس آئی۔
عذاب قبر کا اس نے ذکر کیا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کو کہا۔ اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ عائشہؓ نے
نبی اکرمؐ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں قبر کا عذاب حق ہے۔ عائشہؓ کہتی ہے
اس کے بعد میں میں نے نہیں دیکھا۔ کہ آپ نے کبھی کوئی نماز چھوڑی ہو۔ مگر اس میں اللہ تعالیٰ سے
عذاب قبر سے پناہ مانگتے (مسلم) اس حدیث پاک سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ کہ نماز عذاب
قبر سے نجات دلانے کا ایک ذریعہ ہے۔ لہذا اسے ہمیشہ قائم رکھنا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد
عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ عالم برزخ کے بعد قیامت آئے گی۔ قیامت کے روز جزا یا سزا کا
اعلان کیا جائے گا۔ اور جن لوگوں کیلئے سزا کا اعلان ہوگا۔ انہیں دوزخ میں داخل کر دیا جائے جہاں
آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ لیکن اس مرحلے پر بھی نماز ہمیں دوزخ میں جانے سے نجات دلائے
گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ـــ عمارہ بن رویبہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا
فرماتے تھے۔ وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہ ہوگا جس نے سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پہلے
نماز پڑھی یعنی فجر اور عصر کی (مسلم) معلوم ہوا۔ کہ جو شخص نماز قائم کرے گا۔ اس کو ہرگز عذاب
نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس حدیث میں دو نمازوں کا ذکر ہے۔ نماز ہر قسم کے عذاب سے بچاتی ہے۔
حضرت علی بن ابی طالبؓ کا قول ہے۔ کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ جو شخص نماز کو حقیر سمجھے گا اللہ تعالیٰ اس کو پندرہ
سزائیں دے گا۔ چھ قسم کے عذاب مرنے سے پہلے۔ تین مرتے وقت۔ تین قبر میں۔ اور تین قبر سے نکلتے وقت۔
(۱) چھ دنیاوی عذاب = ۱۔ صالحین کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ ۲۔ اس سے زندگی کی برکت دور کر دی جائے
گی۔ ۳۔ اس کے رزق سے برکت ختم ہو جائے گی۔ ۴۔ اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں کیا جانا۔ ۵۔

اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ۶۔ وہ نیکوں کی دعاؤں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ (۲) مرتے وقت کا عذاب
۱۔ پیاسا مرتا ہے۔ اگرچہ اس کے حلق میں سات دریا الٹ دیئے جائیں۔ ۲۔ اس کی موت اچانک
ہوگی۔ ۳۔ توبہ کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔ ۴۔ اس کے کاندھوں پر دنیا کا لوہے لکڑی اور پتھروں
کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ جس سے وہ بوجھل ہو جائے گا۔ (۳) قبر کے تین عذاب۔ قبر کے تین عذاب
یہ ہیں۔ ۱۔ قبر اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ ۲۔ قبر میں زبردست اندھیرا ہوگا۔ ۳۔
منکر نکیر کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکے گا۔ (۴) قبر سے نکلنے پر تین عذاب۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ اس پر غضب
ناک ہوگا۔ ۲۔ اس سے حساب بہت زیادہ سخت ہوگا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے اس کی واپسی دوزخ
کی طرف ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ معاف فرما دے تو خیر۔ دوزخ سے نجات کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ایک ارشاد ہے۔ حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرمؐ سے سنا۔ آپ فرماتے ہیں۔
جس نے محافظت کی ظہر سے پہلے چار رکعتوں پر اور اس کے بعد چار رکعتوں پر اس پر اللہ آگ کو حرام کر دے
گا۔ (ترمذی) (ص ۱۰۲ ایضاً) (۳) نماز چھوڑنے پر عذاب۔ یوم حساب کے بعد جن لوگوں کو
جہنم میں سزا دی جائے گی۔ تو جب ان سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ کون سی چیز نے تمہیں اس سزا
میں مبتلا کیا ہے۔ تو وہ جواب دیں گے کہ جس بنا پر انہیں یہ سزا ملی ان میں ان کا ایک عمل ترک
نماز ہی ہوگا۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ میدان حشر کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا
كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ مَا
سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ ہر شخص اپنے عمل کے انجام لگا ہوا ہوگا
سوائے دائیں ہاتھ والوں کے یہ لوگ جنت میں ہوں گے۔ اور مجرموں سے پوچھیں گے کس چیز نے تمہیں
دوزخ میں ڈالا وہ کہیں گے۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (تشریح) ایک اور مقام پر ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔ کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے میدان حشر میں ان کو زبردست رسوائی کا سامنا ہی کرنا پڑے
گا۔ يَوْمَ يُكْشَفُ ـــــ سَالِمُونَ ۝ جس دن ایک ساق کھولی جائے گی۔ جس کے متعلق اللہ
ہی جانتا ہے۔ اور سجدہ کو بلائے جائیں گے۔ تو نہ کر سکیں گے۔ نیچی نگاہیں کیے ہوئے ان پر ذلت
چھا رہی ہوگی۔ اور باوجودیکہ دنیا میں سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے۔ جب تندرست تھے۔ مگر سجدہ نہ
کرتے تھے۔ ـــــ میدان حشر میں جب کہ تمام انسان جمع ہوں گے۔ تو لوگوں کو سجدے کا حکم دیا
جائے گا۔ اچھے اور نیک لوگ سجدہ کر لیں گے۔ لیکن بے نماز سجدہ نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ وہ دنیا میں سجدہ

نہیں کرتے تھے۔ لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ تو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے میدان حشر میں وہ لوگ رسوا ہوں گے۔ (الیضاً ص ۱۱۴) نبی اکرم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہو گئی۔ وہ ایسا ہے۔ بس گویا اس کے گھر سے لوگ اور مال دولت سب چھین لیا گیا ہے۔ حضرت امام احمد نے بیان کیا ہے۔ کہ نبی اکرم نے فرمایا۔ جو نے نماز پر محافظت کی قیامت کے دن وہ نماز اس کے لیے نور و برہان و نجات ہو گی۔ اور جس نے محافظت نہ کی۔ اس کیلئے نہ نور ہے۔ نہ برہان نہ نجات اور قیامت کے دن قارون اور فرعون وہامان و ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔ امام بخاری نے نافع کے حوالے سے بیان کیا۔ کہ حضرت امیر المومنین فاروق نے اپنے صوبوں کے پاس فرمان بھیجا کہ تمہارے سب کاموں سے اہم کام میرے نزدیک نماز ہے۔ جس نے اس کا حفظ کیا اس نے اپنا دین محفوظ رکھا۔ (الیضاً ص ۱۱۵)

نمازیوں کا شوقِ عبادت

فرشتے اللہ کے مقرب ہیں اور مختلف کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ کچھ ایسے فرشتے ہیں۔ جو انسان کا نامہ اعمال مرتب کرتے ہیں۔ ان میں رات اور دن کا اعمال نامہ لکھنے والے الگ الگ فرشتے ہیں وہ فرشتے جو نمازِ فجر کے وقت آتے ہیں۔ وہ دن کا فرشتے ہیں اور جو عصر کے وقت آتے ہیں۔ وہ رات کا اعمال نامہ لکھنے والے ہیں۔ جب انسان فجر کی نماز ادا کرتا ہے۔ تو اس وقت دن کے فرشتے آتے ہیں اور رات والے اپنی ڈیوٹی سر انجام دے کر چلے جاتے ہیں۔ اور عصر کی نماز کے وقت دن والے چلے جاتے ہیں۔ اور رات والے آ جاتے ہیں۔ اور جو شخص ان دونوں اوقات یعنی ان کے آنے اور جانے پر نماز میں مصروف ہوتا ہے۔ تو وہ بڑا اچھا تاثر قائم کرکے جب بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہیں ——— حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں رات اور دن کو فرشتے باری باری آتے ہیں۔ اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر چڑھتے ہیں وہ فرشتے جنہوں نے تم میں رات گزاری ہوتی ہے۔ ان سے ان کا رب پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ ان کو خوب جانتا ہے۔ کس طرح چھوڑا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو وہ جواب دیتے ہیں۔ ہم نے ان کو چھوڑا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔ اور ہم ان کے پاس گئے جب کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔ الفتاوی ۸۴

عزیزان گرامی اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی گزرے جن کے دن اور رات کے تمام اوقات نماز اور عبادت خداوندی میں گزرتے تھے۔ جب وہ عبادت میں مستغرق ہوتے تھے۔ تو دنیا جہان کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ جن میں اللہ کے رسول کے مقبول صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام بھی آتا ہے۔

(۱) عبداللہ بن زبیر کی نماز = حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بڑے مشہور صحابی تھے۔ آپ حضرت زبیرؓ کے بیٹے تھے۔ جو نبی اکرم کے محبوب ساتھی تھے اور عشرہ مبشرہ میں تھے۔ حضرت ام المومنین خدیجہؓ آپ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ خالہ تھیں۔ اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ آپکا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے۔ جنہیں یاد الٰہی کا بڑا شوق تھا۔ لہذا خدا کی عبادت آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھی۔ اور اس میں وہ بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیا کرتے تھے نہایت کمال خشوع خضوع اور استغراق کے ساتھ نماز پڑھتے۔ کہ نماز کی حالت میں یوں محسوس ہوتا کہ کوئی ستون کھڑا ہے۔ آپکا رکوع اتنا طویل ہوتا۔ کہ دوسرے لوگ پوری سورۃ بقرہ ختم کر دیتے

ان کا رکوع ختم نہ ہوتا۔ یہی عالم سجدے کا تھا۔ کہ جب سجدہ کرتے تو اتنی دیر تک سجدہ میں رہتے۔ کہ حرم شریف کے کبوتر آپ کی پشت پر آکر بیٹھ جاتے۔ کیونکہ حالت نماز میں آپ ہیبت وعظمت خداوندی کے باعث بالکل بے حس وحرکت رہتے نازک سے نازک حالت میں بھی آپ کی نماز متزلزل نہ ہوتی۔ حجاج کے محاصرے کے زمانے میں جب چاروں طرف سے پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آپ حطیم میں نماز ادا کرتے پتھر آ آکر پاس گرتے مگر آپ پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رض جو خود بڑے پایہ کے بزرگ اور عبادت گزار صحابی تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر تم لوگ حضور علیہ السلام کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیر کی نماز کی نقل کرو۔ عمرو بن دینار کا بیان ہے۔ کہ میں نے ابن زبیر سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو صحابہ کرام میں امتیازی حیثیت حاصل ہے یہ حضرت زبیر رض کی لاش کی طرف سے گزرے۔ تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو خبیب خدا تمہاری مغفرت کرے۔ تم بڑے روزہ دار بڑے نمازی۔ اور بڑے صلہ رحمی کرنے والے تھے ایضاً (۲) ہر نماز کیلئے تازہ وضو کرنا۔ سہل بن عبداللہ رض فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بھی ابتداء کرامات سے پہلے یہ دیکھا۔ کہ میں ایک تنہائی کے مقام میں آ گیا۔ جہاں مجھے قلب کو تقرب الٰہی کا مزہ آیا۔ اور وہ جگہ اچھی معلوم ہوئی۔ اور نماز کا وقت آ گیا میری عادت ہر نماز کیلئے تازہ وضو کرنے کی تھی لیکن پانی نہ ملنے کی وجہ سے میں غم اور رنج کرتا تھا۔ ناگاہ ایک ریچھ نظر پڑا۔ جو دو پاؤں سے چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پانی سے بھرا ہوا سبز گھڑا تھا۔ دور سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمی ہے میرے قریب آ کر اس نے گھڑا سامنے رکھ دیا اور سلام کیا۔ میرے جی میں ایک علمی اعتراض پیدا ہوا۔ اور میں نے پوچھا۔ یہ پانی اور گھڑا کہاں سے آیا۔ اس ریچھ نے کہا۔ اے سہل ہم لوگ وحوش ہیں۔ اہل اللہ میں سے جو لوگ اللہ کی محبت اور توکل میں تعلقات چھوڑے ہوئے ہیں۔ آج ہم آپس میں کچھ تذکرہ کر رہے تھے۔ کہ اچانک آواز آئی۔ کہ سہل تجدید وضو کیلئے پانی تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے یہ گھڑا ہاتھ میں لیا۔ تو میرے پہلو میں دو فرشتے تھے۔ میں ان کے قریب گیا۔ انہوں نے ہوا پر سے اس گھڑے میں پانی ڈالا۔ مجھے پانی کے گرنے کی آواز بھی آئی۔ سہل فرماتے ہیں یہ سن کر مجھے غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ گھڑا میرے سامنے دھرا ہے۔ اور ریچھ کا پتہ نہیں مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اس سے اور کچھ بات نہ کی۔ اور میں نے اس پانی سے وضو کیا۔ اور پینا چاہتا تھا کہ آواز آئی۔ اے سہل اس پانی کے پینے کا ابھی تمہارے لئے وقت نہیں آیا۔ وہ گھڑا میرے سامنے ہل رہا تھا۔ ناگہاں میری نظر سے غائب ہو گیا۔ نہ معلوم کہاں گیا۔

ــــ

ایضاً ۱۶۱ ـ

۱۳۰۹

۴۲۵

نماز کی قبولیت کا وسیلہ

۱۹۹۲

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ پ۲۴ المومن ۶۰ ۔ قرآن مجید میں نماز کیلئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ۔ اور نماز کی قبولیت کا بہتر وسیلہ ہے ۔ مادی جسم کو پالنے اور نشوونما کیلئے انسان کو بے شمار ذرائع کی ضرورت ہے ۔ ان میں سے پیٹ کو پالنے کیلئے خوراک رہنے کیلئے مکان پہننے کیلئے کپڑا اور دیگر بے شمار ضروریات زندگی درکار ہیں ۔ ان ضروریات میں سے کچھ تو اللہ تعالیٰ نے دائمی طور پر اس کرۂ ارض پر عطا فرما دی ہیں جن میں انسانی نسل کی بقا وابستہ ہے ۔ جیسے ہوا ۔ آگ ۔ پانی ۔ بارش ۔ دھوپ ۔ موسم دی ۔ گرمی سبزہ دریا ۔ سمندر پہاڑ میدان حتیٰ کہ بے شمار نعمتیں ہیں جنکا گننا محال ہے ۔ انسانی زندگی میں سب سے بڑا مسئلہ رزق کا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا ۔ اور یہ رزق منجانب اللہ ہے ۔ اللہ جسکو چاہے زیادہ عطا فرما دے ۔ اور کسی کو کم اس لیئے انسان نماز کے ذریعے سے کشائش رزق کی دعا کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سنتا ہے ایسے ہی بے شمار موقعے ہیں ۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعے مانگنا پڑتا ہے ۔ کیونکہ بن مانگے کیا ملتا ہے ۔ مثال کے طور پر اگر زمین بارانی ہو ۔ اور اس میں گندم اگا دی جائے ۔ تو اس کیلئے پانی کی ضرورت پیش آئے گی ۔ تو بارش کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی پڑے گی ۔ ایسے انسان کو قدم قدم پر اللہ سے دعا کرنی پڑتی ہے ۔ نماز دراصل اللہ کے حضور میں ایک دعا ہے ۔ قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر ارشاد ہوا ہے ۔ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا ۔ جو لوگ میری عبادت سے انکار کرتے ہیں ان کو عنقریب جہنم میں ذلیل و خوار کر کے داخل کیا جائے (مومن 60) کامیاب وہ ہوا ۔ جس نے پاکی حاصل کی ۔ اور اپنے اللہ کا نام پکارا ۔ اور نماز پڑھی ۔ جب انسان دنیا کے مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے ۔ بیماری سے تنگ آ جاتا ہے ۔ غربت سے تنگ آ کر خودکشی کی طرف سوچتا ہے ۔ دل بے چینی اور ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ اور دنیا میں اپنی عقل و تدبیر دوڑاتا ہے ۔ جسم کی قوت اسے جواب دے دیتی ہے ۔ حتیٰ کہ جب وہ اپنے آپ کو ہر طرف سے عاجز پاتا ہے ۔ تو وہ نیکی کی طرف دوڑتا ہے ۔ اور اس کی طرف رجوع تمام تر کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ مگر اپنی پکار التجا اور دعا کو اللہ تک پہنچانے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ نماز ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ کہ تم صبر اور نماز سے اپنی مصیبتوں میں مدد مانگو ۔ اس مدد سے مراد یہی ہے ۔ کہ نماز پڑھو گے ۔ اور مجھ سے دعا کرو گے ۔ تو میں قبول فرما لوں گا ۔ نماز کے اصلی الفاظ جو عربی میں ان سے بھی دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ انسان اللہ کی تعریف بیان کرتا ہے ۔ اور پھر اس سے مانگتا ہے

کہ یا الٰہی میری مدد کر۔ اور مجھے اپنے متعین کردہ راستے پر چلا۔ اور قائم رکھ۔ اور پھر مغفرت کی دعا مانگتا ہے ــــ سنی فضائل اعمال ص ۸۸ عزیزان گرامی اللہ کے نیک بندوں میں کچھ ایسے حضرات بھی گزرے۔ جنہوں نے نماز پڑھی اور دعا مانگی تو اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا ۔ جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بھی نام آتا ہے ۔ (۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نماز = حضرت عمر بن عبدالعزیز سے سب ہی واقف ہیں ۔ خلفاء راشدین کے بعد ان کا شمار ہے ۔ ان کی بیوی فرماتی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ وضو اور نماز میں مشغول رہنے والے تو اور بھی ہوں گے ۔ لیکن ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھ جاتے ۔ اور دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے حتی کہ اسی میں نیند کا غلبہ ہوتا ۔ تو آنکھ لگ جاتی ۔ پھر جب کھل جاتی ۔ تو اسی طرح روتے رہتے ۔ اور دعا میں مشغول رہتے ۔ کہتے ہیں خلافت کے بعد سے غسل جنابت کی نوبت نہیں آئی ۔ ان کی بیوی عبدالملک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ باپ نے بہت سے زیورات اور جواہر دیئے تھے۔ اور ایک ایسا ہیرا دیا تھا۔ جس کی نظیر نہیں تھی ۔ آپ نے بیوی سے فرمایا۔ کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر یا تو یہ سارا زیور اللہ کے واسطے دے کہ میں اس کو بیت المال میں داخل کردوں یا مجھ سے جدائی اختیار کرلے ۔ مجھے یہ چیز ناگوار ہے۔ کہ میں اور وہ مال ایک گھر میں جمع رہیں۔ بیوی نے عرض کیا وہ مال کیا چیز میں اس سے کئی چند زیادہ پر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر سب کا سب بیت المال میں داخل کردیا ۔ آپ کے انتقال کے بعد جب عبد الملک کا بیٹا یزید بادشاہ بنا تو اس نے بہن سے دریافت کیا اگر تم چاہو تو تمہارا زیور تم کو واپس دے دیا جائے ۔ فرمانے لگیں کہ جب میں ان کی زندگی میں اس سے خوش نہ ہوئی ۔ تو ان کے مرنے کے بعد اس سے کیا خوش ہوں گی ۔ (۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نماز = حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نماز سے خاص ذوق تھا ۔ کیونکہ آپ فرض نمازوں کے علاوہ آپ کثرت سے نفل نمازیں پڑھا کرتے تھے ۔ محمد بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ۔ کہ ابن عمرؓ رات میں چار چار پانچ پانچ مرتبہ اٹھتے اور نماز پڑھتے ۔ اسی طرح کثرت سے یاد الٰہی میں مصروف رہتے اور رات کے بیشتر حصہ میں شب بیدار رہتے کیونکہ آپ کی شب بیداری کے متعلق ایک مرتبہ نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے نکل گیا ۔ کہ عبداللہ کیا ہی اچھا ہوتا ۔ اگر وہ رات میں نمازیں پڑھا کرتے ۔ حضرت عبداللہ نے یہ بات سنی تو ساری زندگی کیلئے یہ معمول بنالیا ۔ کہ رات کو بہت کم سوتے اور زیادہ وقت نماز میں گزارتے ۔ قرآن مجید اتنی کثرت سے پڑھتے کہ اکثر اوقات ایک رات میں پورا قرآن مجید ختم کرلیتے تھے ۔ ایضاً ص ۱۲۸

جمعرات 17-1-2009 ء

نماز سے خوفِ الٰہی * اور نصیب * ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم - نماز پڑھنے سے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو جاتا ہے - اور یہی خوف خدا انسان کو برائیوں سے بچاتا ہے - اللہ کا خوف ہی دراصل دین اسلام کی بنیاد ہے جسے اپنانے سے انسان توحید پر عمل پیرا ہو جاتا ہے - بندہ جب یہ سوچتا ہے کہ اللہ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے - اور اس کے ہر فعل کا اللہ کو علم ہے - وہ اپنے بندے کو اجالے میں تاریکی میں خلوت میں جلوت میں - غرضیکہ وہ ہر حال میں دیکھتا ہے - تمام دنیا سے انسان چھپ تو سکتا ہے - مگر اللہ سے چھپا نہیں جا سکتا ہے کیونکہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے جب کسی بشری کمزوری یا شیطان کے فریب سے انسان کا قدم ڈگمگانے لگتا ہے - اور راہ حق سے پھسلنے لگتا ہے - تو اللہ کا خوف جو ہر حال میں مقدم ہے - انسان کو پھسلنے سے بچاتا ہے - رحمت الٰہی اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے - اس کو اپنے فعل پر ندامت آتی ہے - وہ اللہ سے ڈر جاتا ہے کہ میں برائی کر کے کس منہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤں - اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا ہے - اس کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اسے کیا کہیں گے کہ یہ نمازی ہو کر کس طرح کے افعال کرتا ہے - جب اس کے قدم برائی کی طرف بڑھتے ہیں - تو وہ خوف خدا سے کانپ اٹھتا ہے - اور اس کو اللہ کی کرم نوازی برائی سے بچاتی ہے کیونکہ اللہ کے حضور میں پانچ وقت حاضر ہونے سے انسان کی توجہ اللہ کی طرف مبذول رہتی ہے - اور اس توجہ مبذول ہونے سے یہ اثر پڑتا ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کی محبت کا خوف پیدا ہوتا ہے - جس سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اس کا ایک فائدہ تو یہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برائیوں سے اجتناب کرتا ہے - اور اعمال صالح کی طرف اس کی رغبت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے - دوسرا اس میں وہ بیداری پیدا ہوتی ہے - جو اس کے دل میں اخلاق حسنہ پیدا کرتی ہے - جو ایک اچھے مسلمان کی نشانی علامت ہے - اللہ تعالیٰ کے خوف سے انسان میں اخلاص پیدا ہوتا ہے - خیالات میں صداقت پیدا ہوتی ہے - اگر کوئی شخص بغیر غسل کے ناپاک جسم اور ناپاک کپڑوں کے ساتھ بغیر وضو کے نماز پڑھے - تو اس کو دنیا میں کون پکڑ سکتا ہے - لیکن انسان ایسا نہیں کرتا - ایسے ہی اگر جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں - وہ نہ پڑھیں تو ہمیں کون دیکھنے والا ہوتا ہے یا اگر انسان

بالکل نماز نہ پڑھے تو بھی ظاہرا کوئی گرفت کرنے والا نہیں ہوتا مگر اللہ کی ذات حاضر وناظر ہے۔ علیم وخبیر ہے۔ وہ بندے کی ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ بندہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ہی سچائی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اور بلا جبر وتشدد نماز کی طرف آتا ہے۔ ایضاً ۸۹ حضرات گرامی اللہ کے محبوب بندوں میں کچھ ایسے بھی گزرے ہیں۔ جو اللہ کا خوف اپنے دل میں رکھتے تھے۔ (۱) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نماز = حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ وضو کرتے تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ کسی نے پوچھا ایسا کیوں ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ایک بڑے جبار بادشاہ کی پیشی میں کھڑے ہونے کا وقت آگیا ہے۔ پھر وضو کر کے مسجد میں تشریف لے جاتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یوں کہتے۔ اے اللہ تیرا بندہ تیری ڈیوڑھی پر حاضر ہے۔ اے بھلائی کرنے والے خدا۔ تیرا بداعمال بندہ تیرے حضور آیا ہے۔ تو نے حکم دیا ہے کہ ہم میں جو اچھا ہے۔ بُروں سے درگزر کرے۔ پس تو اچھا خدا ہے۔ اور میں تیرا بداعمال بندہ ہوں۔ اے کرم کرنے والے میری برائیوں سے ان خوبیوں کے طفیل جن کا تو مالک ہے۔ درگزر فرما۔ اس دعا کے بعد مسجد میں داخل ہوتے۔ حضرت امام کے اوقات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر ہوتا تھا۔ (۲) حضرت انس بن مالک کی نماز = حضرت انس رضی اللہ عنہ تمام انصار مدینہ میں سے ممتاز تھے۔ اور آپ کا شمار انصار کے رؤساء میں ہوتا تھا۔ آپ نہایت خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن ایسی امیرانہ زندگی کے باوجود خدا کی عبادت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ پڑتا۔

آپ کی عبادت وریاضت کا یہ حال تھا۔ کہ فرائض سے فارغ ہو کر نوافل شروع کر دیتے۔ اور اس میں اتنا طویل قیام کرتے کہ دونوں پاؤں میں ورم آجاتا۔ اکثر شدت ورم سے پاؤں پھٹ جاتے۔ اور ان سے خون نکلنے لگتا۔ نماز اس توجہ اور خشوع خضوع کے ساتھ پڑھتے۔ کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا۔ حضرت ابوہریرہ جو خود ایک جلیل القدر صحابی تھے فرماتے ہیں۔ کہ انس کی نماز سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہوتی تھی۔ ایضاً ۱۳۰

(۳) حضرت امام زین العابدین کی نماز = حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اہلبیت سے تھے۔ آپ اپنے زمانہ کے بڑے زاہد اور عابد تھے۔ آپ حالت نماز میں ہمہ تن اللہ کی طرف راجع ہوتے۔ کہ آپ اپنے اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہو جاتے۔ واقعہ آپ کے گھر میں آگ لگ جانا۔ جب آپ وضو فرماتے۔ تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ اور جسم میں کپکپی پیدا ہو جاتی۔ جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو فرمایا تم جانتے ہو کہ کس کے حضور پیش ہوتا ہے۔ (خدام دوران نماز بارش کرنا) واقعہ۔

جمعۃ المبارک۔ ۱۸-۱-۲۰۰۸ = ۷-۱-۱۴۲۸-۵۰

نماز اور حصول جنت

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ
مُّكْرَمُوْنَ ۝ جنت مقام نصیب ہے۔ اور جلوہ گاہ رب جلیل ہے۔ یہ ازل سے بنی ہے۔ اور
ابد تک رہے گی۔ یہ ساتوں آسمانوں کے بعد ہے۔ یہ اتنی بڑی ہے کہ انسانی
عقل سے بالا ہے۔ بلکہ یہ محض ایمان والوں
کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہ ایسا مقام ہے۔ اس کی بناوٹ دنیا کی بناوٹ سے بالکل مختلف
ہے۔ یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں اس میں راحت اور دکھ ساتھ
ساتھ ہیں۔ لیکن جنت ایسا ٹھکانہ ہے۔ جہاں راحت ہی راحت ہے
وہاں غم اور دکھ بالکل نہیں۔ وہاں کی زندگی دنیا کے مصائب
اور آلام سے پاک ہے۔ یہاں موسم کے تغیر و تبدیل کا اثر انسانی زندگی پر اثر پذیر
ہے۔ یہاں کبھی سخت گرمی ہے۔ اور کبھی شدید سردی کبھی شدید بارش ہے۔ اور کبھی بارش کا نام
ونشان نہیں۔ یہاں کبھی شدید ہوا چلتی ہے۔ اور کبھی بالکل ہوا بند ہوتی ہے۔ تو اس شدت کے
تغیر و تبدیل سے انسان تلخی محسوس کرتا ہے۔ طبیعت میں پریشانی۔ اور رنج والم کی کیفیت
پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جنت کی فضا ان سب شدتوں اور تلخیوں سے پاک ہے۔ وہاں کی فضا سہانی
ہے۔ جہاں گرمی اور سردی معتدل ہے۔ اس دنیا میں انسان کو کھانے کمانے کی مشقت اور تکلیف
برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن وہاں کی زندگی دنیا کے دھندوں سے آزاد ہے۔ بلکہ آسانی اور راحت
کی ہر چیز مل جائے گی۔ جس کی انسان خواہش کرے گا۔ بلکہ دنیا کی زندگی سے اس قدر زیادہ نعمتیں
اور سہولتیں ہیں۔ کہ انسان اندازہ نہیں لگا سکتا۔ (یہاں۔ جنت کے محلات۔ لباس۔
پھل۔ پانی۔ خادم۔ عورتیں۔ باغات نہروں کا ذکر ہے۔ ہمیشہ جوان کا ذکر۔ درجات
کا ذکر ہے۔ اور سب سے بلند درجہ جنت الفردوس ہے۔ جنت وہ مقام ہے۔ جہاں ہم کو سب کچھ
ملے گا۔ اور اس مقام کو پانے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار
موقعوں پر فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ نماز قائم کریں گے۔ ان کو جنت دی جائے گی۔ اور یہ لوگ رحمن
کے خاص بندے ہیں۔ جو زمین میں عاجزی سے رہتے ہیں۔ اور لوگوں سے صلح کی بات کرتے ہیں
اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے رب کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ اور کھڑے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت
کے سب سے بلند مقام میں جگہ دیں گے۔ اور جنت کے فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ اور وہ جنت

میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں جنت
میں عزت کے مقام سے نوازا جائے گا۔ معارج ۳۴-۳۵ = ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

۱۹—۰۱—۲۰۰۸
۸—۰۱—۱۴۲۸

بقلم

بقیہ صفحہ ۹۶ جو ڈاکٹر طاہر القادری کا ڈاک نمبر ۴۱۳ چل رہا تھا۔

جو اکڑتا ہے۔ ایسے ہی رحمت سے نوازتا ہوں۔ ہر اکڑنے والے کو گرفت نہیں کرتا۔ کہ اگر ہر اکڑنے والے پر گرفت کرتا۔ تو دنیا سے تمام کافر ختم ہی ہو جاتے۔ دنیا سے کافروں کا وجود ہی ختم ہو جاتا۔ اسے نہیں گرفت اور عذاب جن جن کو کسی کسی کو کبھی کبھی دیتا ہوں تاکہ نشان عبرت بنے۔ میری رحمت وہ ہر وقت چلتی ہے۔ ہر کسی کے لیے چلتی ہے۔ فرمایا ہے کہ دشمن ہیں۔ منکر ہیں کافر ہیں۔ سرکش ہیں۔ انہیں بھی رزق دیتا ہوں۔ انہیں بھی شفا دیتا ہوں ان کی مرادیں بھی پوری کرتا ہوں۔ انہیں بھی زندگی دیتا ہوں۔ ان پر بھی پردے ڈالتا ہوں۔ رحمت بے حساب بانٹتا ہوں۔ مگر جو جھکنے والے ان پر رحمت ان کے نصیب کے مطابق ہو سکتی ہے ان کے مانگنے کے مطابق ہوتی ہے۔ فرمایا ہے کہ ادھر رحمت کا منہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ جو نہیں مانتے ادھر کم ہوتا ہے مگر دنیا سب کو ہوا۔ کیونکہ دو جہان وسعت سے میری رحمت ہر شئے پر پھیلی ہے۔ تو آپ سمجھ گئے (نا بات) ہم جاتے ہیں جب ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو لیتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ اس سے رحمت روک لی جائے۔ حتیٰ کہ جو دشمن اسلام بھی ہے۔ اللہ کی رحمت کی کرم نوازیاں ہیں۔ ابوجہل اور ابولہب بھی اتنی مدت تک زندہ رہے انہیں رزق ملتا رہا۔ اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے۔ اس مکہ زمین پر چال سے انہوں نے حضور کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بھی اللہ کی مشیت تھی۔ حکمت تھی۔ مگر ظاہر تو وہ یہی سمجھنے معلوم لگتا۔ کہ ہم نے تلواریں لے کر حضور کے گھر کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ محاصرہ کر لیا تھا۔ ان کا جینا ان پر تنگ کر دیا تھا۔ ان کا حصار معاذ اللہ تنگ کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ تیرہ سال یہاں جنگ کرنے کے بعد اور پچاس برس یہاں ۵۳ برس گذارنے کے باوجود ہماری تلواروں نے انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بالکل یہی سمجھنے ہوں گے۔ اور آج کہ حلقے رہتے ہیں۔ مگر ان کا جینے رہنا۔ رزق کھاتے رہنا۔ اکڑ کر چلنے پھرنے کے قابل ہوتے رہنا۔ اگر اللہ چاہتا اس رات سب نابینا ہو جاتے۔ جس رات حضور کو نکالا تھا۔ اس رات سارا مفلوج ہو جاتے۔ سب کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتے سب مر جاتے۔ سب کی لاشیں یہاں ہر ایک کو ملتی۔ اللہ پاک چاہتا تو ہر ایک کو گرفت

جو جو بشارات کی رات میں اُن کو کر دیا مگر ایسا نہ کیا۔ تو اُن کا جینا یہ بھی اللہ کی
رحمت کی ایک شکل تھی —— اس لئے وہ فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن الرحیم
سارے جہانوں کا مالک وہ رب ہے۔ خواہ اس میں مومن ہیں خواہ اس میں کافر ہیں۔
خواہ مظلوم ہیں خواہ ظالم ہیں —— خواہ متقی ولی ہیں یا فاسق و فاجر ہیں۔ خواہ نبی ہیں
یا پیغمبر بنتا ہیں — خواہ دین کے دوست ہیں خواہ دین کے دشمن ہیں۔ خواہ دین کے
پابندی ہیں۔ خواہ دین کے مطابق چلنے والے ہیں۔ مگر رب تو ساروں کا ہی ہوتا ہے۔ اگر
میں اپنی ربوبیت اور رحمت کا حساب شروع کر دوں — تو اس کا مطلب ایسا کر کے
کسی اور کو رب بنا لیں —— ٹھیک ہے وہ میرے دین کے دشمن سمجھتا ہے۔ ہر میں
تو اگر دین میں بھی اُن کا دشمن بن جاؤں تو رزق کہاں سے ملے۔ وہ بیمار ہیں شفا کہاں
سے شفا کہاں سے ملے۔ اور اگر میں رحمت کا شعار بدل کر دروازے اُن پر بند کر دوں
ناراض ہو کر تو وہ مانگیں کس کے پاس جا کر گویا میں تو خود راستہ بند کر دیا یہی طرف
بلانے کا — تو فرمایا عذابی اصیب بہ من اشاء — عذاب کرتا ہوں جس پر بھی
کرتا ہوں۔ کسی کسی پر کرتا ہوں۔ جب جی چاہتا ہوں کرتا ہوں — وہ ہر ایک کے
لئے لازمی نہیں چلاتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس ورحمتی وسعت کل شیء وہ کہ
میری رحمت میں رب جو ہوا — رحمان جو ہوا — رحیم جو ہوا۔ خالق کائنات
جو ہوا — مالک کائنات جو ہوا — رازق کائنات جو ہوا۔ تو میری رحمت
سب پر ہر ایک کو ملتی ہے۔ (یہ تو ہو گئی رحمت عامہ کا بیان)
جو بالعموم رحمت تقسیم ہوتی ہے۔ آگے چل کے فرمایا۔ مگر کچھ رحمت خاص
بھی ہے — عام رحمت تو ہر ایک کو ملتی ہے۔ مگر فرمایا۔ ایک بات اور بھی اس کو
بس میں یقیناً ضرور ضرور اپنی رحمت لکھ دوں گا۔ اُن لوگوں کے حق میں۔
اب یہاں توجہ طلب بات یہ ہے۔ یہی گفتگو تو طور پر ہو رہی ہے۔ اور زمانہ کون
سا ہے — حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ بات وہی چل رہی ہے۔ آیت بھی وہی ہے
آیت بھی نہیں بدلی۔ سلسلہ وہی چل رہا ہے۔ آیت بھی وہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا
موقع طور کا۔ گفتگو اللہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین۔ پس منظر وہ واقعہ

بات اس حوالے سے ہو رہی ہے۔ مگر اسی تناظر میں۔ پہلے چلے اللہ پاک عام رحمت
کا ذکر کیا۔ ہر ایک کے لئے بیان کر دیا۔ اب خصوصی رحمت اور گفتگو کا رخ امت
مصطفےٰ کی طرف موڑ دیا۔ یہاں صیغہ مستقبل کا آ گیا۔ پہلے مضارع
کا چل رہا تھا۔ جو حال اور مستقبل دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ مگر اس مقام پر
اطلاق حال پر ہو رہا ہے۔ گفتگو جو ہو رہی تھی۔ موقع اور محل کے مطابق۔ مگر عمومی رحمت
کا بیان کر کے فوراً بعد رخ موڑ دیا ہے۔ فرمایا موسیٰ پر تو میری عام رحمت ہے جو
ہر ایک کے لئے ہے۔ مگر کچھ ایسے بھی آنے والے ہیں۔ جو میرا وعدہ یاد رکھو ہم
سے کہہ دیتا ہوں۔ قرآن میں اعلان کو دہرا دوں گا۔ فساکتبھا۔ سین مستقبل
کے لئے ہے۔ پس ضرور بالضرور یقیناً لکھ دوں گا۔ اپنی رحمت مقدر ان کا
بنا دوں گا۔ ان کے نصیب میں کر دوں گا۔ انسان فوراً سوچتا ہے۔ کہ بات
تو ہماری ہو رہی ہے۔ اور یکایک یہ بات کیا آ گئی کہ میں خصوصی رحمت کچھ لوگوں
کے لئے لکھ دوں گا۔ اس کا مطلب ہے کہ کچھ بعد میں بھی آنے والے ہیں۔ اب
ہماری بات ہو چکی۔ اگلوں کی بات ہو رہی ہے۔ اس امت کا ذکر ہو چکا۔
اب بعد میں آنے والی کسی امت کی بات ہو رہی ہے۔ اب قوم موسیٰ
کی بات ہو چکی۔ اب امت مصطفےٰ کی بات ہو رہی ہے۔ حضرت موسیٰ
کا تذکرہ ہو چکا۔ اب تذکرہ مصطفےٰ آنے والا ہے۔ پس اب یہ رحمت بطور
خاص مستقبل کے لئے لکھ دوں گا۔ ان لوگوں کے لئے۔ للذین یتقون۔ جو تقویٰ
اپنائیں گے۔ ویؤتون الزکوٰۃ۔ اور زکوٰۃ دیں گے۔ والذین ھم بایاتنا یؤمنون۔ اور وہ لوگ
جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں گے۔ یہ سب کچھ کس طرح ہو گا۔ فرمایا الذین یتبعون الرسول
النبی —— الانجیل۔ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ جو غلامی اختیار کر لیں گے۔ غلامی کا پٹہ
اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ تابع فرمان ہو جائیں گے۔ اور پھر دیکھیں گے۔ ان رسول کے
جو نبی ہو گا۔ جو امی ہو گا۔ جو آئے گا بعد میں مگر ذکر اس کا پہلے تورات میں آ چکا
انجیل میں آ چکا۔ (۴۲ — ۱۵ — ۱) تو بات ہماری ہو رہی ہے۔ بات امت مصطفوی

کا ہو رہا ہے۔ کیونکہ تورات کا ذکر آیا۔ تورات وہاں کتاب ہے جو حضرت موسیٰ
علیہ السلام پر اتری۔ فرمایا جو میثاق اس رسول پر اس نبی امی پر ایمان لائیں
گے۔ جو آئے گا تو بعد میں جو اس کی غلامی کے حلقے میں آ جائیں گے۔ جو اس
کا دم بھرنے لگیں گے۔ جو اس کی محبت میں گرفتار ہو جائیں۔ جو اس کے دین کا جھنڈا
اٹھائیں گے۔ جو اس کے مشن کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے۔ تن من دھن
کی بازی لگا دیں گے۔ وہ ان رسول جو آئے گا بعد میں۔ مگر وہ مکتوبا ۔
ہے موسیٰ علیہ السلام جو کتاب تورات تمہیں دی گئی ہے ۔ آنے والے اس رسول
کا تذکرہ پہلی کتابوں میں ہوگا یعنی کہ تورات میں بھی ہوگا ۔ اور پہلے بعد آنے والے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل میں ہوگا ۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس
رسول کی یہاں بات ہو رہی ہے۔ وہ رسول تورات کے زمانے میں بھی بعثت نہیں
ہوئی۔ انجیل کے زمانے میں بھی بعثت نہ ہوا ہوگا۔ آئے گا بعد میں مگر ذکر اس
کا انجیل میں بھی ہوگا۔ اس کا ذکر پہلی تورات میں بھی ہوگا ۔ جو میرے اس
آخری رسول کے غلام بن جائیں گے۔ ان کے لیے خصوصی رحمتوں کو بے حساب
لکھ دوں گا۔ بات چلی طور پہ ہے مگر ختم ہوئی اس امت کے ذکر پر۔
پتہ چلا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے آزمائشیں آتی ہیں۔ امتحان آتا ہے
اور ان میں اللہ کے حضور جھکنا چاہیے ۔ دعا و التجا کرنی چاہیے۔ اللہ کی مغفرت
مانگنی چاہیے ۔ اور ہر استغفار کرنا چاہیے۔ کہ عذاب اور گرفت کسی کسی کے لیے
اور رحمت ہر ایک کے لیے ہے۔ مگر کہا اس ہر ایک میں سے حضور کے غلاموں
کو اللہ نے پھر خاص چن لیا ہے۔

۱-۵-۲۰۱۹ (بروز بدھ)

۲۶-۸-۱۴۴۰

11-5-42 PM

۴۲۸ : سیرۃ النبی خطابات (۴۱۴) (طاہر القادری)

شرح سورۃ نور ۵۵-۵۶ — وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات — ۲۸۶

حضرت یوسف علیہ السلام نے سیاسی منصب مانگا۔ اجعلنی علی خزائن الارض — علیم۔ حضرت موسیٰ کو اللہ نے فرمایا۔ کہ آپ دونوں جا کر فرعون کو جا کر کہو کہ بنی اسرائیل کو نجات دلا دے۔ اس کو آزاد کر دے۔ یہ سیاسی جدوجہد تھی — فرعون کو دین کے نفاذ کا مطالبہ نہ کیا۔ اس لئے کہ فرعون باغی تھا — ایسے جابر ظالم دین دشمن — نفاذ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا —

بنی اسرائیل نے رب اور طلب — لغیر لمعہ۔ جو آپ نے مدینہ میں آنے تک نفاذ دین کا مطالبہ کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے دوران یہود کو کہا کہ دین کو نفاذ کرو — مدینہ کی سیاسی قوت کو بڑھایا — حکمت عملی کے ساتھ۔
— باطل کے اقتدار میں — تقویٰ کی توقع کرنا —

نفاذ دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیت ۵۵ میں فرمایا۔ اللہ نے وعدہ لکھ رکھا ہے — میں زمین میں اقتدار دوں گا — اللہ فرماتا ہے۔ کہ اے ایمان والو ان لوگوں کو اقتدار دوں جو ایمان والے اور اچھے اعمال والے ہیں۔ جو اچھے لوگ میں سیاست میں آئیں — معاشرہ کی مدد کریں۔ دوسرے لوگ اقتدار میں آتے ہیں دنیا حاصل کرنے کے لئے — دنیا کے لئے — ان کے مقاصد اور ہوتے ہیں — نیک لوگوں کے ذریعے دین کو استحکام ملے گا — دین کو زمین پر جما دیا جائے — جو اللہ نے دین چن لیا ہے — اگر اقتدار باطل کے ہاتھ میں ہو تو اس کو شکست دے سکتے ہیں۔

مدینہ میں آنے کی سیاسی زندگی کی ابتداء۔ پہلے سال میں اقدامات کئے۔ ایک کا منظر میں نوعیت کا نہیں تھا — (۱) میثاق مدینہ کیا۔ (۲) مواخات مدینہ ہم اقتدار میں آئے کہ کیسے کیا چلے گا — ایک طرف سے مذہب۔ دوسری طرف سے اسی — کہ کوئی شخص اسلام میں مذہب یا شخص رہے گا۔ (۳) نظام سلطنت دیا — پہلے سال میں مذہبی نظام کو نہ دیا۔ تشکیل نظری کی اسلامی نفاذ نہ دیا — دوسرے سال — نماز [illegible] — نماز قبلہ۔ اذان — عید کا [illegible]

تیسرے سال اسلحہ لب - چوتھے سال تحریم کا مسئلہ تھا -

اس کو کیا مجبوری تھی — پہلے سال عبادات کا انسداد کر دیا

پانچویں سال تیمم - زنا - قتل - لعان. چھٹے

ساتویں = آٹھویں سال سود کی قطعی حرمت آگئی

نویں - فرضیت حج - فتح مکہ کا سال -

یہ حکمت عملی تھی کہ پہلے کیا لایا گیا پھر کیا لایا گیا

٢٠١٩ —

٣ — ٥ — ١٤٤٠

٢٧ — ٨ —

(٤ — ٤٥)

۴۲۹ ـ سیرۃ النبی خطاب ۴۱۵ (طاہر القادری)

پیرا ۶ — واذ کروا اذ کنتم قلیلاً مستضعفون — تشکرون - ۱ =

سالیہ کفر ہے ۱۰ ـ ۵ ابتدا میں آپ بغیر امر و نہی ممکن نہیں تھیں۔ اس لیے فرمایا کہ عہد زکوٰۃ کا حکم ہوگا — تمام احکامات مدینہ میں ہوئے۔

سورۃ انفال میں ۲۶ میں مکی اور مدنی زندگی کے اثرات کو بیان کیا۔ دونوں میں موازنہ ہوا — پہلے تم کمزور تھے۔ تم جو نیک جائز ہو کر سکتے تھے۔

والیم ۳ (۴۳۰) (خطاب ۴۱۶) (نکات)

(30-04-1999)

حضور علیہ السلام کی کثیر الجہات سیاسی حکمت عملی = (۱) مخالف گروہوں کے ساتھ مختلف وقتوں میں ان کے ساتھ اگریمنٹ کیے معاہدات کیے — (۱) دشمن کو کمزور کرنا اور اپنے آپ کو ہمسایوں کے ساتھ طاقتور کرنا — (۲) دشمنوں کے اندر حکمت عملی سے پھوٹ ڈالنا — دشمنوں میں اپنے حمایتی پیدا کر دینا —

جنہوں نے چھوٹے قبائل بھی اسلام میں داخل — (۳) جو چیزیں مختلف ہیں۔ وہ تم ان پر کرتے رہو عمل اور ہم اپنا عمل کرتے رہیں۔ یہ مکہ میں بھی تھا۔ اور مدینہ میں بھی تھا — مدینہ میں تھا۔ آؤ ہم اکٹھے ہو جائیں۔ جن پر ہمارا اتفاق ہے اور تم بھی کرتے ہو۔ اُن کو ہم اپنا تعاون بنا لیں۔ جو مختلف ہیں وہ الگ الگ کرتے ہیں

مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ ہوئی — کفار و مشرکین کے ساتھ۔ یہود سے اتحاد کر لیا۔ اس کا نام میثاق مدینہ ہے — معلوم ہوا سیاست سیرۃ النبی کے خلاف نہیں ہے — معاہدہ صلح حدیبیہ۔ معاہدہ ... — معاہدہ نجران کے معاہدہ غیر مسلموں کے قبائل کے ساتھ کیا — یہ سیاسی عمل حکمت فتح مکہ تک جاری رہا — جب اسلام کی قوت بڑی طاقتور ملک سوائے مکہ کے فتح ہو تمام تک ہو —

معاہدہ ثقیف + اہل طائف نے کہا کہ ہماری کچھ شرائط ہیں وہ ہم اسلام قبول کر دیں۔ شرائط کو حضور ﷺ نے ان سے مذاکرات کیے (۱) نماز فرائض نہ ہوگی — (۲) زنا حرام نہ ہوگا — (۳) جیسے مکہ حرم ہے ہمارے شہر کو بھی حرم بنایا جائے۔ (۴) جہاد فرض نہ ہوگا

۵۔ زکوٰۃ بھی فرض نہ ہو گی ـــ اگر کوئی لڑائی ہوتا تو فوراً جہاد کروا دیتا۔ یہ شرائط اسلام کش
کو مذاکرات کی ہے ـــ تو آپ نے وسعت پیدا کر دی لئے آپ ہیں۔ معلوم ہوا اگر آقا
علیہ السلام میں حکمتِ عملی نہ اپناتے تو کبھی بھی اسلام نہ پھیلتا ـــ
پہلی دو شرائط واپس کر دیں۔ بقیہ شرائط۔ ان کی مان لیں ـــ ۲۔ کیا کوئی مسلمان الگ علیحدہ ہے
جدا احکام نافذ کر سکے۔ یا کسی کے لئے کوئی جائز کر سکے۔ کیا یا ہے۔ کیا کسی مولوی کے کہنے
اختیار ہے کہ کیا اللہ نے منع کیا ہو۔ کہ محبوب اب یہ کر۔ منسوخ فرمایا۔ محبوب
شریعت گر ہے اسی لئے ان کا نام ہی شارع رکھا جاتا ہے، تو جب کر دیا یہ حکم
شریعت سے پرے کام ہی شریعت ہیں ـــ جب یہ ہوا تو صحابہ کرام پریشان
ہو گئے ـــ یہ بھی تو انسان ہی تھے ـــ اب بشری تقاضوں کے مطابق جو حکم زکوٰۃ کا
ہوتی ہیں یہ انسان میں ہوتی ہیں۔ (۳۹ ـــ ۱۰)
جب سر کا روزہ دیتے تو صحابہ ان لئے سمجھ لیتے کہ اطمینان ہو جاتا ہے۔ تو صحابہ کرام
حیرت زدہ رہ گئے اعتراض کر گیا۔ حیران اور ششدر رہ گئے کہ کیا ہو گیا۔ نبی پاک
نے صحابہ کو فرمایا کہ میں نے زکوٰۃ کو منسوخ نہ کیا۔ شریعت میں سے زکوٰۃ اور جہاد
کو منسوخ نہ کیا ـــ صرف ان کو خاص وقت کے لئے رعایت دی ہے۔ معلوم ہوا
کہ منسوخ کرنے کا اختیار بھی ہمارے آقا کو تھا ـــ اور منسوخ کئے بغیر کسی طبقے
کو رعایت دینے کا اختیار بھی آقا کو ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا (۱۳ ـــ ۴۰)
جب صحابہ کرام حیرت زدہ تھے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا سن لو۔ یہ رعایت دی
ہے خاص وقت کے لئے ان لوگوں کی ضرورت ہے۔ یہ عارضی دی ہے۔ جب اسلام
ان کے دلوں میں جم جائے گا۔ تو خود بخود یہ رعائتیں ختم کر دیں گے۔ اور پورے کے
پورا اسلام میں آ جائیں گے۔ بس میں نے راستہ کھولا ہے ان کے لئے۔ کہ جتنا آتے ہیں
اتنا قبول کر لو۔ جب اسلام ان میں جم جائے گا۔ جو رہ گیا ہے اس پر بھی عمل ہو جائے گا۔
تو حضور علیہ السلام نے یہ عمل مبارک قبیلہ بنی ثقیف کے لئے کیا۔
(۷) تیسرا معاہدہ جو بڑا اہم ہے۔ صلح حدیبیہ کا ـــ حضور نے ۶ ہجری
میں چودہ سو صحابہ کو لے کر حدیبیہ کے میدان میں آ گئے۔ حج کرنے کے لئے۔ کفار و مشرکین

مکہ نے روک دیا۔ احرام بندھے ہوئے ہیں۔ حج کی تیاری ہے۔ جانور ساتھ ہیں قربانی
کے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کو سفیر مقرر کیا۔ جا کر مذاکرات کیے۔ کفارِ مکہ نہ مانے طے
ہو گیا کہ ہم اس سال حج نہیں کرنے دیں گے۔ بات کیا ہوگی۔ کفار نے نمائندہ
مقرر کیا۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ مذاکرات کیے۔ حدیبیہ میں مذاکرہ ہوا۔ اس
کے نتیجے میں معاہدہ طے ہوا۔ اسے معاہدہ حدیبیہ کہتے ہیں۔ اور اس معاہدہ پر صلح
ہو گئی۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا صلح ہو گئی ہے احرام کھول دو واپس
مدینہ کو چلے جاؤ۔ حج کے بغیر تاجدارِ کائنات مکہ اور مدینہ کی سرزمین کا مالک
سارے احوال و واقعات کا مالک اور اللہ کی طرف سے ساری روحانی کا مشن
اور قدرتیں اور سب تصرف رکھنے والا۔ اور چشم زدن میں چاہے۔ تو چودہ سو صحابہ
کو ایک نہیں بخشش چاہے حج کروا دینے والا۔ کوئی طاقت رکاوٹ نہ بن سکے۔
سارا ماحول کو سازگار کر دینے والا۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے طاقت
میں ہے۔ مگر جانور ذبح کروائے اور احرام کھلوائے حج کرائے بغیر سب کے واپس چلے گئے۔
معاہدہ کیا ہوا؟ لکھا گیا۔ کہ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں حج کیے بغیر
اگلے سال آئیں۔ اور معاہدہ میں کیا ہوا کہ دس سال کے لیے ہم آپس میں صلح کرتے ہیں
میں جنگ نہیں کریں گے۔ کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ مکہ مدینہ پر
حملہ نہیں کرے گا۔ اور مدینہ مکہ پر حملہ نہیں کرے گا۔ اور جو فریق جس کسی دوسرے
سے صلح کرنا چاہے وہ مداخلت نہیں کرے گا۔ تو دس سال کے لیے جنگ
بندی کا معاہدہ۔ اور دس سال کے لیے صلح کر کے آقا علیہ السلام واپس تشریف
لے آئے۔ یہ بھی تھا۔ کہ اگر حضورؐ کے پاس مکہ کا اگر کوئی شخص آقا علیہ السلام کے پاس
مدینہ میں آ جائے۔ تو حضور اور مسلمان پابند ہیں کہ واپس مکہ بھیجیں گے۔ اور اگر مسلمانوں
کا کوئی شخص مکہ میں آ جائے تو مکہ والے اسے روک لیں گے۔ واپس نہیں کریں گے
آپ نے اس کو بھی قبول فرما لیا۔ جب سارا معاہدہ ہو چکا۔ صحابہ کرام مشتعل
ہو گئے۔ پریشان ہو گئے مضطرب ہو گئے۔ آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ کہ ہم دب
شرائط پر معاہدہ ہوا ہے۔ سمجھا گیا یہ تھا کہ مسلمان مکہ میں آ جائیں گے ہار کے

لیں گے۔ واپس نہیں بھیجیں گے۔ پتہ نہیں کیا ظلم و ستم ڈھایا جائے گا۔ اور ان کے آدمی کو
ہم روک لینے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ واپس بھیجنے کے پابند ہیں۔ پھر دس سال جنگ
بھی نہیں ہو سکتی۔ جنگ بندی بھی ہو گئی۔ کمزور شرائط۔ صلح کا معاہدہ لکھا جا
رہا تھا۔ تو دستخط ہونے لگے۔ تو کفار و مشرکین کے نمائندے نے اعتراض
کر دیا کہ اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ ہم اس معاہدے پر دستخط نہیں کریں گے۔
کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ آپ رسول اللہ کا لفظ کاٹیں اور محمد بن عبدالمطلب
لکھیں۔ تب دستخط کریں گے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا علی شیر خدا کو کہ کاٹ
دو مسلمانوں کی طرف سے۔ فرمایا علی کاٹ دو رسول اللہ کا لفظ۔ تاکہ معاہدے پر
دستخط ہو جائیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری طرف سے رسول اللہ کا کلمہ نہیں کاٹا جا
سکتا۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ رسول اللہ کا لفظ کاٹنے سے میری
رسالت تھوڑی ختم ہو جائے گی۔ خود معاہدے کے کاغذ کو لے کر۔ رسول اللہ کا لفظ اپنے
قلم سے دست مبارک سے خود کاٹ دیا۔ صحابہ کرام یہ منظر بھی دیکھتے رہ گئے۔
انگشت بدنداں رہ گئے۔ جب معاہدہ ہو چکا۔ سیدنا فاروق اعظم اضطراب
میں ہیں جذبات میں ہیں۔ آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے عرض کی
یا رسول اللہ کیا اسلام اللہ کا سچا دین نہیں۔ آقا نے فرمایا عمر ہے۔ آقا کیا
آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں۔ فرمایا عمر ہوں۔ آقا کیا۔ اللہ کی طرف
سے مسلمان حق پر نہیں ہیں۔ فرمایا اے عمر (ہاں ہیں) تو یا رسول اللہ ہم کیوں
پر ہیں۔ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسلام اللہ کا سچا دین ہے۔ کافر و مشرکین
کے ساتھ اتنی کمزور شرطوں پر معاہدہ کیوں کیا۔ ہم پریشان ہیں۔ آقا علیہ السلام
نے فرمایا عمر۔ تم اس راز کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ معاہدے کی وہ شرطیں
جو تمہیں آج کمزور نظر آ رہی ہیں۔ یہی طاقت ور بن جائیں گی۔ اور وقت آئے
گا۔ ان شرطوں کے ذریعے مسلمانوں کی فتح کا دروازہ کھل جائے گا (۱۵۱-۱۵۲)
اس میں ہماری مستقبل کی فتح کا راز پوشیدہ ہے۔ ایک سال انتظار کرو۔ دیکھو کیا رنگ
پیدا ہوتا ہے۔ پس صحابہ کرام سن کے۔ آقا کے فرمان کے بعد مضطرب تھے پریشان تھے۔ خاموش

ہو گئے مطمئن ہو گئے۔ ایمان لے آئے۔ یہ حدیبیہ کا معاہدہ تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا معاہدہ۔ جو دیکھنے میں صحابہ کرام کو بھی عجیب سا نظر آرہا تھا۔ اور ایک عام انسانی ذہن یا سکون کرنے کو تیار نہیں۔ تاجدار کائنات کی وہ حکمت تھی وہ کیا بصیرت تھی۔ جس نے آقا سے معاہدہ کروایا۔ اور کامیابی۔ اور معاہدہ سے کس طرح نکلے۔ اس کا جائزہ لیا جائے۔ اس تجزیہ کیا جائے۔ اس کا بغور معائنہ کیا جائے۔ اس کے اسباب کا نتائج کا تجزیہ کیا جائے۔ تو اس وقت پتہ چلتا ہے۔ کہ انسانیت کی آنکھ انسانیت کی ذہنی استعداد بلند ہو جائے۔ مصطفیٰ کی اتنی بلند ہے کہ انسان کا وہم ادراک اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ اس حدیبیہ کے معاہدہ نے مسلمانوں کی دائمی فتح کے سارے دروازے کھول دیا۔ اسلام کے فروغ کے دروازے کھول دیا۔ دولت اسلام کی رفعت کے دروازے کھول دیئے۔ کفر کی طاقت کو توڑ کے رکھ دیا۔ اور وہ سارے راستے کھول دیئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام عالم عرب اور دنیا کی بہت بڑی طاقت بن گیا۔

جب آقا مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ گئے تھے۔ کل صحابہ مسلمان ۴۰۰ تھے مگر ہجرت کرنے والے تھوڑے تھے۔ جس رات مواخات مدینہ ہو رہا تھا۔ ۹۰ انصار و مہاجرین جمع تھے۔ 45+45 تھے۔ جب آقا علیہ السلام حدیبیہ کے مقام پر آئے۔ اس وقت آقا کے لشکر میں ۱۴۰۰ صحابہ تھے۔ غزوہ بدر میں گئے تو 313 تھے حدیبیہ میں آئے تو ۱۴۰۰ تھے۔ اس حدیبیہ کی صرف عظیم سیاسی معاہدہ کے نتائج کا عالم یہ تھا۔ صرف دو سال کے بعد ۶ ہجری کے بعد ۸ ہجری میں پلٹ کر آئے مکہ میں حملے کرنے تو مصطفیٰ کے لشکر کی تعداد (10000) تھی۔ اور طائف کا غزوہ ہوا تو تعداد 12000 ہزار تھی۔ اور دس ہجری کا میں حج الوداع کا آخری خطبہ عطا فرما رہے تھے۔ تو مصطفیٰ کے صحابہ کی تعداد سوا لاکھ صحابہ تھے۔ اس معاہدے کی سیاسی حکمت بصیرت نے شب و روز رات دوگنا دن چوگنا اسلام نے ترقی عطا کی۔ اور سارے رکاوٹیں۔ دور کر دی۔ راستے کھول دیئے اور اسلام کا فتوحات کے لیے راستے کھلتے گئے۔

(۱۴۴۰ھ - ۸ - ۲۹ = ۲۰۱۹ - ۵ - ۵
اتوار [illegible])

۵- سیاسی حوالے سے قرآن و حدیث میں تذکرہ -۱-

بڑے سے بڑا آدمی سیاستدان اور علم و دانش کا ماہر ایسی سیاسی حکمت عملی وضع نہ کر سکے جو آقا علیہ السلام نے دنیا کو دی۔ یہ انفرادیت صرف اور صرف حضور علیہ السلام کی ذات گرامی کو حاصل ہے۔ ہماری کوشش جزوی ہو گئی ہے۔ سرکار نے زیادہ سے زیادہ دوسری قوموں سے سیاسی معاہدہ کیا ہے۔

جب غزوہ خندق کا وقت آیا تو کفار مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے ان معاہدوں سے بچانے کے لئے خندق کھودی گئی۔ اس غزوہ خندق کے موقع پر کفار مکہ کے اتحادیوں میں قبیلہ غطفان بھی شامل تھا۔ وہ کفار مکہ کے ساتھ تھا۔ حضور علیہ السلام نے خندق کھودی۔ تاکہ یہ شہر مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ اور صحابہ کرام مسلح فوجیں کھڑی ہیں۔ اور کفار مکہ اور ان کے ساتھی کھڑے ہیں۔ پس تو حضور علیہ السلام نے ڈائریکٹ قبیلہ غطفان کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیئے۔ اور ان کو حضور علیہ السلام نے آمادہ کر لیا۔ انہوں نے کفار مکہ کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ آقا علیہ السلام کے مذاکرات کامیاب ہو گئے۔ تو نتیجہ کیا ہوا کہ اسلام کو قوت پہنچی۔ اور کفار مکہ کے اجماع میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور ان کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اب وہ الگ بات ہے کہ مذاکرات ہو رہے تھے معاہدہ کیا جانے والا تھا۔ اور ان میں پھوٹ ڈال دی۔ اور معاشرے میں ان کی طاقت میں پھوٹ ڈال دی۔ یہ امام ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں بیان کرتے ہیں۔

میثاق مدینہ میں یہود اسلام کے ساتھ تھے۔ اب اس دوران یہودی رفتہ رفتہ محسوس کرنے لگے۔ کہ اسلام کی طاقت تو بڑی اونچی جا رہی ہے۔ (۱۴-۵-۱) ہم نے تو اسلام کے ساتھ معاہدہ کر کے الٹا اپنا نقصان کر لیا۔ ہم طاقتور تھے معاشی سیاسی اقتصادی سے مضبوط تھے۔ مدینے میں اپنی سلطنت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے یہودی سوچنے لگے۔ ہم تو محمد مصطفیٰ ﷺ سے اور اسلام سے یہ چھوٹی جماعت تھی جو مہاجر ہو کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ کیا چھوٹی جماعت سے اور ہمارا خیال تھا کہ ہمیں ان سے فائدہ

پہنچے گا۔ اور ہم شرمندہ ہوں گے۔ مگر معاملہ برعکس ہو گیا۔ یہودیوں نے دیکھا کہ اسلام کو
آئے دن طاقتور ہوتا چلا گیا۔ اور مضبوط سے مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ اور اطراف و اکناف
میں پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اور ہماری طاقت آئے دن کمزور ہو رہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے معاہدہ
کی خلاف ورزیاں کرنا شروع کر دیں پہلی۔ اب یہ وقت آیا۔ بہت بڑی خلاف
ورزی کا موقع تھا۔ یہودی موقع دیکھ رہے تھے کہ اسلام طاقتور ہو رہا ہے اگر وہ اندر سے کفار مکہ کا
ساتھ مل جاتے۔ اور ان کا ساتھ اگر پسند کر لیتا۔ تو بڑا نقصان پہنچتا اسلام
کو۔ اور مدینہ کو تو حضور علیہ السلام نے کیا کیا۔ کہ عین محاصرہ مدینہ پر دوبارہ ایک ایسی
سیاسی حکمت عملی کی۔ کہ اس کے نتیجے میں کوشش کہ اور یہود مکہ مدینہ کے درمیان
ایک سخت غلط فہمی پیدا کر دی۔ اور سپورٹ ڈلوا دی۔ یہود مدینہ انہیں سپورٹ
کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ غزوہ خندق اور مدینہ محاصرے کے موقع پر۔ یہود مکہ کو سپورٹ
کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ یہ تو ایسی طرح کی بات ہو گئی نا۔ کہ بھارت پاکستان پر حملہ
کرنے آئے۔ اور بہت بڑی طاقت پاکستان کے اندر ایک صوبہ اندر سے بھارت کو
سپورٹ کرنے پر تیار ہو جائیں۔

تو ایسی صورت حال غزوہ خندق پر ہونے والی تھی۔ کہ یہود مدینہ اندر سے کفار مکہ
کو سپورٹ کر دیتے نقشہ بدل جاتا۔ تو حضور علیہ السلام کی حکمت عملی دیکھیے
کہ اس وقت یہود مدینہ اور کفار مکہ میں سپورٹ ڈلوائی اور ایک غلط فہمی پیدا کی۔
اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کفار مکہ نے جب مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ تو اس امید پر کیا تھا۔
کہ ہم باہر سے حملہ آور ہوں گے۔ اندر سے یہودی سپورٹ کریں گے۔ اور مسلمانوں
کا صفایا کر دیں گے۔ اس امید پر اس یقین پر طے شدہ منشور پر حملہ کیا تھا۔
لیکن جب انہوں نے محاصرہ کیا۔ تو یہود مدینہ نے سپورٹ کرنے سے انکار
کر دیا۔ اور ان کا محاصرہ ناکام ہو گیا۔ تو حضور علیہ السلام کی یہ سیاسی حکمت عملی
کہ دشمن کی جماعت میں پھوٹ ڈالنا۔ اور اپنے لئے کم زیادہ سے زیادہ
بنانا۔ اس کی مثالیں تو میں نے آپ کو پہلے بھی دی تھیں۔

تو اس طرح آپ نے بے شمار معاہدے کیے۔ اور سب سے پہلے میثاق مدینہ

گیا ہے۔ یہ سب غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات ہیں۔

اب تیسری حکمت عملی۔ دشمن کے افراد پر اپنے اثرات ڈالنا۔ پہلا مسئلہ تھا کہ دشمن کی جو اتحادی جماعتیں ہیں۔ ان میں پھوٹ ڈالنا۔ اب یہ کہ خود دشمن کے اندر اُن کے افراد میں پھوٹ ڈالنا تاکہ اندر سے دشمن کو کمزور کیا جا سکے۔ اعداء اسلام کے اور اس طرح جو بعض دشمن کے بعض طبقات ہیں۔ انہیں اپنی طرف رغبت دلانے کے لئے انہیں اقدامات کرنا۔ اس کی مثال بڑی دلچسپ ہے کہ یمامہ کا واقعہ ہے۔ ایک مقام تھا۔

قریش مکہ کے غلّے کی وہ منڈی تھی۔ وہاں سے قریش مکہ کا غلہ آتا تھا۔ آپ حیران ہوں گے یہ بات سن کر اور یہ پورا مضمون مکمل ہوگا تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ مصطفوی انقلاب کے پیچھے سیاسی حکمت عملی کیا ہے۔

اور ہم جو مذہبی لوگ ہیں۔ جو مچھلی کی طرح تالاب سے باہر نکل کے دیکھتا ہے نہ سوچا ہے کہ نہ سمجھا ہے۔ ہم نے دین کو اور سیرت مصطفیٰ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کائنات انسانی میں کسی ماں نے ایسا بیٹا آج تک پیدا نہیں کیا۔ جس کی سیاسی بصیرت مصطفیٰ کی سیاسی بصیرت کی گرد کو کو پا سکے۔ اتنی بلند بصیرت ہے۔ کہ معروضی حالات میں دیکھئے ۸ھ۔ آقا علیہ السلام اس طرح نکل رہے ہیں۔ اپنے اسلام کے لشکر کو لے کر اور اوپر جا رہے ہیں۔ تو یمامہ میں قریش مکہ کی جو غلّہ کی منڈی تھی۔ حضور صلعم اپنی سیاسی حکمت عملی اور بصیرت کے ذریعے اس کو بند کروا دیا۔ (۱۳۲ — ۲۰) مکہ کو غلہ جاتا تھا یمامہ سے وہ غلہ بند کروا دیا۔ مصنوعی طور پر مکہ میں غلّے کی کمی ہو گئی۔ جب منڈی کا جانے والا غلّہ بند کروا دیا۔

جب ملک پر پابندی عائد کرتا ہے۔ یہ پابندیاں سیاست میں آج آئی ہیں یا چودہ صدیاں پہلے تاجدار کائنات نے متعارف کروا دیا تھا۔ یہ سوچنا ہے کہ معاشی پابندیاں لگا دینا۔ اس سے قلت پیدا ہوتی ہے تو یہ ایک پریشر ہوتا ہے۔ اور بھی کئی طریقے ہیں مگر ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ تو سرکار نے یمامہ سے آنے پر پابندی لگا

دکار۔ نتیجتاً مکہ کے اندر غلہ کی قلت پیدا ہو گئی۔ اور اس سے غذائی مشکلات
آگئیں۔ تو لوگ مکہ کی قیادت کو گالیاں دینے لگے۔ جب کھانے کو نہیں ملے گا
آج کل لوگ تو خودکشیاں کرتے ہیں۔ اور گالیاں بھی دیتے ہیں۔ اور کبھی
دوسروں کو بھی انہی کو دیتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑی خوش قسمتی کی بات ہے عوام کیلئے۔
تو جب غذائی مشکلات آتی ہیں تو پھر عوام گالیاں دیتی ہے۔ حکومت کے
خلاف بولتے ہیں۔ مخالفت کرتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ جب اندر مخالفت
پیدا ہو گئی۔ اور اس سے مشکلات پیدا ہو گئیں۔ اور مکہ کی حکومت سے
غذائی مشکلات کو دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تو عوام کو پتہ چل
گیا کہ حکومت ہماری غذائی مشکلات دور کرنے کے قابل نہیں ہے۔ تب انہیں
بتا کہ حضور علیہ السلام نے اس پابندی کو لگوا دیا ہے۔ اہل مکہ کو پتہ چل گیا۔
کہ یہ بندش حضور علیہ السلام نے لگائی ہے۔ اس سے مکہ کے عوام متاثر ہو کر
اس سے ان مفید ہوئے اور مکہ کے اندر سے مدینہ کی حمایت پیدا ہو گئی۔ کہ ہمارے
اوپر احسان کیا ہے۔ اور ایسے ہی جب ظالم حکومتوں کو روکنے کے لئے جب یہ حربہ
استعمال کیا جاتا ہے۔ تو یہ بوز توڑ بن جاتا ہے۔ اور پھر اسی طرح سے جب
یہ غذائی قلت آ گئی۔ اور نوبت قحط تک پہنچ گئی۔ اور اسی طرح ایک قحط
کا موقع تھا۔ اس میں تو حضور علیہ السلام کی طرف مکہ والوں نے اپنا نمائندے
بھیجے۔ یہاں تک نوبت آ گئی کہ حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے لگے۔
تو آپ نے اس وقت پانچ صد سونے کی اشرفیاں۔ جو آج کل کے حساب
سے کئی کروڑ بنتا ہے گا۔ ایک کثیر رقم آقا علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے ہاتھوں
مکہ معظمہ بھجوائی۔ اور وہاں کے غریبوں محتاجوں۔ اور ضرورتمندوں میں تقسیم فرمائی۔
تصور یہ دیا کہ ہتھیار کا نام صرف مٹانا نہیں ہے تو جنگ کا ہی ایک رکن ہے
ہمارا جنگ تو ان لوگوں سے ہے۔ جنہوں نے ہمیں بھی محکوم بنا رکھا ہے
جنگ تو ان سرمایہ داروں سے ہے۔ ان سرمایہ داروں سے ہے کہ
تو ہمارا کا گرد لوٹا ہے اپنا جبروت قبضہ کے تخت کو سجا کے بیٹھے ہوئے ہیں

جو کفر اور طاغوت کے علمبردار ہیں۔ تم تو غریب فقیر لوگ تم خود مظلوم لوگ
ہو۔ ہم تمہاری کامدد کرسکتے ہیں مگر ان کو پاس رہنے دیں گے۔

یہاں امام سرخسی رح وہ شرح السیر الکبیر میں لکھتے ہیں۔ امام اعظم کی
ایک کتاب ہے۔ امام محمد نے مرتب کیا۔ تو سب سے پہلی کتاب قانون کی
دنیا میں بین الاقوامی قانون دنیا کی قانون میں لکھی جانے والی کتاب امام اعظم
ابوحنیفہ کی ہے۔ تو انہوں نے اپنے شاگرد امام محمد کو نقل کروائی۔ اور اس
کا نام رکھا سیر الکبیر۔

کھانا یہ کہ سرحدوں سے اسلام کی ورکنگ کی تعداد مدینہ کے خیر خواہ پیدا ہو گئے۔ اور حکومت
مدینہ کے لئے مشکلات پیدا ہو گئیں۔ یہ بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی آقا علیہ
السلام کی۔ تو ایسے اقدامات کیے گئے۔

ایک اور سیاسی حکمت عملی جس کو آقا علیہ السلام نے اپنایا وہ کیا تھا۔ آقا ع
نے ایک اصول دیا۔ کہ جو لوگ۔ کافر و مشرک یہود کا تھے۔ اور جو سردار تھے۔ چوٹی
کے آدمی تھے۔ معتبر تھے۔ بڑی سوسائٹی میں بڑے مضبوط آدمی تھے۔ جو اور لوگ تھے
جس کے زیر اثر لوگ تھے اور عزت تھی۔ ان کا اپنا ایک مقام اور منصب تھا۔ نام
تھا کفر میں۔ فرمایا اگر کفر میں بڑے نامور لوگ اسلام قبول کر لیں گے تو اپنا اسلام میں بھی
اسی طرح کی ناموری عطا کر دی جائے گی۔ بشرطیکہ اسلام کو سمجھ کر دل و جان سے منسلک ہو گئے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ جی وہ پارٹی چھوڑ کے آیا ہے۔ اور آتے ساتھ
آتے ہی اس کو سیکرٹری جنرل بنا دیا ہے۔ بڑا عہدہ دے دیا۔ یہ تھا اسلام میں سیاسی حکمت
عملی ہے کہ اسلام میں اسی طرح کی اچھی پوزیشن کی آفر کرنا۔ یہ آقا علیہ السلام کی ایک
اہم سیاسی حکمت عملی تھی۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے۔ عمرو ابن العاص۔ کفر کی زندگی
میں اونچے افراد میں سے تھے۔ جب وہ اسلام لائے۔ تو سابقین جو اولین تھے۔
جو پہلے صحابہ تھے۔ ان صحابہ نے بھی فوجی مہمات میں بھی ان کو سردار بنا کر بھیجا جاتا تھا۔
کیونکہ جب کفر میں ہو کے ان کے پاس یہ مہارت تھی۔ وہ کمانڈر تھا۔ اتنا اونچا مقام تھا
تو اسلام میں اسی سطح کا مقام کیوں نہ دیا جائے۔ ابوسفیان رض فتح مکہ کے دن تک کافر

(۲۵۔۲۰۳) آخری لوگ مکہ فتح ہو جانے پر جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اُن میں سے ابو سفیان ہیں۔ وہ جنہوں نے فتح مکہ پر اسلام قبول کیا۔ مگر چونکہ بہت بڑے سردار تھے۔ اور قریش میں اُن کا بڑا اثر تھا۔ بڑے گھرانے والے تھے۔ بڑے خاندان والے تھے۔ لہٰذا اُس ابوسفیان کو جو فتح مکہ پر مسلمان ہو گئے۔ آقا ؐ نے نوازش کیا کی۔ کہ مکہ فتح کر کے جب اندر شہر میں انٹر ہو گئے۔ آقا علیہ السلام نے اعلان کیا۔ کہ میں ابوسفیان کے گھر کو دارالامن قرار دیتا ہوں۔ جو اس کے گھر میں پناہ لے گا۔ وہ موت سے بچ جائیگا۔ اُس کو امن دے دیا۔ جو ابوسفیان کے گھر میں آگیا امن میں آگیا۔ اُنہیں بڑی عزت عطا کر دی آقا علیہ السلام نے اس عزت دینے سے پھر اُن کے دل بڑے ہوتے تھے۔ حوصلہ ملتا تھا۔ پھر وہ دوسرے سردار بھی بڑے متاثر ہوتے تھے۔ انہیں بھی ترغیب ملتی تھی۔ انہیں یہی ڈر تھا نا۔ کہ ادھر تو بڑے سردار آ گئے تھے۔ اور بڑے بڑے اونچے لوگ کہ اسلام میں جائیں گے تو مسکین بن جائیں گے۔ اور سارے ہی مل برابر ہوں گے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اس برابری سے گھبراتے تھے۔ کہ ہماری حیثیت ختم ہو جائے گی سوسائٹی میں۔ تو جو بلال ہمارا غلام ہوا کرتا تھا۔ اور بلال حبشی اور مکے کا سردار برابر ہو جائیں گے۔ اُن کی جو رعونت بد دماغی تھی۔ اور وہ انہیں اس طرف بھی نہیں آنے دیتی تھی۔ اور رکاوٹ بھی بنا ہوتی تھی۔ آقا علیہ السلام کی سیاسی حکمت عملی دیکھئے۔ اس رکاوٹ کو بھی ہٹا دیا۔ فرمایا تم سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ۔ ادھر سردار ہو۔ تو یہاں بھی سردار بنا دو۔ حکمت عملی آقا علیہ السلام کی کیا ہے۔ کہ اُن کو عزت دی

پھر آگے آئیے خالد بن ولید کو وہ کمانڈر ہیں لشکر کے۔ حتیٰ کہ غزوہ احد میں کفار مکہ کے لشکر کا کمانڈر ان چیف کون تھا۔ کمانڈ کس کے ہاتھوں میں تھی۔ احد کا جو حملہ ہوا ہے۔ اور وہ قافلہ جب دوبارہ پلٹ کر آیا ہے۔ وادی میں سے جب دوبارہ حملہ کیا ہے۔ ۷۰ نوجوان صحابہ جو کہ ذہین شہید ہو گئے۔ جنگ جیتے ہوئے دیکھو سر سال

غنیمت کے لئے آگئے تھے۔ تو دوبارہ پلٹ کر آئے ہیں۔ وہ حملہ بھی خالد بن ولید نے کیا تھا۔ جس میں ستر صحابہ شہید ہو گئے۔ کئی ستر زخمی ہو گئے۔ تو خالد بن ولید جو جنگ احد تک اسی مقام تک پر رہے۔ جب اسلام کی طرف آئے ہیں۔ تو آقا علیہ السلام نے داخل ہوتے ہی اس خالد بن ولید کو سیف اللہ بنا دیا۔ اللہ کی تلوار بنا دیا۔ (۲۶-۳۵)۔ تو اس حکمت عملی کو بھی آقا علیہ السلام اپناتے۔ بڑے بڑے موثر لوگوں کو آقا علیہ السلام اسلام لانے کی ترغیب دیتے۔

پانچویں آقا علیہ السلام کی حکمت عملی ایک اور بھی تھی۔ وہ تالیف قلب۔ جو چھوٹی چھوٹی قومیں ہو تیں۔ اور چھوٹے چھوٹے قبیلے ہوتے۔ ان کی سب بڑی حیثیت تو نہیں ہوگی۔ بارہ بارہ چھوٹے قبیلے چھوٹے گروہ۔ وہ بھی اس نے کسی صورت کسی سے تو مل ہی جاتیں کیونکہ یہی صورت ہے۔ اور ایک ایک کر کے تو گیارہ بن جاتے ہیں۔ (۳۶-۴۱) تو وہ سب مل جاتی ہیں۔ تو ان کی بھی تالیف قلب فرماتے۔ مالی معاونت کرتے۔ ان کے لئے سہولتیں دیتے۔ ان کے ساتھ مذاکرات کر کے۔ ان کو اچھی آفر دیتے۔ اور اپنے قریب کرتے۔ سہولتیں دیتے۔ اور سہولت دے کے سیاسی سماجی طور پر ان کے ساتھ تعاون فرماتے۔ سفارتی سطح پر تعاون فرماتے۔ اقتصادی سطح پر تعاون فرماتے۔ تو سیاسی سفارتی اقتصادی سماجی ~~اتنے اقدامات~~ اقدامات کر کے اور دل کو لگاتے۔ ان کے دلوں کو ترغیب دیتے۔ اور چھوٹی چھوٹی قومیں بھی دور دور تک آقا علیہ السلام کے پاس اسلام کے دامن میں شامل ہوتی چلی جاتیں۔ اور یہ چلتا رہا۔ پھر کبھی کہ اس قبیلے نے بھی اسلام کے ساتھ ملنے کا اعلان کر دیا۔ پھر آتی اس چھوٹے قبیلے نے بھی اسلام کے ملنے کا اعلان کر دیا۔ بنی فلاں قبیلے نے بھی اعلان کر دیا۔ اس کا ایک نفسیاتی اثر پڑتا تھا۔ پورے خطہ عرب پر۔ دائیں بائیں کہ ساری دنیا اسلام کے ساتھ مل گئی ہے۔ لہذا اس اتنی بڑی طاقت بن گیا ہے۔ تو یہ بھی اسلام کی فتح میں بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ تو آقا علیہ السلام نے یہی ان چیزوں (۳۰-۸۰) کو بہت اندازہ فرمایا۔ یہ جو ساری صورت حال آپ کے سامنے ہو رہی ہے۔ اس کے فوائد یہ ہوتے۔

پانچ گزشتہ حکمت عملی ہے میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں۔ اب دیکھیں

اس کے فوائد کیا ہوں گے ۔ اسلام جو دس سال ہجری میں ہی اپنی منزل پر پہنچانا چاہتا تھا۔ اور خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں بین الاقوامی برادری کو اسلام کا ورلڈ آرڈر دینے کے قابل ہو گیا۔ آقا علیہ السلام نے جب خطبہ دیا حجۃ الوداع کا ۔ یہ حجۃ الوداع محض ایک خطبہ نہ تھا۔ بلکہ نیو ورلڈ آرڈر تھا ۔ جس نے ثابت کیا استحصالی نظام عالم کو منسوخ کر دیا ۔ اور نسل عالم انسانیت کے لئے عدل و انصاف اور برابری پر ایک نیا نظام عالم عطا کر دیا۔ یہ جو قومی سطح پر ایک ملک عرب میں فتح ہوئی ۔ اور بین الاقوامی سطح پر سلطنت ریاست کے مقام پر اسلام ایک عالمی طاقت بن کر — ۔ اور سلطنت ایران کے مقابلے میں ایک طاقت بن کے ابھر آیا — اور یہ عالمی طاقتیں جس کے آپس لڑتی تھیں بین الاقوامی سطح پر اس کا اثر بڑھتا چلا گیا۔ تا کہ بڑی بڑی سماجی طاقتیں اسلام کے آگے سرنگوں ہو گئیں ۔ اور انہیں سرنگوں ہونا پڑا کہ وہ وقت آیا۔ ایران پر بھی سلطنت اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا ۔ اور ادھر قیصر روم کی سلطنت بھی ختم ہو گئی۔ اور قسطنطنیہ پر بھی اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا ۔ اور کسریٰ ایران کے محلات پر بھی اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا ۔ یہ جو عظیم کامیابی ہوئی ۔ اس کی اساس اور اس طرح کی سیاسی حکمت عملی پر رکھی گئی تھی — مگر پہلے دن سے آقا علیہ السلام حکمت عملی معاذ اللہ تنگی پر مبنی ہوتی محدود ہوتی ۔ اس میں وسعت نہ ہوتی ۔ اس میں وسعت پذیری نہ ہوتی ۔ اس میں ایک قوت حکمت عملی کا سلسلہ شامل نہ ہوتا ۔ اس میں چھوٹوں بڑوں کو ترغیب دینے کا عمل شامل نہ ہوتا ۔ اس میں بڑی عظیم حکمت عملی کے سے رکھ ۔ آقا علیہ السلام کا آگے بڑھنا اس میں شامل نہ ہوتا ۔ اور دیکھو ان شروع سے اپنا دل بچا کے چلتے اور یہ کہتے کہ یہ یہودی ہیں۔ استغفراللہ — ان کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ ان کے ساتھ نہیں مل سکتے — یہ کافر ہیں ۔ ان سے حدیبیہ میں معاہدہ نہیں کر سکتے ۔ یہ مشرک ہیں ۔ ان سے ہم معاہدہ نہیں کر سکتے ۔ یہ عیسائی ہیں یہ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا بنانے والے مشرک ہیں ۔ ہم توحید والے لوگ ہیں ۔ ان سے ہمارا مذاکرات اور معاہدات نہیں ہو سکتے ۔ اگر اس طرح کی سوچ پہلے دن سے تنگ نظری کو پکڑ لیتے اور ایک سمت چلتے چلے جاتے ۔ اور یکے بعد دیگرے

یہودی ملیسے آئی مشرک طاقتوں اور قبیلوں کا موسیٰ سے ٹکراؤ کر کے ہنگامی طور پر بیر شبع العاہدات
یا طویل العاہدات کر کے آگے نہ بڑھتے تو بعد میں اسلام نے تقریباً دس سال کے اندر
عرب کی سرزمین پر فتوحات حاصل کیں۔ اور فلسطین کی سرحد تک آقا علیہ السلام
کے وصال سے پہلے اسلام کی سرحدیں بڑھ گئیں۔ ادھر سرحد ایران تک۔ ادھر سرحد
شام تک پر سارا کا سرحدوں تک حضور علیہ السلام کے وصال سے قبل اسلام کی سلطنت
کی سرحدیں۔ اور اسلام کی دعوت وصال مصطفیٰ سے قبل برصغیر کی موجودہ پاکستان
کی سرزمین تک آ گئیں۔ وصال نبوی سے قبل آقا علیہ السلام کے زمانے میں سندھ
اور بلوچستان کے لوگ قبول اسلام کے لیے آقا علیہ السلام کے پاس آ چکے تھے۔ چین تک
دعوت پہنچ گئی۔ چائنہ میں دعوت اسلام پہنچ گئی۔ افریقہ میں دعوت پہنچ گئی
تھی۔ اور آقا علیہ السلام نے صحابہ کرام کو روانہ کر دیا تھا۔ اور بعد میں آپ حیران ہو گئے
ہوں گے میں لاہور کی بات بتا رہا ہوں۔ لاہور میں پہلا حملہ۔ صحابہ کرام نے کیا
ہے فتوحات کے سلسلے کا۔ ۴۱ ہجری میں ~~...~~ حضور علیہ السلام کے وصال
کے صرف ۳۰ برس بعد خلافت راشدہ کا خاتمہ ۴۰ھ میں ہوا۔ اور بنو
امیہ کی ابتداء۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں۔ ۴۱ھ میں بنو امیہ کا پہلا
سال۔ اور مسلمانوں کا لشکر لاہور کی طرف آ گیا۔ صحابہ کرام داخل ہو گئے۔
آپ تو یہ سمجھے رہتے ہیں کہ محمود غزنوی کا لشکر آیا۔ محمود غزنوی تو
صدیوں بعد آئے۔ کوئی چار سو سال بعد آئے۔ مگر میں بتانا چاہتا
ہوں کہ لشکر اسلام لاہور کی حدود میں ۴۱ھ میں داخل ہو گیا تھا۔ بعد
میں یہاں سے واپس گیا۔ یہ لاہور کی بات ہے۔ اور آپ نے یہ سن رکھا ہے
سندھ میں اسلام کا لشکر محمد بن قاسم کے ساتھ آیا۔ وہ راجہ داہر کا
واقعہ جو سن رکھا ہے۔ محمد بن قاسم کے سن ۹۲ اور ۹۴ھ کے واقعات
جو آپ پڑھتے ہیں۔ یہ بعد کے دور کی بات ہے۔ سندھ اور دیبل اور کراچی کی
سرزمین میں صحابہ کرام کا پہلا لشکر سیدنا فاروق اعظم کی خلافت راشدہ
کے دور میں سن ۱۶ ہجری میں آیا۔ لاہور میں پہنچا ۴۱ ہجری میں۔

حضور علیہ السلام کے وصال کے صرف ۱۰ سال بعد۔ اور سندھ اور کراچی کی سرزمین میں پہنچا۔ ۱۶ ہجری میں۔ آقا علیہ السلام کے وصال کے پانچ سال بعد سیدنا فاروق اعظم کے زمانے میں۔ بلوچستان میں بھی اسلام اسی میں آیا۔ یہ ایران کی فتوحات کے بعد بلوچستان میں سیدنا فاروق اعظم کے دور میں آگئے ہیں۔ سندھ میں سیدنا فاروق اعظم کے دور میں آیا۔ شاید سمجھیں کہ چائنہ میں بعد میں گئے۔ چائنہ میں اسلام کی دعوت سیدنا عثمان غنی کی خلافت میں خود چائنہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اور چائنہ کا ایک بادشاہ مسلمان ہو گیا۔

یہ جو اتنی عظیم کامیابی ہوئی شاید ہو گا۔ کہ اندلس میں سپین میں طارق بن زیاد گئے۔ ۹۲ھ میں طارق بن زیاد نے سپین فتح کیا۔ اور ۹۲ اور ۹۳ میں محمد بن قاسم یہاں آیا۔ بیک وقت دونوں چلے۔ محمد بن قاسم انڈیا کی طرف سندھ کی طرف آئے۔ طارق بن زیاد سپین کی طرف گئے۔ اور مسلم بن قتیبہ وسطی ایشیا کی ریاستوں میں گئے۔

سپین پر پہلا قدم صحابہ کرام نے اسلام کے لشکر نے ۲۷ھ میں سیدنا عثمان غنی نے بھیجا تھا۔ تو پتہ چلا کہ خلافت راشدہ کے دور میں۔ سپین یورپ کا ملک تھا۔ تو خلافت راشدہ کے دور اسلامی سلطنت کی طاقت پورا اسلام کی افواج یورپ میں داخل ہو گئی۔ افریقہ میں جا گئی تھی۔ چائنہ میں آگئی تھی۔ سندھ میں سندھ و سندھ افغانستان میں آگئی تھی۔ اسلام پوری دنیا کی ایک طاقت خلافت راشدہ کے دور میں بن گیا تھا۔ بعد میں فتوحات مستحکم ہوتی چلی گئیں۔ اور اسلام کی چھاؤنیاں بنتی چلی گئیں۔ یہ جو عظیم کامیابی ہے۔ اس کامیابی کی بنیاد آقا علیہ السلام کی اس عظیم عالمی سیاسی حکمت عملی پر رکھی گئی تھی۔ جس کی نظیر کائنات انسانی کی تاریخ میں۔ نہ کوئی پہلے دے سکا نہ قیامت تک کوئی دے سکتا۔ اس کے فوائد کیسے ہوئے۔

Sabhas
12-6-2019
13-10-1440

8-56 PM
پیر شریف

۴۳۳ - سیرۃ النبی ﷺ خطاب ۴۱۸ 21-5-1999

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حضور علیہ السلام کی سیاسی حکمت عملی کثیر الجہات تھی ۔ اس کے فوائد کیا ہیں ۔ حضور علیہ السلام کی کامیاب حکمت عملی تھی ۔ اس کے فوائد یہ ہیں ۔ بنو ... یہودیوں اور مدینہ کے معاہدات ہو گئے ۔ دشمنوں پہ ہر شہر کٹ گئے ۔ خاص حقیقت سیلے تھے ۔ کفار مکہ کے مقاصد کیا تھے ۔ وہ ماننے کو تیار نہ تھے ۔ ہجرت کے بعد اور مدینہ کے میثاق سے حضور علیہ السلام کو مان لیے ۔ سربراہ بن گئے ۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے حضور علیہ السلام کو اپنا لیڈر سربراہ مان لیا ۔ یہ سب سے بڑا ... نمبر تھا جس کی وجہ سے دنیا اسلام کو مانا گیا ۔ حدیبیہ میں رسول اللہ کا لفظ لکھوا دیا ۔ ہمارے ملک میں نیز جماعتیں جو دینی کام کر رہی ہیں ۔ مغرب کی جماعتوں کو سیاسی قیادت کو نہیں مانتے ۔ اور اس کے برعکس جب آدمی کا موجودہ ذکر ... کامیاب کر سکتا ہیں ۔ 1990 میں سیاست میں آئے تو ماننے کیلئے تیار ۔ عالم مانتے تھے ۔ محدث مانتے تھے ۔

ہم نے تو تین دفعہ حکمت عملی کا تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے ۔ مگر قربان جائیں حضور کی دانش پر کہ آپ نے چودہ سو سال پہلے حکمت عملی عطا کر دی ۔ اگر حضور بھی یہودی ریاست ... حکمت عملی کا ... کر لیتے تو اسلام ... ۔ حضور علیہ السلام کا فکر و عقل دانش جو ... سب سے اونچا ہے ۔ اور کافروں اور یہودیوں سے ... حکمت عملی سے اسلام کو عطا ... ہیں ۔ تاکہ اسلام کے دشمن یہودی ... مکہ والوں ۔ چند سالوں میں ... جائے ... دیکھا ... کون ہیں اور ... ۔ اور معاہدہ کرتے چلے گئے ۔ آپ نے جس جس سے معاہدات کر لیے تھے وہ آپ کو مان کر آپ کے ساتھ ہوتا چلا گیا ۔ اور مغرب کی لوگوں کو ماننا پڑے گا ... کریں ۔ اگر آپ کو مولوی مانتے رہیں گے تو آپ کے پیچھے کوئی آنے کو تیار نہیں ہوگا ۔ سب سے پہلے غریب آتے ہیں ۔

وہ کہا کہ اپنے برابر بھی ماننے کو تیار نہ تھے ۔ ... کے برابر پوری کائنات میں ... ہے ۔

معاہدات کا دوسرا فائدہ یہ ہوا ۔ تو ... یہودیوں نے بھی کہا کہ چلو ہم بھی مان لیں ۔

اردگرد پیشوا ہوا کہ چالیس میں بھی حضور کا اسلام کو مل گئے — اور آج 20 ہم عید میں کو بھی اپنے
قدموں کی خیرات عطا فرمائی ——— ہماری عزت اسلام کی وجہ سے ہے
بس مولویوں کا کام ہے۔ نماز روزہ - نکاح طلاق و جنازہ دعا کرنا ——— کفار مکہ
سے معاہدہ کر لیا ——— پتہ چلا کہ یہ لوگ لانگ ٹرم میں نہ انتہا پسند ہے۔ بلکہ معتدل ہیں
وسیع النظر ہیں ——— ہے ——— تب صلح نامہ حدیبیہ کہ یہ دس سال کے لئے جنگ بندی ہو گی۔
اردگرد کے قبائل بھی اسلام کی اس کو مل گئے ——— دو سال میں بھی مکے اور خیبر کی طاقت
تھی ——— سارا مدینہ کی زندگی خطرے ——— سے باہر نہ تھی ——— واپس آکر حضور ﷺ نے خیبر
پر حملہ کر دیا ——— اور حلیف مکہ والوں کو بند کر دیا۔ خیبر کو جنگ ——— سے فتح کر دیا ——— علاوہ
6 ہجری میں خیبر فتح کیا۔ 2 سال کے بعد مکہ والوں کو سمجھ آ گئی ——— 8 ہجری میں -
مکہ کو فتح کیا ——— دونوں کو اکیلا کر دیا۔ اور فتح کر دیا ——— امام سرخسی کو شکست
الاالہ کہتے ہیں ——— مسعود کی حکمتوں کو آٹھ نے سمجھا اور بیان کیا ———
جب ہجرت ہوئی صحابہ کرام بدر میں 313 - صلح حدیبیہ کا وقت 1400 - فتح مکہ دس
ہزار تھے - فتح حج دیا تو سوا لاکھ تھے - ایک وقت آیا کو اللہ پاک نے اعلان کر دیا
الیوم اکملت لکم دینکم ——— اس میں بڑی وسعت ہے ——— ۔

بدھ

26 — 6 — 2019
۲۶ — ۶ — ۲۰۱۹
۲۲ — ۱۰ — ۱۴۴۰

۷ — ۴۷ — ۳۷ PM

۴۳۳- سیرۃ النبیؐ خطاب ۴۱۹

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ـ (سورۃ الصف)

• وہ اسلام کے دشمن چاہتے ہیں کہ کہیں اسلام غالب ہو جائے۔ اور کوشش کرتے رہتے ہیں ـ کہ کہیں اسلام کا نظام نافذ نہ ہو ـ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ بننا چاہتے ہیں۔ اور مختلف کوششیں کرتے ہیں۔ اس اسلام انقلاب میں مزاحمت پیدا کرتے ہیں ـ اگر کوئی تحریک گامزن ہو جائے اسلام کے غلبہ و استقامت کیلئے۔ اور مصطفوی انقلاب کیلئے جدوجہد کر رہی ہو۔ تو اس کو روکنے کی جو لوگ کوشش کرتے ہیں اللہ رب العزت نے اس مقام پر ان کوششوں کو پھونکوں سے تعبیر کیا ہے۔ کہ ان کی حیثیت سوائے پھونک کے اور کوئی نہیں ہے فرمایا لیطفئوا نور اللہ بافواھھم۔ وہ جو پھونکیں مارتے ہیں وہ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ یہ جو پھونک ہے اس کو حیثیت قرار دیا ہے ـ یہ کوئی اتنی بڑی چیز نہیں جس سے آپ ڈر جائیں۔ اور نہ اس کی کوئی طاقت ورنہ اتنی کوئی توت والی چیز نہیں ہے ـ کہ جو اسلام کو روکنے کے لئے مقصود بندی ہو رہی ہے ـ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر تمہارا ایمان مضبوط ہے ـ توکل مضبوط ہے۔ تو جدوجہد ہی صادق ہو ـ تو سارے مخالفانہ کوششیں محض چند پھونکیں ہیں ـ اور پھونکیں کبھی وہ اتنی کمزور جو چراغ کو بھی نہ بجھا سکیں ـ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ایسے لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اب یہاں جو بات توجہ طلب ہے ـ وہ مراد اللہ کا نور کس کو کہا گیا ہے۔ لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ـ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں۔ اللہ کا نور کس کو کہا گیا ہے ـ (۱۳-۸) یہ بات توجہ طلب ہے اور قرآن مجید کی ~~تحریکیں اور~~ سے اس مقام کی تحریکی اور انقلابی تفسیر کر رہا ہوں ـ اللہ کا نور سے قرار دیا گیا ہے ـ اس کا تعین ہو گا کفار و مشرکین کو دیکھ کر وہ کر کیا رہے تھے ـ وہ چاہتے کیا تھے ـ وہ کر کیا رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہو گا سب جو وہ بجھانا یا مٹانا چاہ رہے تھے ـ اس کو اللہ نے اپنا نور قرار دیا ہے یہ معنی تو برحق ہے اس کا کہ وہ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔ کہ بے شک اسلام اللہ کا نور ہے۔ مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لئے مٹانا کیسے چاہتے تھے۔ اسلام کو مٹانے کے لئے بجھانا کیسے چاہتے تھے ـ ان کی لڑائی تو احکام اسلام تو نہیں تھی ـ

کہ اسلام کا حکم آگیا کہ حکم کے خلاف لڑائی کر رہے ہیں۔ روزہ کے احکامات۔ زکوٰۃ
کے احکامات کہ وہ احکام کے خلاف کوئی جنگ کر رہے ہوتے۔ اللہ کی عبادت آگئی
تو اللہ کی عبادت کے تصور کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کر رہے ہوتے۔ قرآن
مجید کی وحی آگئی تو وحی کا جو مضمون ہے۔ وہ قرآن وحی الٰہی یہ مطالب قرآن۔
معانی قرآن۔ ناطق قرآن سے کر کے تعلیمات کا براہ راست مقابلہ کر رہا ہیں
اگر وہ تعلیمات کا براہ راست مقابلہ کر رہے ہوتے۔ تو وہ تعلیمات کے مقابلے میں اور
ایک تعلیم لے آتے۔ اور قرآن کے دیئے ہوئے فلسفوں کے مقابلے میں کوئی فلسفہ
لے آتے اور قرآن کے احکام کے مقابلے میں کوئی احکام گھڑ کے لے آتے۔

قرآن کی تعلیم کے خلاف کوئی ایجوکیشن لے آتے کہ یہ قرآن کی تعلیم غلط ہے۔
اس کے مقابلے میں ہماری تعلیم درست ہے۔ قرآن نے حکم دیا تھا۔ تو اس
کے مقابلے میں کوئی ایسا حکم لے آتے۔ اور کہتے کہ یہ حکم خراب ہے۔ اس حکم
کے مقابلے میں اس حکم کو سنو یہ درست ہے۔ قرآن نے ایک سسٹم دیا تھا
اس کے مقابلے میں قرآن کے سسٹم کو پلیش کرتے۔ مقابلے پر لاتے۔
اس کا مقابلہ اپنے طریقے سے تو آپ دیکھتے ہیں۔ کہ آپ اس تحریک کے
لئے سرگرداں ہیں۔ اور آج ~~[illegible]~~ آج تک اسلام کا اور اسلام کے ماننے والوں
کا کرنٹ ایک ہی چلا آرہا ہے۔ آپ کی جو اسلام کی مقابلوں پر تاریخ آئے گا۔
اس کے ایجنڈے وہی ہوں گے جو کفار مکہ کے تھے ہوں گے۔ باطل کا کیرکٹر
ہمیشہ سے ایک ہے (۱۵/۱۲) حق نے ہمیشہ اصول کی
بات کی ہے۔ حق نے ہمیشہ ایک چیلنج دیا ہے۔ ایک پروگرام دیا ہے۔ ایک
فلسفہ اور ایک تعلیم دی ہے۔ باطل کو منکرین کے لئے پوری تاریخ میں کبھی جرأت
نہ ہوئی کہ اس کے مقابلے میں باطل نے کوئی تعلیم دی ہو۔ پروگرام کے مقابلے
میں کوئی پروگرام لا سکے۔ علم کے مقابلے میں علم لائے۔ فلسفے کے مقابلے میں
کوئی فلسفہ لا سکے۔ فکر کے مقابلے میں فکر لائے۔ (۳۰-۱۳) باطل ایک
سازش کرتا ہے اس کا ایک نظام ہوتا ہے۔ کسی کے خلاف شخصیت پر کیچڑ

اچھالتا ہے ۔ لوگوں کو ورغلاتا ہے ۔ ہر دور کے میڈیا کو یوز کرتا ہے ۔ افراد کو یوز کرتا ہے ۔ یا حملے کرواتا ہے ۔ یا اذیت دیتا ہے ۔ یا ہنگ کرتا ہے یا مرواتا ہے ۔ یا قتل کرواتا ہے ۔ یا مشکلات میں بھجواتا ہے ۔ الغرض باطل کے پاس جس طرح کے وسائل ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے وسائل کے بل بوتے پر جنگ گندی جنگ لڑتا ہے ۔ گھٹیا جنگ لڑتا ہے حق ہمیشہ اونچی جنگ کرتا ہے ۔ حق اپنے پروگرام کے مطابق بات کرتا ہے ۔ باطل اپنی پستی کے مطابق گھٹیا مقابلہ کرتا ہے ۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ یہ پرانی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں ۔ بھلا ان کی پھونکوں سے بھی میرا چراغ بجھ جائیگا ۔ تو باطل پھونکوں سے حق کے چراغ کو نہیں بجھایا جا سکتا ۔

تو نکتہ یہ ہے کہ نور اللہ کیا ہے ۔ جس کو جس کو باطل اور کفر بجھانا چاہتا تھا ۔ وہ نور کیا ہے ۔ تو ایک تو یہ ہوا کہ محفوظ اسلام ہے ۔ یہ نور اللہ ہے جس کو بجھانا چاہتے تھے ۔ یہ ایک منطقی تصور ہے ۔ عملی وجود نہیں ہے اس بات کا ۔ اس بات کو ایک عقلی وجود تو ہے ۔ مگر زمین پر اس کا ایک عملی وجود نہیں ہے ۔ اس لیئے کہ اسلام کو بجھانا اسلام نہ کسی انسان کا نام ہے ۔ ویسے کو مغربی ممالک میں چلے جائیں تو مولانا معراج الاسلام ہمارے شیخ الحدیث ہیں نا ۔

اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا اپنا کوئی وجود تو نہیں تھا کہ جس کو قتل کر دیں ۔ کہ اسلام بجھ گیا ۔ جس کو مٹا دیں اور کہیں کہ اسلام ختم ہو گیا ۔ اسلام تو تعلیمات کا مجموعہ ہے ۔ اسلام تو قرآن و سنت کے احکام کا مجموعہ ہے ۔ اسلام تو اللہ کا پیغام ہے ۔ اس کو کیسے مٹا سکتے ہیں ۔ اس کو مٹانے کے لیئے کسی اور کو مٹا دیں گے ۔ تو تبھی اسلام مٹے گا نا ۔ اگر وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں ۔ تو وہ ذات کون تھی ۔ اور وہ ذات مقدسہ کون ہے ۔ کہ کفار کی نگاہ میں اگر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے ۔ تو اسلام کا چراغ بجھ جائیگا ۔ وہ ذات محمد ﷺ

(حضور کی شخصیت اللہ کا نور ہے)

صلی اللہ علیہ السلام کی کہی ۔۔۔ تو حقیقت میں عملی معنی یہ ہوا۔ کہ یہ لوگ اللہ کے
نور کو اپنے منہ سے پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ یعنی اس عظیم محبوب یہ
آپ کی زندگی کو ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ تاکہ اسلام ختم ہو جائے۔ اور آپ
کو مٹانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خدا کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں۔ تو ذات
مصطفیٰ کو اللہ نے قرآن میں اپنا نور قرار دیا۔ (۱۶-۲۱) کہ اگر آپ
محض انسان ہوتے وہ تو آپ کو مٹا لیتے۔ اور صرف آپ انسان ہی تو نہیں
ہیں۔ آپ کچھ اور بھی تو ہیں۔ انسان تو آپ بعد میں بنائے گئے۔ پہلے تو
میرا نور بنائے گئے۔ پہلے تو حضور کا وجود اللہ کے نور کی شکل بنا۔

اور جب انسانیت کی دنیا کا وقت آیا۔ تو انسانیت کا
لبادہ اوڑھا دیا گیا۔ تو اللہ کا نور پہلے ہی اور انسان بعد میں بنے۔
تو یہ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ واللہ متم نورہ۔
اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ تو دو معنی ہو گئے۔ پہلا معنی کہ محض
اسلام اللہ کا نور ہے۔ دوسرا معنی محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اللہ کا نور ہے۔
اور اسلام کو مٹانے کا مطلب یہ سمجھتے تھے۔ کہ اللہ کے نور کا چراغ بجھ جائے
گا۔ جب نور محمدی کی رسالت کا چراغ بجھ گیا۔ تو اسلام خود بخود
مٹ گیا۔ تو نبوت مصطفیٰ بھی نور ہے۔ رسالت مصطفیٰ ﷺ بھی نور ہے۔
حضور کی زندگی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ تو حضور کی ذات پاک بھی نور ہے
اور بعد حضور کی سرگرمیوں کو دبانا چاہتے تھے۔ تو جو تحریک مصطفیٰ ﷺ
بپا کی۔ وہ تحریک مصطفیٰ بھی نور ہے۔ تو حضور کی کوشش بھی نور
ہے۔ آقا کی تحریک اسلام بھی نور ہے ۔۔۔ (۱۲-۲۳) آقا کی تبلیغ کو
مٹانا چاہتے تھے۔ تو حضور کی تبلیغ بھی نور ہے۔ تو ہر وہ قدم جو وہ دین اسلام
کے لیے اٹھ رہا تھا۔ اور ہر وہ سرگرمی جو اشاعت اسلام کے لیے بروئے کار
لائی جا رہی تھی۔ اور ہر وہ جدوجہد اور تحریک جو اسلام کی اقامت کے لیے حضور
علیہ السلام کر رہے تھے تو آپ پورا فرما رہے تھے۔ تو آقا کا ہر قدم حرکات مسکنات

آپ کی تحریک آپ کی (۴۲ - ۴۳) آپ کی ہر جدوجہد وہ سب نور خدا ہی
ہے نور خدا ہے کفر کی حرکت سے خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
اب آگے چلئے۔ صرف یہی نوراللہ نہیں ہے۔ جو آقا سے جڑ گئے وہ بھی نوراللہ ہو گئے۔ جیسے صدیق اکبر آ گئے۔ اب صدیق اکبر بھی حضور کی تحریک کے کارکن ہو گئے۔ آقا علیہ السلام نے جماعت بنا دی۔ سب سے پہلی تحریک۔ سب سے پہلی لیگ۔ تنظیم۔ آقا کی جماعت صحابہ کرام کی بنی۔ اور اس کے پہلے کارکن کون تھے۔ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی شیر خدا۔ وہ صدیق اکبر کو مٹانا چاہتے تھے۔ جان سے مارنے کی کوشش کی۔ زد و کوب کیا۔ ضربیں لگائیں۔ لہولہان کیا۔ وہ جان سے مر گئے کفار چلے گئے یہ سب کچھ صدیق اکبر نے کیوں کیا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ ان سے ہی اسلام پھیل رہا ہے۔ اس اسلام کو تقویت پہنچ رہی ہے۔ وہ بھی نورالٰہی ہو گئے۔ جو بھی مصطفیٰ کی تحریک کا کارکن بنتا گیا۔ وہ بھی نورالٰہی بنتا گیا۔ اور ان کی سرگرمیاں بھی نورالٰہی بنتی گئیں۔ پھر فاروق اعظم آ گئے۔ آقا علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے اللہ اسلام کی تحریک کو عمر بن الخطاب کے ذریعے طاقت دے۔ اللہ پاک نے فرمایا جو آپ کی زبان سے نکل گیا ہے اسی کو بھیج دیتے ہیں۔ آقا علیہ السلام نے جو اس بنا رکھا تھا۔ جو مکہ میں ہیڈ آفس تھا وہ دار ارقم تھا۔ صبح سویرے آقا علیہ السلام ہر روز آ جاتے سارا دن اپنے دفتر میں بیٹھتے۔ دفتر اسلام میں بیٹھتے۔ دفتر مصطفیٰ۔ وہ دار ارقم تھا۔ اور صحابہ کرام بھی اپنے گھروں سے نکل پڑتے۔ اپنے شہر کے کام میں نکل پڑتے۔ حضور گھر سے نکل کر یہاں آ کے بیٹھ جاتے۔ اور صحابہ کرام اپنے گھروں کے کام میں نکل پڑتے۔ ایک سے ملے۔ دوسرے سے ملے تیسرے سے ملے۔ اس کو مصطفیٰ کی باتیں سنائی۔ اس کو حضور کی باتیں سنائی۔ نرم نرم گرم کر کے فرماتے چلو تمہیں اپنا یار دکھاتے ہیں۔ پھر آقا علیہ السلام

کی بارگاہ میں لاکر پیش کر دیا۔ مضمون یہاں تک معلوم کرنا ہمارا کام ہے۔
آگے بتا دینا آپ کا کام ہے۔ تو جب آقا علیہ السلام کا چہرہ پاک دیکھتے تھے
جو کسر رہ جاتی تھی وہ نکل جاتی تھی ---- تو فاروق اعظم وہ لوگ تھے آئے
گئے۔ تلوار کے ساتھ مگر ہوش کھا گئے۔ فرمایا اسے عمر ایک میری تلوار
ہے۔ اور ایک ہماری تلوار ہے۔ اور دو تلواروں کا مقابلہ ہے۔ دیکھیں ناں یہ
کون جیتتا ہے۔ پھر آقا علیہ السلام کی تلوار کا مقابلہ کون کرے۔ اس
تلوار ثبوت سے ذبح ہو گئے فاروق اعظم ---- اور یہ سارے لوگ پر
بھی حدیث سے پتہ چل گیا۔ یہ تو ہم سب کو اسلام کے ذریعے عزت ملی۔
اور ہماری اپنی کوئی عزت نہ تھی ---- عزت صرف اللہ کے دین کی
ہے۔ اسلام کی ہے۔ ہم سب کو جو عزت ملی وہ تھوڑی دین کے صدقے
سے ملی۔ کچھ لوگوں کو دین سے عزت ملتی ہے۔ اور کچھ ایسے بھی
فاروق اعظم جیسے فرمایا۔ کہ مولا عمر کے ذریعے اسلام کو عزت دے۔
اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان بندوں کے ذریعے اسلام کو عزت
ملتی ہے۔ ایسے بھی انتخاب ہوتا ہے اللہ کا۔ وہ قیامت تک ایسا
نظام چلتا ہے کہ بعضوں کے ذریعے اللہ اسلام کو عزت دے کر بلند کرتا
ہے۔ اور بعضوں کو اسلام کی برکت سے بلند کرتا ہے۔
تو یہ وہ سارے صحابہ حضرت بلال حبشی دیکھتے ہیں وہ تو کالے تھے مگر
وہ بھی نور الٰہی تھے۔ یعنی جن کی قربانیاں اسلام کے چراغ کو جلا رہی تھی۔
اور چراغ اسلام کے لیے تیل بن رہی تھی ---- اور فروغ اسلام کا سبب
بن رہی تھی ---- اور تقویت اسلام کا سبب بن رہی تھی ---- اور اشاعت و اسلام
دین کا ذریعہ بن رہی تھی ---- وہ سارے کا رنگ اور ان کا سر اگر مٹیالا
وہ بھی نور الٰہی بن رہی تھیں ---- تو صحابہ کو فارغ کرتے کہ اسلام بجھ جائے
تو وہ بھی اللہ کا نور بن گئے۔
یہاں سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن تک اسلام بھی نور رہے

گا۔ اور اسلام کی خدمت کرنے والے بھی اللہ کا نور بن جائیں گے۔ اور اسلام
کی خدمت میں جو شریک ہیں اکٹھی گی۔ وہ بھی نور ہو جائیں گی۔ اور اسلام
کی خدمت میں جو شریک ہیں سرگرم ہوں گی وہ بھی نور ہو جائیں گی۔ اور تحریک کی قربانیاں
وہ بھی نور ہونگی۔ اور جو رات دن اسلام کو بلند کرنے کے لئے وقف کردیں گے
وہ لمحہ لمحہ نور بن جائیں گا۔

تو آپ جس قدر مصطفوی انقلاب کے لئے رات دن صرف کرتے اور قربانیاں
دیتے ہیں۔ آپ کے اندر انقلاب نہیں دیتے۔ بلکہ آپ کے قدم قدم پر نور الٰہی کما
رہے ہیں۔ اور اپنے اندر اللہ کے نور کے چراغ جلا رہے ہیں۔ لیکن بڑی
صدق اخلاص اور محبت سے کام کیا کریں۔ کہ یہ خالی کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ
اللہ کا نور بھی ہے۔ اس میں ملاوٹ نہ ہو۔ جب اپنی گاڑی کے لیے خالص
پٹرول ڈالتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ تو یہ بھی پٹرول ہے مولا کے دین کے چراغ
کا۔ اس میں ملاوٹ نہ ڈالا کریں۔ نفس کی ملاوٹ کبر اہمیت کی ملاوٹ
(۱۳۰ - ۱۳۱) گھمنڈ کی ملاوٹ منافقت کی ملاوٹ۔ انانیت کی ملاوٹ
ذاتی مفادات کی ملاوٹ یہ جو ملاوٹیں ہیں نا جو نفس سے پیدا ہوتی ہیں
یہ ملاوٹ دھواں پیدا کرتا ہے۔ اور یہ خرابا نور کے شعلے کو کم کر دیتی ہے۔
لہٰذا آپ اللہ کے دین کے لئے رات دن اخلاص کے ساتھ اللہ کی محنت کریں
نور پیدا ہوتا جائے۔ اور پھر طہارت سے اللہ کی عبادت کریں۔ محنت
کریں اور اللہ کی عبادت کریں۔ اللہ کی عزت کی قسم۔ آپ سراپا
نور بن جائیں گے۔ پھر تو کسی میں حیا تک میں دیکھنے والا ہو۔ اس نور کے
بھانبڑ نظر آئے گا۔ اس کا رابطہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ مل جائے گا۔ اس
لگے گا جب اس کے قلب اور سینے پر اللہ کے نور کا ظہور ہو رہا ہے خاک کا جسم
میں نور کا مرکز ہو گا۔ خاک کے جسم میں نور کا جہاں ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ
آپ کو بڑے عظیم کام پر لگا رہا ہے۔ اور انسان بڑے اعلیٰ درجے کو بھول جاتا ہے
اور دنیا کی دولت کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اور اس عظیم سودے کو بھول جاتا ہے جو

سیدنا صدیق اکبرؓ نے کیا تھا۔ وہ سودا جس کی خاطر صدیق اکبرؓ نے سارا کچھ مصطفیٰؐ کے
قدموں میں لا کر رکھ دیا۔ اور قربان کر دیا تھا۔ اور آقاؐ نے پوچھا تھا۔ کہ اے ابوبکر
گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ اور عرض کیا تھا۔ البتہ صلی اللہ و رسولہ
عرض کیا آقاؐ نے سارا کچھ اتنا سستا لگا تھا۔ کہ گھر والوں کے لئے اللہ اور اللہ
کا رسول چھوڑ کے آیا ہوں۔ جن کو سودے کی سمجھ آ جاتی ہے وہ لکیر پیٹتے نہیں
اٹھتے۔ وہ گھٹیا سودا نہیں کرتے۔ بس چار دن کی بہار ہے۔ چند
روپے کی چھنکار آ گئی۔ چار دن دنیا کی عیش آ گئی۔ اس عیش نے
آپ کو کیا بخشنا — اچانک بلاوا آ جائے گا۔ سب کچھ دھرے کا دھرا
رہ جائے گا۔ آگے آپ کو نہ دولت کام آئے گی جو لاکھوں کروڑوں
سے کمائی ہو گی — نہ دنیا کا گھٹیا سودا کام آئے گا۔ جب چارپائی
پر رکھ کر لوگ آپ کو مٹی کے نیچے دبا کر آ جائیں گے۔ اگر خدا نے کچھ
توفیق دی۔ تو دائیں بائیں جھانک کے دیکھ لینا۔ کہ جب میں کچھ نہیں
ہوں گا۔ اس دن خبر ہو گی کہ میں دین کو دین کے بدلے دنیا کماتا رہا — میں تو
تکبر کرتا رہا — عیش و نشاط کرتا رہا — میں نفس پرستی کرتا رہا
شیطان پرستی کرتا رہا — میں دین کو بیچتا رہا — اور دین کے نام میں
دنیا بناتا رہا — میں میں کرتا رہا۔ جھگڑے کرتا رہا — ساری الفتیں
میں دھری کی دھری رہ گئیں — اب تو تنہا بیٹھا ہوں فرشتے حساب و
کتاب کے لئے آ گئے ہیں — دائیں بائیں دیکھو گے پاس کچھ نہ ہوگا رشوت
دینے کا۔ دکانیں بھی رہ جائیں گی مال بھی رہ جائے گا — سارے رشتے
دار جن کے لئے سب کچھ دینے کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ وہی ننگے پاؤں۔ دو چار دن
میں مٹی میں دبا کے گھر آ جائیں گے۔
(اللہ — اللہ)
وہاں کون سی دولت کام آئے گی۔ قبر میں اندھیرا ہو گا۔ حدیث
پاک میں ہے آقا علیہ السلام نے فرمایا قبر ہر روز پکارتی ہے۔ جب بندے
کی روح پرواز کرتی ہے۔ قبر کہتی ہے مرنے والے مہمان میرے پاس آنے والے

میں اندھیری کوٹھڑی ہوگا - میرے پاس روشنی کا سامان بجلی لیمپ چراغ نہیں ہے
اندھیرا ہے - اپنی روشنی کا سامان کر کے ساتھ لانا - میں مٹی ہوں اپنے بستر
کا سامان کر کے لانا - میرے پاس اذیتیں ہیں - اپنی راحت کا سامان
کر کے لانا - وہاں صرف وہ کام آئے گا - جو یہاں سودا کر لیا - اللہ اور
اس کے رسول کے ساتھ - فرمایا نور اللہ - اگر اللہ سے دین کے لئے محنت
کرو تو نور کماتے ہو اللہ کا - اسی نور نے آپ کی قبر کو روشن کرنا
ہے - زندگی کتنی ہے ساٹھ ستر برس میں سے کچھ برس ہیں وہ بھی - اور
قیامت تو خدا جانتا ہے کہ کتنے کروڑوں سال پڑے ہیں قبر میں کا
پڑے رہنا ہے - اور قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا دن ہوگا - پھر
آخرت میں جنت و دوزخ ہے - اتنی سی تھوڑی زندگی کے مقابلے میں ابد کا
کوئی شمار اور مقابلہ نہیں ہے - اسے بھول جاتا ہے انسان
اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا والعصر ان الانسان لفی خسر - قسم
ہے زمانہ کی کہ انسان خسارے میں ہے - جو گھاٹے کا سودا کرتا ہے
نفع کا سودا نہیں کرتا
اگر کوئی دین کا کام کرتا ہے - تو یہ سب کمائی کا کام نہیں ہے بلکہ
اللہ کا نور ہے - اس سے اللہ کا نور پیدا ہوتا ہے - اور فرمایا جو
مخالف لوگ ہیں جو کفر کی پیروی کر رہے ہوں گے - قیامت تک یہ دور میں
چاہیں گے کہ پھونکیں مار کے اللہ کے نور کو بجھا دیں مگر - یاد رکھیں جب
وہ اللہ کا نور تب نہیں بجھا سکے تھے - جب اسی نور کے صدقے
آج بھی نہیں بجھا سکیں گے - (۳۰ - ۳۱) واللہ متم نورہ - اللہ نور کو
پورا کرنے والا ہے - ولو کرہ الکافرون - کافر لوگ بے شک ناپسند کرتے رہیں - اور
کافروں کے پیروکار جو آج باطل کا کردار ادا کر رہے ہیں - فرمایا ھوالذی ارسل رسولہ
- وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے اور دین حق دے کر لیظہرہ
علی الدین کلہ - اس لئے کہ وہ دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دے - اور

مشرکوں نے ناپسند کیا۔ کہ دین غالب آجائے۔ سیدنا پیغمبر اور آپ کے
صحابہ غلبۂ دین کے لیئے لڑتے رہے۔ اور مشرک غلبۂ دین کے خلاف لڑتے
رہے۔ آج پیغمبر اور صحابہ کے وارث بھی ہیں۔ اور آج کافروں اور مشرکوں
کے وارث بھی ہیں۔ جو لوگ غلبۂ دین حق کے لیئے آج لڑ رہے ہیں۔ وہ
مصطفیٰ کے وارث ہیں۔ اور جو غلبۂ دین حق کو روکنے کے لیئے لڑ رہے
ہیں۔ وہ ابوجہل اور ابولہب کے وارث ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی کا ——— مصطفیٰ کا چراغ بھی جل
رہا ہے۔ اور ابوجہل کے شعلے بھی بھڑک رہے ہیں۔ حضور کے اور حضور
کے صحابہ کے وارث آج بھی دین کی شمع جلانے کے لیئے لڑ رہے ہیں۔ اور
ابوجہل اور ابولہب کے وارث ولو کرہ المشرکون آج بھی دین اسلام
کی شمع بجھانے کے لیئے آج بھی لڑ رہے ہیں۔ ادھر بھی وارث ہیں
ادھر بھی وارث ہیں۔ آج بھی وارثوں کی جنگ ہے جو دین کو بجھانے والے
وہ ابوجہل و ابولہب کے وارث ہیں۔ جو شمع اسلام جلانے والے وہ ابوبکر
عمر عثمان و علی کے وارث ہیں۔

مبارک ہو کہ آپ کو حضور کی وراثت نصیب ہو گئی ہے۔ مبارک ہو
کہ آپ کو صحابہ کرام کی وراثت نصیب ہو گئی۔ مبارک ہو۔ کہ آپ کو اہل بیت
اطہار کی وراثت نصیب ہو گئی۔ آپ کو نیک وراثت ملی ہے۔ اور بدبختوں
ان کو بد وراثت ملی ہے۔ وہ اسلام کو دبانے کے لیئے لڑ رہے ہیں۔
اگلی آیت میں فرمایا یاایہا الذین امنوا۔ اے میرے محبوب ان کو بتا دے
اے ایمان والو۔ ھل ادلکم علی تجارۃ۔ کیا تمہیں ایک ایسی تجارت بتا
دوں۔ اللہ پاک تجارت کر رہا ہے۔ تو ہم بھی تو تجارت نفع کے لیئے
کرتے ہیں۔ تنجیکم من عذاب الیم۔ اگر تم میرے ساتھ سودا کر لو۔ تو
فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم۔ تمہیں اگلے عذاب سے نجات مل جائے گی

0333 - 6257365

اللہ دتہ لغیر مستری ملّہ۔

آخرت کے عذاب سے نجات — اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے انسان کی نفسیات کو۔ لفظ بھی وہ استعمال کیا جس کے لئے انسان لالچ کرتا ہے۔ سودا گری کے لئے انسان نہ جانے کیا کچھ کرتا ہے۔ ہر کام میں نفع۔ اللہ تعالیٰ تو انسان کی نفسیات جانتا ہے۔ ہر کام میں یہی سوچتا ہے کہ مجھے کیا ملے گا۔ (۲۱ — ۳۲) ۲۰ وہ لوگوں لپٹ لپٹ تا ضرور تجارت کرنے والو۔ کیا آج میں ایسی تجارت کرو گے وہ تجارت جو تمہیں دوزخ کے عذاب سے نجات دلا دے۔

سیدنا عثمان غنی بن سکندر دن میں کے حساب سے گندم منگواتے۔ مدینہ پاک میں قحط تھا۔ جب گندم آ گئی تو یہود شہر مدینہ میں اعلان ہو گیا۔ کہ گندم کے تاجر آ جائیں۔ تاجر آ گئے بولیاں لگانا لیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں بیچتا۔ میرے پاس ایک ایسا تاجر ہے جس نے تم سب سے اونچی بولی لگائی ہے۔ سب حیرت میں پڑ گئے۔ واپس جا کر سوچا کہ کون سا تاجر ہے۔ مدینہ میں ہم سے بڑا تو کوئی تاجر نہیں ہے۔ ہماری بولیاں تو ختم ہو گئیں۔ سیدنا عثمان غنی نے فرمایا کہ اللہ سے کہ وہ تاجر آ گیا ہے جو سارا گندم مفت خرید نا چاہتا ہے۔ اور اتنی اونچی بولی لگا دی ہے کہ ہم اس کے قریب بھی نہیں جا سکتے۔ وہ بولی کیا ہے۔

Qahhar

۳۱ — ۷ — ۲۰۱۹ بدھ

۲۸ — ۱۱ — ۱۴۴۰

۸ — ۹ — PM

خطاب - ۴۲

۲۸۹ حضور علیہ السلام کی سیاسی حکمت عملی یہ ہے حضور علیہ السلام کی سیرت کا ہی ایک باب ہے۔ مگر اس سیرت کے باب سے خود جو ہماری حکمت عملی ہے۔ وہ سمجھ میں آجائے گی — موجودہ سیاسی حکمت عملی جو ہم اختیار کر رہے ہیں — ہم سیرت طیبہ کو ہی بیان کریں گے مگر خود سمجھ لیں۔ اس موضوع پر میں نے چار یا پانچ جمعوں میں تسلسل سے خطاب کیا تھا۔ حضور علیہ السلام کی سیاسی حکمت عملی۔ اور حضور علیہ السلام نے اس انقلاب کیلئے کون سی سیاسی حکمت عملی اپنائی تھی — کہ ہجرت کے بعد جو مدینہ طیبہ کی دس سالہ زندگی دور ہے آقا علیہ السلام کا۔ اس کی حکمت پر مبنی ہے یہ بات —

ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جہاں سے یہ موضوع ابھرا۔ لوگوں کے ذہنوں میں جو اسلام قرآن سیرت کو سمجھنے والے لوگ ہیں۔ مگر ان کے پاس کوئی فکری بات نہیں ہوتی — (۳ — ۴) کہ سیرت نبویؐ اور قرآنی احکام کا اور قرآنی مضمون کا ان کے پاس گہرائی اور وسعتوں کے ساتھ مطالعہ نہیں ہوتا۔ لہذا جو ان کے اندر کی خواہش ہوتی ہے اس کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اور خواہش کے مطابق چاہتے ہیں کہ ایسا کر دو — جیسے لوگ کہتے ہیں کہ اگر اسلامی انقلاب لانا ہے تو یہ آپس میں اکٹھے ہو جائیں۔ (۲ — ۴) یہ سنی کانفرنس ہوتی ہیں۔ اور جلسے جلوس ہوتے ہیں۔ اور اہل دل۔ محبت والے اخلاص والے جن میں خواہش نہیں ہوتی ہے — یہ کہ سارے اکٹھے ہو جائیں تو نظام مصطفےٰ آجائے گا۔ یہ فکری کمزوری ہے اخلاص، ہمدردی، نیک نیتی اس میں ہے۔ مگر حکمت میں اور سوجھ بوجھ میں کمزوری ہے۔ مذہبی ایلمنٹ کے لیڈروں کے اکٹھے ہو جانے سے نہ کبھی نظام مصطفےٰ آیا ہے۔ اور نہ کبھی آئے گا — انقلاب ساڑھے چودہ کروڑ افراد کا مسئلہ ہے۔ انقلاب کسی بھی قسم کا آئے — انقلاب کسی قسم کا آئے اسلامی آئے یا غیر اسلامی — نظام مصطفےٰ کا انقلاب ہو یا کسی نظام کمیونسٹ کا ہو — تمام ملک کے افراد اس کو قبول کریں گے یا نہیں — اس کے پیچھے لگیں گے

وہ جدوجہد میں شریک ہو جائے گی (۲۰ - ۶) وہ الگ عوامی جمہوری پارٹی جمعیت بنے گی۔ تو انقلاب کا راستہ ہموار ہوگا۔ اور اگر آپ اس کو سنیت کے اوپر اکٹھا کرکے رکھ دیں۔ تو باقی جتنے مسلک ہیں وہ سب کے سب آپ کے دائرے سے خارج ہو گئے ہیں۔ تو ملک گیر اور عوامی انقلاب کہاں سے آئے گا۔ باقی مسلک آپ کے بس سے نکل گئے۔ تو پھر آپ نے ایک پیغام دیا کہ یہ ایک مسلک کے اوپر جمع کام کرنے والی جماعت ہے۔ اس کو سیاسی انقلاب کے لئے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ یہ وجہ بنی کہ مسلکوں پر قائم ہونے والی جماعت سیاسی دور سے عوام میں پذیرائی حاصل نہ کر سکی۔ کیونکہ انقلاب میں عوام پر سیاسی طور پر مسائل اور ہوتے ہیں۔ ان کے مستقل معاشی مسائل ہوتے ہیں۔ بے روزگاری ہے بدامنی ہے۔ روزگار کا مسئلہ ہے۔ کہ اقتصادی مسائل کا حل ہو جائے معاشی ترقی ہے۔ دیگر سماجی مسائل ہیں۔ قانونی مسائل ہیں۔ عدل و انصاف کا مسئلہ ہے۔ ظلم ہو رہا ہے تھانوں میں کچہریوں میں عام غریب آدمی کی شنوائی نہیں ہے۔ عوام الناس کے مسائل اور ہیں۔ وہ اس سیاسی قوت کو سپورٹ دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ جو سیاسی قوت ان کے یہ مسائل حل کرنے کے قابل دکھائی دے گی۔ تو جب آپ جو بولی بولیں گے ایسی بولیں گے کہ اس بولی میں ان مسائل کی گنجائش ہی کوئی نہیں ہے۔ عنوان ہی ایسا ہے کہ جس عنوان میں یہ مسائل داخل ہی نہیں ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ لوگ آپ کو صرف مذہبی طور پر نماز روزہ حج زکوٰۃ جنازہ نکاح طلاق خطبہ جمعہ عیدین کے لئے کام کے لئے قبول کریں گے۔ بقایا دنیاوی اور سیاسی حوالے سے آپ کو قبول نہیں کریں گے یہی کچھ پاکستان میں مذہبی قوتوں نے جس انداز سے سیاست کی ہے۔ وہ سیاست کرنے کی سیاست نہیں کر سکے۔

اس لئے وہ سیاسی قوت نہیں بن سکیں۔ یعنی عوام نے ان کو سیاسی طور پر قبول نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سیاسی پروگرام کے ساتھ آگے نہیں بڑھے۔ سیاسی نعرے کے ساتھ آگے نہیں بڑھے۔ سیاسی پوسٹر کے ساتھ آگے نہیں بڑھے

سکے۔ سیاسی ملی منشور نہیں عوام کو دے سکے۔ سیاست کی بنیادوں پر کام نہیں کر سکے۔
سیاسی حوالے سے عوامی سطح پر ملک گیر وسعت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے۔
ہم کسی پر تنقید نہیں کر رہے۔ نہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا طریقہ
اپنا مشرب ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جب ہم سے جو یہ کہتا ہے۔ میں تو جواب
دے رہا ہوں کہ ہم اس بات پہ لبیک نہیں کہتے۔ ہمارا اپروچ ڈیفرینٹ
ہے۔ یعنی بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ چلو مسلک کے طور پر نہیں۔ مگر ساری مذہبی
قوتیں اکٹھی ہو جائیں۔ ساری مذہبی قوتیں اکٹھی ہو کر انقلاب لے آئیں۔ بعض لوگ
یوں سوچتے ہیں۔ مذہبی نعرہ لگائیں۔ مذہبی پلیٹ فارم بنیں۔ اس کا جواب
بھی نفی میں ہے۔ اس سے بھی اسلامی انقلاب ملک میں نہیں آئے گا۔

کیوں کہ آپ کے ملک میں کل مذہبی جماعتوں کو ملا کر۔ جو ووٹ پڑتے رہے ہیں
وہ دس پرسنٹ سے بھی کم تھے۔ (۱۰ — ۲۶) کاسٹ ہونے والے ووٹوں
میں جو ووٹ ڈالے گئے۔ ان میں سے بتا رہا ہوں۔ جب تقسیم ہو گئے تو کسی
کو دو پرسنٹ ملے تو کسی کو تین پرسنٹ ملے۔ تو تقسیم کر کے آ کر دس پرسنٹ
ووٹ ڈالے گئے۔ اب پچھلے الیکشنوں کے حالات کچھ ایسے ہو رہے ہیں۔
(۹۷ — ۱۰) کہ اب وہ تعداد بھی نہیں رہی۔ تو جب کل ووٹ ملا کر بھی کل اکثریت
پوری نہیں ہوتی۔ اب مثال کے طور پہ ساری مذہبی جماعتوں کو ملا بھی لیں۔
تو ان کو ووٹ کون دے گا۔ وہی دیں گے جو مذہب اور دین کے لیے مسجدوں میں نماز
پڑھنے آتے ہیں۔ جو نمازی پڑھنے نہیں آتے وہ تو ووٹ نہیں دیں گے۔
کہ جو سیاسی نمازی نہیں پڑھتے وہ کیا اسلامی نظام کے لیے ووٹ دینے لگے ہیں۔ نمازی
لوگ ہی ووٹ دیں گے۔ جن کو اسلام کا درد ہے۔ اسلام کا خیال ہے کہ اسلام پر
عمل ہے۔ اب گنتی کر دیں اپنے محلے میں۔ اپنی سوسائٹی میں۔ اپنی مسجدوں میں۔ نمازی
کتنے ہیں۔ تمام ملک میں ساری مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد گن لیں۔ اور ملک کی
ساڑھے سترہ کروڑ آبادی۔ جو آپ کے سامنے ہے۔ اس کا تناسب لگا لیں۔ اور
سارے نمازیوں نے بھی ووٹ نہیں دینا یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ یہاں نہیں ہے کہ لیں

دیکھا ہیں جو صرف مذہبی لوگوں کو ووٹ دینے والے ہیں۔ دوسری جماعتوں کو ووٹ دینے والے بھی تو کچھ نمازی ہیں نا ــــ وہ بھی نہیں دیں گے ــــ جو بے نمازی ہیں۔ انہوں نے تو ویسے ہی نہیں دینے اسلام کے نام پر۔ اور جو نمازی ہیں۔ ان میں سے تھوڑے ہی دیں گے۔ باقی نہیں دیں گے۔ ٹوٹل کریں کہ اندازہ ہو جائے گا۔ آپ کو کہ ملک میں اسلام کے نام پر مذہبی یا دینی جماعتوں کو ووٹ ملنے والے کتنے بن سکتے ہیں:

یہ دونوں نکتے آپ کو سمجھ میں آ گئے۔ لہٰذا سوال پیدا ہوا۔ پھر اسلامی انقلاب کے لئے پھر کون سا راستہ اپنایا جائے۔ کیا کیا جائے۔ ایک سوال پیدا ہوا ہوا یا نہیں ــــ پھر مصطفوی انقلاب کیسے آئے گا۔ اس کا جواب ہے سیرت مصطفیٰ سے آئے گا۔ سیرت مصطفوی اور سیرت محمدی ﷺ کے ذریعے سے آئے گا۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ آقا علیہ السلام کی سیرت پاک کو اسٹڈی کیا جائے۔ مطالعہ کیا جائے ان حالات میں آقا علیہ السلام کی حیات طیبہ ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔ اور کیا طریق کار سکھاتی ہے۔ مذہبی جماعتوں نے بد قسمتی سے اسلام کا اور سیرت پاک کا نام تو رکھا ہے۔ مگر آقا علیہ السلام کی جو سیاسی حکمت عملی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کو اپنانے میں کوتاہی کی۔ اس سیاسی حکمت عملی کو غور سے نہیں دیکھا اور نہ ہی سمجھا۔ یہ سوال سبب بنا ــــ میں نے حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے اندر سیاسی حکمت عملی کے موضوع کو ایک مستقل موضوع بنا کے آپ کے سامنے پیش کیا۔ تاکہ اسے قوم سمجھے۔ اور جو ہماری حکمت عملی چل رہی ہے اس کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو جائے ورنہ تو ایک آدمی تو یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھو جی فلاں کے ساتھ مل گئے۔ فلاں کے ساتھ مل گئے۔ یہ ہو گیا ــــ وہ ہو گیا ــــ باتیں تو آسان ہیں۔ دو جملے ہی ہیں۔ مگر جب تک گہرائی میں آقا علیہ السلام کی سیاسی حکمت عملی کی سمجھ نہ آئی ہو تو پھر اعتراض ہوتے رہتے ہیں۔ سمجھ آ جائے تو پھر ذہن کھل جاتا ہے۔

آئیے حضور علیہ السلام کی حکمت عملی کیا تھی سیاسی۔ اس کا مطالعہ کریں۔ وہ کثیر الجہات تھی ــــ اس کی بہت ساری سمتیں اور جہتیں تھیں۔ پہلے تو میں وہ گنوا دیتا ہوں آپ کو۔ پھر ان میں سے دو ایک کی مثال دوں گا۔

تاکہ بات سمجھ آجائے۔ سب سے پہلے تو آپ یہ نوٹ کریں۔ کہ آقا علیہ السلام جب
مدینہ تشریف لے آئے۔ ہجرت فرمائی۔ تو آپ سے بڑھ کر یہاں کسی
کے پیش نظر کوئی اسلامی انقلاب ہوگا۔ تو جب آپ یہاں تشریف لائے
تو اسلامی احکام۔ کس ترتیب سے اللہ پاک نے اپنے محبوب پر نازل کیے۔ احکام
کے نازل ہونے کی ترتیب وہی تھی۔ جو ترتیب اُن کے نافذ کرنے کی تھی۔
نفاذ جس ترتیب سے ہوتا تھا۔ اللہ پاک نے احکام کا نزول بھی اسی ترتیب سے۔
فرمایا۔ ایسا نہیں کیا کہ کوئی حکم نازل کر دیا۔ اور پھر اس کو نفاذ میں بعد میں
رکھ دیا۔ کہ نازل تو اس سال ہو گیا۔ اور اس کا نفاذ اگلے سال ہوگا۔
ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کو بھی معلوم اور اللہ کے رسول کو بھی معلوم ہے۔ اور وحی بھیجنے
والے رب کو معلوم ہے۔ کہ کس حکم کو پہلے نافذ کرنا ہے اور کس کو اس کے بعد
پھر اس کے بعد۔ پھر اس کو اگلے سال۔ اللہ کو معلوم ہے کہ
جیسے جیسے اس حکم کے نافذ کرنے کا وقت آتا جاتا۔ عین اس موقع
پر اللہ اُن احکام کو نازل فرماتا۔ اب تو اگر نزول قرآن کی ترتیب پر غور
کیا جائے۔ سالانہ بنیادوں پر۔ سال با سال۔ جو جس سال مدنی دور
میں ہوا۔ تو اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آقا علیہ السلام کی حکمت عملی
یا اسلام کی حکمت عملی کیا تھی۔ اسلام کے لانے نافذ کرنے اور اس کو
برپا کرنے کیلئے۔

جب آقا علیہ السلام تشریف لائے پہلا سال۔ ہجرت مدینہ کا پہلا
سال۔ اسلام کے سب سے بڑے ارکان اور احکام کیا ہیں۔ نماز روزہ مسلمان
تو ہو گئے کہ جب کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ پھر نماز روزہ حج زکوٰۃ۔ اس
سے بڑا بھی کوئی اسلام کا حصہ ہے۔ ارکان اسلام کا بنیاد ہے اسلام کی۔
یعنی بتانا یہ چاہتا ہوں۔ کہ یہ جو احکام تھے۔ یا آقا علیہ السلام بطور نظام کے۔ دین
کو نافذ کرنے کے احکام۔ پہلے سال میں یا سن ۲ کے پہلے سال میں حضور
علیہ السلام نے کیا کیا۔ مواخات مدینہ۔ جس سے مسلمانوں میں کیسا جوڑ پیدا

پیدا کی ۔ وہ مہاجرین اور انصار کو اس میں بھائی بھائی بنا دیا ۔ اُن کی دولت
میں کاروبار میں شراکت کر دیا تاکہ جو غریب لوگ تھے ۔ وہ امیروں کے ساتھ
مل کے معاشی طور پہ مل کے مضبوط اور مستحکم ہو سکیں ۔

(۲) دوسرا اقدام میثاقِ مدینہ کا اٹھایا ۔ یہود کے ساتھ ۔ اور غیر مسلم
قبائل کے ساتھ مل کر ایک سیاسی اتحاد بن گیا ۔ پہلے مؤاخات نے مدینے کے سارے
مسلمانوں کو مضبوط کیا ۔ مسلمانوں کی جماعت مضبوط کی ۔ اور جماعت
جو مضبوط کی وہ سیاسی اور سماجی بنیادوں پہ مضبوط کی ۔ تاکہ ایک دوسرے کی معاشی
مدد کر دیں ۔ مالی مدد کر دیں ۔ سماجی طور پہ مضبوط اور مستحکم ہوں اور ایک جماعت
مسلمانوں کی مضبوط بن جائے ۔ اور بعد جب جماعت بنا لی تو دوسرا اقدام اٹھایا
میثاقِ مدینہ کا جس سے بڑی دانشور قوم اس وقت یہود کی تھی ۔ اور دیگر غیر مسلم
قبائل عقائد ۔ (۲۰) اُن کے ساتھ ایک تعلق بنایا ۔ یہ بات آگے تفصیل سے کریں
گے ہم ۔ اس کے بعد تیسرا کام مسجد نبوی کی تعمیر کی ۔ آگے نماز کا انتظام آرہا تھا ۔
فرضیت یا جماعت اذان یہ تو حکم بعد میں آئے مگر نماز پڑھنے کا عمل ۔ چونکہ
احکام تو معراج کی رات سے آئے تھے پنجگانہ نماز ۔ وہ نظام چل رہا تھا ۔ شب معراج
کا تحفہ نماز آ چکی تھی ۔ اس کے لئے ایک مسجد بنائی ۔ اور مسجد کے ساتھ ایک صفہ
کی جگہ بنا کے مسلمانوں کی تربیت کی اکیڈمی بنائی تاکہ مسلمانوں کے دل بھی صاف
اور نماز کے احکام اور مسلمانوں کی تربیت کی ایک جگہ بن جائے ۔ تربیت
کا مرکز بنایا ۔

چوتھا کام میثاقِ مدینہ کے ذریعے ۔ ریاستِ مدینہ کا جو ایڈمنسٹریشن وہ
نظام چلانے کے لیے ۔ (۲۰ ۔ ۲۱) = بنایا اور پانچواں ریاستِ مدینہ کے دفاع کے
لیے سسٹم بنایا ۔ یہ کل پانچ کام تھے جو پہلے آقا علیہ السلام نے ترتیب
دیئے ۔ زکوٰۃ ۲ھ اتری تھی ۔ روزے ۲ھ میں اترے تھے ۔ کعبہ کی تحویل ۲ھ میں اتری
جب دوسرا سال آیا ۔ اس میں اذان آگئی ۔ پھر زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم
آیا ۔ ماہِ رمضان کی فرضیت کا حکم آیا دوسرے سال میں ۔ نماز عید شروع

(اشکال)

سے قبلہ چلا آ رہا تھا۔ ہجرت مدینہ کے وقت سے ہی بیت المقدس کا۔ دوسرے سال اس کے بدلنے کا حکم آیا (تحویل قبلہ) ۱½ سال بعد۔ وہ بھی یہ کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا لیا جائے۔ اور جہاد کے فرض ہونے کا حکم بھی دوسرے سال آیا۔ جس میں غزوہ بدر ہوا اور آگے۔ جب تیسرا سال آیا شراب کے حرام کرنے کا حکم تیسرے سال اترا۔ اب دیکھتے چلے آ گئے۔ پہلے دو سالوں میں شراب چلتی رہی۔ دیکھئے پہلے سال دینی اور مذہبی تربیت کے کام نہیں لئے سوائے نماز کے۔ جو شب معراج کے وقت عطا ہوئی۔ اور چل رہی تھی۔ علاوہ اس کے مذہبی احکام اور تربیت کے پہلے سال میں قائم نہیں ہوئے۔ پہلے سال میں کیا کیا گیا۔ سو کل اقدامات سنئے۔ پانچ کام کئے پہلے سال میں۔ اور اسی سے ہمارا دیگر دوسری جماعتوں کا فرق سمجھ آ جاتا ہے۔ جب دوسری مذہبی جماعتوں کے سامنے بھی جس نام کو بات شروع کرتے سنئے۔ وہ سوائے مذہبی مسلک کی بولیاں بولیں اُن کے سوائے اور کوئی بات کرنی تو آتی ہی نہیں۔ اُن کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ کوئی بھولی بول لگہ نہیں لا سکتا (۱۸–۲۴) اب ہماری مذہبی قیادت سے تو عام شکاری بھی سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ شکاری ہوتے تو ان کو بھی سمجھ ہوتی۔ انہیں شکار کرنا ہی نہیں آیا۔ ہم نے بھی تو شکار کیا ہے آپ کو ۔۔۔ (۲۴–۲۳)

اگر پہلے دن سے ہی سخت باتیں شروع کر دیتا کہ داڑھی رکھو سنت کے مطابق آستین آستین ضرور دار۔ اس کے بغیر کوئی نہ آئے۔ ٹوپی پہن کے آؤ۔ ٹخنے اوپر شلوار رکھو۔ اور اس طرح ہو کے احکام پر عمل کرو۔ اور خبردار اگر کسی نے کمی بیشی کی تو مسجد سے نکال دیں گے۔ پلیٹ کرو۔ اگر اس طرح کی ملائیت آپ کے سامنے لے کے آتا۔ الہام سے پہلے کون ... آتا۔ بھاگ جاتے نا۔ تو میں نے اچھا پھنسایا نا آپ کو۔ میٹھی میٹھی باتیں کیں مسکراہٹ دکھائی۔ مٹھائی دکھا بے فکری دی جلیبیاں دیں۔ پھنسا لیا۔ جب آپ پھنس گئے۔ تو اللہ کا کرم ہو گیا ہوا۔ جان لوٹا دو۔ آپ جانتے نہیں آپ پیچھے۔ پر کیا لا۔ لیا مطلب آگ

حکمت عملی سے لیا - ہمارا تو کچھ بھی نہیں - یہ ہیں کیا سمجھو ان باتوں کو - ہم تو ریڈھو سے لوگ
تھے - ہم کو آقا علیہ السلام کی حکمت کی خیرات ملی اور وہاں آ گئے - پہنچا دیا گیا ہے - اسلام کے
پر عمل کی برکت ہو گئی - آج تک میں نے کسی کو بھی کہا ہو کہ بیٹے داڑھی رکھو -
داڑھی کے بغیر نہ آیا کرو - سنت ہے - سنت کے تارک بیٹھے ہو - کہتا ہوں کسی کو
آتے رہتے ہیں وہ دن - ایک دن وہی آتا ہے تو جوان خود لگتے ہیں بیٹے دیں یا کہ
لگا دیں داڑھی رکھنے کا - کیوں پابندی لگا دیتا ہوں کہ نہیں - سنتوں کی داڑھی
آ گئی ہے -

آقا علیہ السلام کی حکمت یہ تھی - یہ طریقہ تھا - اگر پہلے دن ہی کہہ دیں اس
طرح کا طریقہ تو بعد مشکل پیش آ جاتی ہے - یہ تو میں نے ایک گوشہ بیان کیا ہے -
یہ تو گوشہ حکمت تبلیغ کا ہے - اور کہاں حکمت تبلیغ کا لحاظ - اور کہاں حکمت
سیاست - اس میں تو بہت بڑی حکمت بن جاتی ہے - یہ تو حکمت تبلیغ
ہے کہ کہ ڈاکٹر کٹ ایک نہیں کرتا - مثال کوئی ادھر کی بات کرتا ہے تو
دور سے گھبرا گیا - ادھر کی بات کرتے ہیں -

یہ جو سلسلہ دین میں ہے یہ کاروبار ہے - مذاکرات کرنا - کیا یہ سلسلہ میں اچھا ہو گا -
جو ڈاکٹر کٹ سودا پھینک دے - ابھی دین ہی نا دے بیٹا خریدنے والے کا - کیا
خریدنے والا قبول کرے گا - مولوی لوگ یہ کرتے ہیں - نتیجہ نہیں نکلتا - ہمارے
علماء یہ کرتے ہیں نتیجہ نہیں نکلتا - ہماری مذہبی جماعتیں اکثر یہ کرتے ہیں - ہمارے
امام آئمہ خطیب لوگ خطباء - یہ کرتے ہیں نتیجہ نہیں نکلتا - وہ ڈاکٹر کٹ
پھینکتے ہیں گولہ اسلحہ کا - وہ ابھی بتا رہا نہیں ہوتا - کہ اس سے پہلے دکھا رہے ہیں
وہ بھاگ جاتا ہے کہیں - وہ قبول نہیں کرتا - اور یہ طریقہ جو میں بتا رہا ہوں -
مشائخ وہ کون کرتے ہیں خواجہ اجمیری کرتے ہیں - حضرت داتا ہجویری کرتے
ہیں - حضرت بابا فرید کرتے ہیں - صوفیاء کرتے ہیں - اولیاء کرتے
ہیں - ہم تو ان میں سے نہیں ہیں - مغالطہ نہ پڑ جائے - صرف کیا ہیں تو کہیں
سے ان کا طریقہ سمجھ میں آ گیا ہے - کہیں سے دو ایک باتیں سن کر پڑھ کر -

اُن کے طریقے کی تھوڑی سی رسہ بڑھ گئی ہے۔ اس میں اللہ نے برکت ڈال دی کہ خود دیکھ رہے ہیں اس قبیلے کے لوگ۔ اگر خود اس قبیلے کے ہوتے تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔ اُن کی مجلس میں سندھ والے آ کر بیٹھتے تھے۔ اُن کو اٹھا کے پھینکا۔ اب یہاں ہمارا مسئلہ دیکھیں کہ بریلوی کی مسجد میں دیوبندی آ جائے تو مسجد دھلا دیتے ہیں۔ نکال دو اس کو۔ سنی کی مسجد میں شیعہ آ جائے تو نکال دیتے ہیں۔ نکال دو پلیدوں کو مسجد کو دھلاؤ۔ دیوبندی وہابی کی مسجد میں سنی چلا جائے۔ مشرک آ گیا ہے نکال دو۔ دھلا دو۔ قربان جائیں آپ پر اور آپ کے کی مسلموں پر۔ اور ایک طرف آپ لوگ اور ہم ہیں۔ اور ایک طرف ہمارے آقا و مولیٰ تاجدارِ کائنات ﷺ ہیں۔ نجران سے عیسائیوں کا وفد آیا۔ مدینہ پاک میں۔ صحابہ کرام نے پوچھا حضور وفد آیا ہے ٹھہرانے کی جگہ کوئی نہیں ہے۔ اس وقت گورنمنٹ کے گیسٹ ہاؤس نہیں تھے کہاں ٹھہرائیں فرمایا مسجدِ نبوی میں ٹھہرا دو۔ عیسائیوں کا وفد مسجدِ نبوی میں ٹھہرا دیا گیا۔ اُن کی عبادت کا وقت آ گیا۔ تو انہوں نے پوچھا کہ ہم نے اپنی عبادت کرنی ہے۔ وہ عبادت کو اپنے طریقے پر کرنا ہے وہ تو عیسائی ہی تھے نا۔ تو کہاں کریں فرمایا اُن کو اجازت دے دو کہ ہماری مسجد میں عبادت کر لیں۔ کیا آج کوئی کسی عیسائی کو مسجد میں آنے دیتا ہے۔ ہماری مسجدوں کا مصلیٰ کسی مسجد سے زیادہ پاک ہو گئی ہیں۔ بڑا زمین آسمان کا فرق ہے۔ نام ہم حضور کا لیتے ہیں۔ کام اپنے طریقے کا کرتے ہیں۔ اپنی مرضی کرتے ہیں حکمت عملی آقا علیہ السلام کی نہیں اپنائی۔ اس مشن پر رحمت اللہ نے اس لئے کی ہے۔ کہ ہمیں بھی حضور کی حکمت عملی کی تھوڑی سی خیرات نصیب ہو گئی ہے۔

لندن میں ایک تھا۔ قبلہ پیر صاحب قدوۃ الاولیاء ہمارے شیخ طریقت کھانے کا وقت ہوا۔ ایک بنگالی کا ہوٹل تھا۔ ایک شخص نیا نیا مرید ہوا تھوڑی دیر پہلے مرید ہوا آپ کے ہوٹل میں۔ اور اس کو بھی کھانے پر ساتھ بٹھا لیا۔ جب کھانا

(نئے گلاس لندن کا ہیں)

پر بیٹھے تو ہوٹل والوں نے صاف کر کے پلیٹیں گلاس وغیرہ الگ دیئے ہیں نا۔
اس نے آ کے سامان رکھ دیا ۔۔۔ وہ جو نیا خریدا ہوا تھا لندن کا ۔ وہ دور تھا
پیک کر کے بابا جی ڈیپ کو آئے برتنوں کی دکان میں ۔ تو وہاں سے چھوٹا آٹھ بابا جی شیشے
کے نئے گلاس خرید کے لے آیا ۔ تیز ہی ۔۔۔ وہ پہلے والے گلاس اٹھانے لگ گیا ۔
اور نئے گلاس رکھ دیئے ۔ حضور پیر صاحب نے دیکھا تو کہا ۔ کہ کیا کر رہا ہے ۔ وہ
عرض کرنے لگا حضور یہ جو گلاس ہوتے ہیں نا ۔ ان میں شراب بھی دیتے ہیں یہ لوگ
ہو سکتا ہے ۔ بعد میں صاف کر کے ان میں پانی دیتے ہیں ۔ یہ سارا شراب بھی
چلتا ہے ہوٹلوں میں ۔ تو میں نے حضور کے لئے نئے مہمانوں کے لئے نئے ۔ گلاس خرید کر
لایا ہوں ۔۔ آپ نے فرمایا گلاس اٹھا دو ۔ اٹھا کے ایک طرف کر دیئے ۔ فرمایا
بیٹھو ۔۔۔ (۱۹۔ س ۳۲) فرمایا کب پیدا ہوا آپ ۔۔ اس نے بتایا (۱۹۵۶ء)
کہ حضور اس سن میں پیدا ہوا ۔ فرمایا آپ کی پیدائش ۵۶ کی ہے ۔
فرمایا آپ کی پیدائش سے سات سال پہلے یہاں لندن میں ۔ میں ہمیا تھا
آیا تھا ۔ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے کا میں یہاں آنے والا ہوں ۔
فرمایا یہ جو بات ہے ہم کو بتاتا ہے ہم کو معلوم ہے ۔۔۔ کہ ان میں شراب
پلاتے ہیں ہمیں معلوم ہے ۔۔۔ فرمایا جب گلاس کو دھو دیتا ہے صاف کر دیتا
ہے ۔۔ وہ پاک ہو جاتا ہے ۔۔۔ فرمایا ہم ایسے طریقہ پسند نہیں کرتے کہ ہم
کوئی ایسی مخلوق بن کے بیٹھے ہوں ۔ (۲۔ س ۳۳) لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا ۔
اللہ اس کی جان سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں دیتا ۔۔۔ اب حکمت کو دین کی بنا ہے
اولیاء اللہ کے پاس ۔ اور ہمارا حال ہے ۔ نہ پاؤ نہ پڑھی ۔ بیچ میں سے ورطہ ۔
بس صرف ہم شریعت دار ہیں ۔ آتا جاتا کچھ نہیں ہے ۔ فتوے میں روزہ دار ہیں ۔
کا فتوہ ہیں ۔۔ اس کی وجہ سے ہم نے آقا علیہ السلام کی حکمت کو نہیں سمجھا ۔
ایک شخص نے آقا علیہ السلام کی موجودگی آپ کے سامنے صحابہ کرام کے سامنے ۔
مسجد میں پیشاب کر دیا ۔۔۔ ہم بی تھا کوئی بدو ۔ صحابہ کرام دوڑے اس کی طرف
پکڑنے کے لئے آقا علیہ السلام نے روک دیا ۔ فرمایا نہیں ۔ فرمایا آسانیاں پیدا کرو ۔ تنگ دستی

پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو خوشخبری دے کر کھینچ لاؤ۔ نفرت دلا کے بھگانے والے نہ بنو۔ اس کو
مت چھیڑو۔ اگر اس کو پتہ ہوتا کہ مسجد میں پیشاب نہیں کرنا۔ اس نے تو کر دیا ہے۔
اس کا مطلب ہے کہ اس کو مسجد کے آداب معلوم نہیں تھے۔ اس کو جھڑکنے کی بجائے
پورا کرنے دو۔ بعد میں اس کے ساتھ دھو دو۔ جب دھو دو گے وہ سمجھ جائے گا کہ
میں نے اچھا کام نہیں کیا ہے۔ اس کی بے عزتی بھی نہیں ہو گی۔ مسجد بھی پاک ہو جائے گی۔
عزت بھی رہ جائے گی اور سمجھ بھی آ جائے گی۔ یہ طریقہ ہے اسلام کی حکمت کا۔ تو دین
کی دعوت ہو، تبلیغ ہو، معاشرت ہو، یا سیاست ہو۔ آقا علیہ السلام کی حکمت عملی
اتنی وسیع اور بلند ہے کہ کائنات میں کوئی سوچ اتنی بلند نہیں ہے۔ اس طریقے سے
دیکھیں وہ سارے مسائل میں آئے ہیں۔ چاہیے تو پہلے سال ہی اللہ نازل کر دیتا۔ زکوٰۃ
بھی دو۔ نماز بھی پڑھو۔ حج بھی کرو۔ جہاد کرو۔ روزہ رکھو۔ سارے احکام اللہ نازل کر دیتا۔
مگر کیا ہوتا اسلامی سوسائٹی کی بنیاد کمزور رہ جاتی۔ جب کاروبار ہی کوئی نہیں ہے تو
زکوٰۃ کہاں سے دیں۔ پہلے سال آپ نے دیکھا کہ مذہبی احکام مؤخر کر دیے گئے۔ تاکہ لوگوں
میں کچھ استطاعت پیدا ہو۔ پہلے مسائل کو مضبوط بنایا۔ اور ریاست کو مضبوط بنایا۔
اگلے سال کلمہ اذان آ گئی ـــ (۱۲ ـــ ۳۷) زکوٰۃ کی فرضیت آ گئی۔ پھر نماز کی
جماعت آ گئی۔ پھر روزے شروع ہو گئے یا ماہ رمضان۔ تحویل قبلہ آ گیا۔ حج
کی فرضیت آ گئی۔ پھر جب دیکھا ان دونوں سالوں میں۔ کسی چیز کی
حرمت نہیں آئی۔ کیا آپ نے غور کیا ہے۔

پہلے سال میں سماجی سیاسی اور معاشرتی احکام آئے ہیں۔ دوسرے
سال میں مذہبی احکام آ گئے ہیں۔ مگر کسی چیز کو حرام نہیں ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ چلتی
ہوئی عادت کو چھڑوانا کتنا مشکل امر ہوتا ہے۔ پہلے دو سال اسلام کو ان
کے اندر راسخ کیا۔ تیسرا سال چڑھا۔ تو شراب کی حرمت کا حکم آیا۔ بلکہ
حرمت کا حکم بھی تیسرے سال نہیں آیا۔ شراب پینے سے روکنے کے احکام آ گئے منع
کرنے کے احکام آئے کہ لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ ابھی حرام نہ کیا تھا۔ تیسرے سال ترغیب
دی۔ شراب چھوڑ دی۔ پھر امتناع کا حکم آیا۔ جب چوتھا سال آیا تو نافذ کر دیا۔

تحریمِ خمر کے ضمن میں — (۳۱-۳۸) شراب کی حرمت کے حکم کو باقاعدہ نافذ کر دیا۔
تیسرے سال میں منع کیا۔ اور چوتھے سال میں نفاذ کا حکم دیا۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے
پردے کا حکم۔ حجاب کا بھی چوتھے سال میں آیا۔ پہلے تین سال پردے کا حکم بھی
نہیں لگایا۔ عورتیں جو آ رہی تھیں اسلام میں نہیں گھبرا کے بھاگ نہ جائیں۔ یہ نہ سمجھیں
کہ اتنی سختی ہے اتنی سختی ہے۔ نہیں ان کو رغبت دی نرمی سے سکھایا۔ جب
تین سال اسلام کے عقائد اور اخلاق اور اسلام کی روحانی چیزیں میں راسخ ہو گئیں
گئیں — تو پھر حجاب کا پردے کا حکم آ گیا۔ پانچویں سال بعد تیمم کا حکم
آیا — جھوٹے الزام لگانے پر یعنی قذف کا حکم ہوا — لعان وغیرہ کے احکام
آئے — سزائیں لگ آئیں — پانچویں سال سزائیں آ گئیں — ساتواں
سال تب ہجری کا آیا — اس میں نکاح اور طلاق کے احکام آ گئے — فیملی لاز
کے احکام آ گئے — تبلیغِ اسلام کے لیے بین الاقوامی منشور بن گیا — آٹھویں سال
میں سود کو حرام قرار دیا گیا — پہلے سالوں میں اس کو حرام نہیں کیا چونکہ معاشی
نظام اس پر قائم تھا — نویں سال میں حج کے فرض ہونے کا حکم آیا — فرضیت
حج کا —

یہ میں نے آپ کو اس لیے بتایا کہ آپ کو ایک اندازہ ہو کہ نزولِ احکام میں
عقائدِ اسلام اور احکامِ اسلام.. ایک ہی چیز کے دو رُخ تھے — ان میں پھر ترتیب
کیا تھی۔ اور اس سے آقا علیہ السلام کی حکمت سیاسی حکمت تفہیمی حکمت
حکومتی حکمت — واضح ہو جاتی ہے —

اب آ جاتے ہیں آپ کی سیاسی حکمتِ عملی — کی جہتیں کیا تھیں۔

(۱) آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں — اسلام کی جو مخالف قوتیں تھیں — یہودی
کفار، مشرکین — نصرانی، اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ۔ سیاسی اتحاد اور معاہدے
آپ کرتے ہیں تا کہ — کہ فلاں اسلام کا مخالف ہے۔ کہ اسلام کو مانتے نہیں ہیں
دشمن ہیں ایسے ہیں — مگر آپ اتحاد اور معاہدے کر رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی حکمت
عملی سمجھیں — (۲) اسلام کی مخالف قوتوں کے ساتھ — سیاسی حکمت اور معاہدے

کہ یہود سے معاہدہ کیا۔ دیگر قبائل سے معاہدے کیے۔ حدیبیہ میں مشرکین مکہ
سے معاہدہ کیا۔ مخصوص شرائط پر — طائف کا قبیلہ ثقیف تھا۔ ان کے ساتھ
معاہدے کیے — اور بھی کئی غیر مسلم قبائل کے ساتھ معاہدے کیے — جب طائف کا
قبیلہ ثقیف کے ساتھ معاہدے کا وقت آیا — انہوں نے شرط لگائی۔ اسلام قبول کرنے
کی دعوت دی حضور علیہ السلام نے۔ اس پہ مذاکرات ہوئے اور پھر معاہدے کی بات آئی۔
(۹ — ۲۹۲) انہوں نے شرائط لگائی — اسلام قبول کرتے ہیں مگر ہماری پانچ شرطیں
ہیں — (مقریزی امتاع الاسماع جلد اول ۴۹۳) حضور علیہ السلام کو کہا کہ ہماری
پانچ شرطیں مان لیں ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ پہلی شرط نماز کی پابندی ہم پر نہیں
ہوگی — نماز معاف ہوگی۔ (۲) زنا ہم پر حرام نہ ہوگا۔ زنا بدکاری کی ہمیں
اجازت ہوگی — (۳) حج ہم پر فرض نہیں ہوگا —
(یہ حدیث پہلے بھی صفحہ ۱۵۱ پر گزر چکی ہے۔) (۴) زکوٰۃ ہم پر فرض نہ ہوگی۔
اور پانچواں جس طرح آپ نے مکہ کو حرم بنا رکھا ہے نا۔ ہمارا حرم طائف شہر
ہوگا۔ الگ سے۔ یہ ہماری پانچ شرطیں ہیں اگر منظور ہیں تو ہم اسلام قبول
کرتے ہیں۔ اچھا بھائی — تمہاری شرطیں ہم بیٹھ کے سنتے ہیں۔ ذرا آؤ
بات چیت تو کریں — (قربان جاؤں) ان شرائط کو سن کر بھی بات
کی — جب تو بہتر ہے ہیں ہوتا تو مذاکرات ہی نہ کرتا — لڑائی جھگڑا کر کے واپس
آجاتے — دیکھو جی یہ شرطیں سن کے کوئی کہے کیا ہم یہ مان لیں — تو آقا نے کیا
حکمت کیا اپنائی — ٹھیک ہے شرطیں رکھنا ان کا حق ہے۔ ماننا یا نہ
ماننا ہمارا حق ہے۔ بات چیت تو ہونی چاہیے — آقا علیہ السلام نے بعد
کیا کیا — تین شرائط چھڑوا لیں ان سے — دو منوا لیں — یعنی تین اُن کی چھڑوا لیں
دو اُن کی مان لیں — نماز — استثنیٰ والی مان لی — اور طائف کو حرم والی مان
لی — تو یہ جو نماز کا تھا —

اور جو زنا کا تھا کہ ہمیں اجازت دیں دیں۔ یعنی نماز کی پابندی کی
منوا لی — اور زنا بدکاری کو چھوڑ دینا یہ منوا لی — پہلی دو شرطیں ان سے

چھڑوالی ـــ (الاسراء ۲۲) ۔ اپنی بات منوالی ـــ اور بیشتر شرطیں اُن کی مان لیں۔ کہ
جی طائف کو حرم بھی بنا دیں ـــ اور زکوٰۃ کی فرضیت بھی نہ ہوگی۔ اور جہاد بھی فرض
نہ ہوگا ـــ دو مان لیں اور تین منوالیں۔ صحابہ کرام پریشان ہوگئے تھے۔ یا رسول اللہ
یہ کیا ہوگا ـــ ارکانِ اسلام ہیں ـــ یہ کیا ہوگا ـــ آپ نے فرمایا کہ چلو دو
دو شرطیں مان کر آئے تو ہیں ـــ آہستہ آہستہ جب اسلام اُن کے دل کے اندر
جم جائے گا۔ تو پچھلی تین شرطیں بھی مان لیں گے۔

اب اس سے آپ اندازہ کرلیں۔ کہ کتنی بڑی حکمتِ عملی کا آپ نے دروازہ
کھولا ہے۔ ہم بھی جب کسی کے ساتھ آلائنس بناتے ہیں تو معاہدہ بناتے ہیں۔
دستاویز بناتے ہیں۔ صرف رابطہ بناتے ہیں۔ کچھ مانتے ہیں۔ کچھ منواتے ہیں تو
چلیں ـــ آغاز تو ہوا ہے نا پیش رفت ہوگی۔

(۲) نمبر دو۔ آپ نے صرف یہود مدینہ ـــ ہی سے معاہدہ نہیں کیا۔ بلکہ
قبیلہ بنی ضمرہ ـــ سے معاہدہ کیا۔ یہ سب غیر مسلم تھے۔ بنی غفار تھا۔ اُن سے معاہدہ
کیا۔ ابن مسعود اشجعی سے معاہدہ کیا۔ نجران کے عیسائیوں ـــ سے معاہدہ کیا۔ تو
غیر مسلم قبائل کے ساتھ معاہدہ کیے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جب غیر مسلم قبائل کے
ساتھ معاہدات ہوتے تھے۔ تو اسلام پر تو نہیں ہوتا تھا نا معاہدہ۔ وہ تو غیر مسلم
ہوتے تھے۔ سماجی مسائل دفاعی مسائل۔ عسکری مسائل سیاسی معاملات۔
اُن کے اوپر معاہدات کرتے تھے تاکہ سلسلہ آگے بڑھے نا۔ یہ تھی آقا علیہ السلام
کی حکمتِ عملی وسیع البنیاد تھی۔

(۳) نمبر ۳ ـــ دشمن کی طاقت کو پست کرنا۔ یہ آپ کے پیشِ نظر ہوتا
تھا۔ کہ کس طرح دشمن کی تعداد کم کی جائے ـــ حکمت آپ کی یہ تھی کہ دشمنوں کو گھٹایا
جائے ـــ (۴۶ ـــ ۴۷) ان کی تعداد کم کی جائے۔ حکمت آپ کی یہ تھی کہ دشمنوں کو
گھٹایا جائے اور دوستوں کو بڑھایا جائے۔ اور ہمارا طریقہ یہ ہے کہ دوست گھٹائے
جائیں اور دشمنوں کو بڑھایا جائے۔ اس پر بھی فتویٰ۔ اس پر بھی فتویٰ یہ بھی خارج۔
وہ بھی خارج ـــ یہ بھی بے ایمان۔ یہ بھی مشرک۔ یہ بھی کافر یہ بھی جہنمی۔ سارے

اس طرح کر کر کے ہم بھگاتے ہیں - دشمن بڑھاتے ہیں - چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بھی گرفت کرتے
یہ جو میں بتا رہا ہوں - یہ ہمارے اہلسنت پر تو عروج پر ہے - یعنی اگر 98 باتیں
علماء کی ملتی ہوں یا بھی ایک ہی عقیدہ ہو - ایک دو لفظوں پر اگر اختلاف ہو علمی
تو وہ 98 چیزیں جن پر اتفاق ہے ان کو بھول جاتے ہیں - ان کو بھلا جاتے ہیں
ایک دو نکتے پکڑ کر ہوا دے کر بھلا دیتے ہیں - فراموش کر دیتے ہیں

ایک نکتہ دو نکتہ پکڑ کر اختلاف کے ہوا دیتے ہیں شور مچاتے ہیں -
ایک تو ویسا دھکا لگاتے ہیں اور سنیت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں
قربان جائیں آپ کی عقل و دانش پر - ایسے لگتا ہے جیسے کھوپڑیاں میں مغز ہی
نہیں ہے - صرف بھوسہ بھرا ہوا ہے - 99 باتیں ملتی ہیں - ایک ہی عقیدہ
ایک ہی مشرب - ایک دو چار مسائل پر اختلاف ہے تحقیق ہے -
بجائے اس کے کہ اس کو سمجھیں کہ چلو علمی نکتہ ہے - اور 95 چیزیں ہیں
کہ اپنا مسلک ہے محبت کریں اپنا جانیں - یہ تو قسم کھا رکھی ہے - کہ
سمجھنا ہی نہیں ہے - بس ایک دو باتوں کو پکڑنا اور ساری باتوں کو چھوڑ
دینا - یہ حال ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں - کہ 98 چیزیں مختلف ہوں - دو چیزیں
ملتی ہوں تو انہیں بھی اپنا بنا لیتے ہیں - ایک دو باتیں ہم خیالی کی مل جائیں نا -
انہیں بھی اپنے گلے میں ڈال لیں گے - کہ یہ ہمارا ہے - کسی کو اپنا بنانے
کا طریقہ یہ ہوتا - جب آپ نے اس کو اپنا بنا لیا - تو وہ دوسری بھی چھوڑے آپ کے
ساتھ تو - چوتھی بھی چھوڑ کر آپ کا ساتھ دے گا - رفتہ رفتہ وہ سارا ہی ملتا چلا جائے
گا - کہ آپ نے تو اس کو پیار سے نکال دیا یا جوتے مار کے

یہ ہماری جو سنیت بنی ہوئی ہے نا - اصل اہلسنت نہیں ہیں -
یہ جو ہم نے بنا رکھی ہے - تنگ نظری کی سنیت - یہ وہ سنیت نہیں
ہے جو اولیاء کی ہے - جو آئمہ کی ہے جو محدثین کی ہے - ہمارے اکابر
کی ہے - احناف کی ہے - یہ وہ سنیت نہیں ہے - یہ تنگ نظری کی

سنتیں انہوں نے گھڑ رکھی تھیں - اپنے مفادات کیلئے - انہیں نکال دیئے لوگوں کو سنت
سے - آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آپ دیکھئے - یہ تو اُن لوگوں نے جو ان فرضیت
نماز اور احرام طائف اور فرضیت زکوٰۃ و جہاد جیسی چیزوں کی چھوڑ دیا
ان چیزوں کے انکار کے باوجود بھی دو باتیں منوا کے بھی اُن کو اپنا بنا لیا
بقایا چیزیں وہ بھی آہستہ آہستہ مان گئے -
اس کے بعد آپ نے ہمیشہ دشمنوں کی تعداد و طاقت کو کم کرنے کے لئے
زیادہ سے زیادہ حکمت عملی سے کام لیا - مختلف قبیلوں سے ساتھ -
کسی کے ساتھ تجارتی اتحاد کر لیا - کسی کے ساتھ سفارتی اتحاد کر لیا - کسی
کے ساتھ سیاسی اتحاد کر لیا - کسی کے ساتھ دفاعی اتحاد کر لیا -
کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا - کسی کے ساتھ کوئی - کسی کے ساتھ قبائلی
نوعیت کا اتحاد کر لیا - بہر حال جس کسی کے ساتھ جس طرح کا تعلق بن سکتا تھا۔
وہ بناتے چلے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کے ساتھ متعلق ہوتے
چلے جائیں - دشمن گھٹتے چلے جائیں - دوست بڑھتے چلے جائیں -
آپ سوچتے ہیں کہ فلاں کے ساتھ ہمارا کیا جوڑ ہے - ہم اس کی بے جوڑ چیزوں
کو دیکھتے ہیں - اور جو اکا دکا چیزوں میں جوڑ ہوتا ہے وہ نہیں دیکھتے۔
تو مطلب یہ ہے کہ دو چار چیزوں میں اگر جوڑ بنتا ہے تو اسی جوڑ کی بنیاد
پہ جوڑ بنا لیا کرو - تاکہ آپ کے دشمنوں کی تعداد کم ہو -
معاہدے توڑنے سے دشمنوں کے جو اتحادی تھے - اس وقت دشمن کفار مکہ
تھے - تو جو لوگ اُن کے ساتھ الائنس میں سے تھے - ان کے اتحادی اور
دوست تھے - حضور آقا علیہ السلام نے اُن کے ساتھ بھی مذاکرات کیے - اور
بعض جگہوں کی ایشوز لیڈ بھی اُن کے ساتھ بھی الائنس بنائے - انہیں بھی اپنے
ساتھ ملایا جاسکے - اس سے دشمن کی طاقت کمزور پڑے گی -
مثلاً جب غزوہ خندق کا وقت آیا - تو کفار مکہ حملہ کر رہے
تھے - مدینہ پر اور اُن کے ساتھ تھے جو کفار (۵۰ — ۵۳)

کے اور بہت سارے آلائنس تھے۔ اور وہ بھی اُن کے لشکر کے ساتھ مل کر مل جل کر ایک بہت بڑی طاقت بنا کر مدینہ پر حملہ کر رہے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کو یہاں یہ ضرورت تھی کہ اسلام کی طاقت بڑھے وہاں یہ بھی ضرورت تھی۔ کہ دشمن کی طاقت کم ہو۔ چنانچہ قبیلہ غطفان تھا۔ وہ مکہ والوں کا آلائنس تھا۔ اور وہ شامل ہو کر مکہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے کیا کیا۔ اُن کے ساتھ مذاکرات کیئے۔ ان سے معاہدہ کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ غزوہ خندق میں وہ اہل مکہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ نہیں کریں گا۔ بعد میں یہ کسی اور وجہ سے بدل گئی۔ مگر آپ نے اپنے دشمن کے ساتھ بھی مذاکرات کیئے۔ تاکہ وہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہوں تو وہ کم سے کم اس کا ساتھ نہ دیں۔

اب دیکھئے کہ کتنی وسعت تھی آقا علیہ السلام کی حکمت اور تدبیر میں۔ اور ایک اور چیز تھی۔ جب غزوہ خندق کا معاملہ آیا۔ تو مکہ والوں نے بھی یہ کیا۔ کہ انہوں نے مدینہ کے اندر رہنے والے یہود کے ساتھ رابطہ کیا۔ وہ جو میثاقِ مدینہ کی شکل میں۔ وہ حضور علیہ السلام کے مددگار تھے۔ اور حضور کے ساتھ تھے۔ مکہ نے اچانک یہود کے ساتھ رابطہ کیا۔ اُن کی کوشش یہ تھی کہ جب ہم باہر سے مدینہ پر حملہ کریں گے محاصرہ کریں گے مدینہ طیبہ کا۔ حضور علیہ السلام نے خندق کھود دی تھی تا کہ جب ہم باہر سے مدینہ کا گھیرا ڈالیں گے۔ تو کفارِ مکہ کی کوشش تھی اندر سے جو یہود ہیں وہ ہمارے ساتھ مل جائیں۔ اور حضور علیہ السلام کی فوج کے ساتھ مخالفت کریں۔ تو اگر اندر سے یہود مدینہ کے یہود مخالفت کریں اسلام کی۔ تو باہر سے ہم محاصرہ کریں۔ اندرونی اور بیرونی سطح پر دباؤ بڑھے گا۔ اور اسلام کا حصار ٹوٹ جائے گا۔ اُن کی یہ کوشش تھی۔ (۳۹ — ۵۶) تو حضور علیہ السلام بھانپ گئے کہ وہ مدینہ کے یہود دشمنی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے کیا کیا۔ اُدھر غطفان کے قبیلے سے مذاکرات کر کے اُن کی قوت کو توڑا اور اِدھر جو مدینہ کے یہود تھے۔

ان میں اور مکہ والوں میں پھوٹ ڈلوا دی اور جھگڑا کروا دیا۔ اور ایسی پھوٹ ڈلوائی کہ
ایسے موقع پر یہود دیگر تمام کفار مکہ سے۔ اور انہوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تو اسلام
اندرونی مخالفت سے بچ گیا۔ صرف ایک سمت کی مخالفت تھی۔ اس سے مقابلہ کیا۔
اور کفار کے جو محاصرے کا منصوبہ تھا۔ اور جو شامل تھے۔ ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ
یہ تھی کہ وہ یہود جنہوں نے میثاق مدینہ سے حصہ لیا تھا۔ پھر کوئی اپنے مفاد
کے لیے الائنس میں اپنے ہوتا ہے۔ اسلام نے آلائنس قبول کیا۔ اپنے فائدے
کے لیے۔ یہودیوں نے آلائنس قبول کیا۔ اور حضور علیہ السلام کو اس کا سربراہ
مانا۔ اپنے فائدے کے لیے۔ مگر عملاً جب چار یا پانچ سال گزر گئے۔ تو دیکھنے میں یہ آیا
کہ یہودیوں نے محسوس کیا کہ اس آلائنس کا فائدہ سارا اسلام کو پہنچ رہا ہے ہمیں کوئی
فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ انہوں نے یہ پایا کہ اس آلائنس کی وجہ سے تو اسلام آگے ملک
مضبوط سے مضبوط تر اور طاقتور سے طاقتور تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور ہم تو جہاں
کے تھے وہیں کے وہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو کمزور ہو گئے ہیں۔ لہذا وہ بڑے پریشان ہونے لگ گئے۔
(۳۳-۵۸) وہ کہنے لگے اس قانون کو توڑ دو۔ تو اس کو توڑنے کی سوچ رہے تھے ان
دنوں۔ کیونکہ آلائنس سے یہود کا مطلب پورا نہیں ہوا۔ اسلام کا فائدہ ہوا کیونکہ یہ
بھی حکمت تھی آقا علیہ السلام کی۔ تو ان دنوں آلائنس توڑنے کا سوچنے لگے تھے۔ اس لیے
کفار کو جب معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ یہ پریشان ہیں اندر سے ان سے جوڑ بنایا جائے۔ تا کہ
ہم باہر سے حملہ کریں۔ یہ اندر سے حملہ کر دیں۔ تو آقا علیہ السلام نے یہ صورت حال جان لی۔
ان کے درمیان ایسی پھوٹ ڈلوا دی کہ وہ مکہ والوں کا ساتھ نہ دے سکے
(ک) پانچویں حکمت کیا تھی۔ دشمن کے اندر ہی جا کے ایسی چال دی۔ آج دنیا
کا کوئی سپہ سالار دنیا کا کوئی کمانڈر۔ اور کوئی سیاسی رہبر، رہنما اور
صاحب حکمت اتنی عظیم سیاسی حکمت کے نمونے پیش نہیں کر سکتا۔
جتنے مختصر مدت میں ذرائع و وسائل کی کمی کے باوجود سیاسی حکمت کے نمونے
حضور تاجدار کائنات نے پیش فرما دیئے۔ سارے راستے کھول دیئے۔ اب
اس پر کام ہو رہا ہے۔ کوئی چاہیے تو صرف اس سبجیکٹ پر پی ایچ ڈی کر

ایک کیا ہزاروں اوجہ دی ہو سکتی ہیں۔ صرف ایک موضوع پر۔ آقا علیہ السلام نے
پھر دشمن کے اندر اپنی حمایت بھی ثابت کروائی۔ اس کے لیئے اقدامات کرتا
تھی کہ آپ نے اکنامکس کا بھی آغاز فرمایا۔ پھر بحال کر دیا۔ جس
طرح کفارِ مکہ اُن کا جو رابطہ تھا۔ قریش مکہ کی جو غلہ کی منڈی تھی وہ یمامہ تھی
اور قریش مکہ غلہ وہاں سے لاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے کیا کیا۔
یمامہ والوں سے مذاکرات کر کے اس غلہ کی جو منڈی تھی۔ وہ بند کروا دی
اس کا نتیجہ کیا ہوا کہ مکہ میں غلہ کی کمی ہو گئی۔ پھر مہنگائی اور خوراک کی مشکلات
آگئیں سب پریشان ہو گئے۔ جب مشکلات کا انہیں احساس ہو گیا۔ اور
اُن کو پتہ چل گیا کہ یہ تو مدینہ کا اثر ہے یمامہ کی منڈی کا بند۔ پھر انہوں نے احساس دلا
کر۔ حضور علیہ السلام نے مکہ والوں کے لیئے وہ جو پابندی تھی اس کو ختم کر دیا
منڈی بحال کر دی۔ تکلیف پیدا ہونے کے بعد جب غلے کی بحالی ہو گئی۔ تو لوگ
دعائیں دینے لگ گئے۔ حضور علیہ السلام کو اور اہلِ مدینہ کو۔ کہ اللہ آپ کا بھلا
کرے۔ ہماری پریشانی دور کر دی۔ ہماری مشکل دور کر دی۔
اس کا کیا فائدہ ہوا۔ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ وہ
سمجھے کہ ہماری حکومت غلے کی بندش کھلوا نہ سکی۔ وہ حضور علیہ السلام
کے احسان مند ہو گئے مکہ والے۔ اسی طرح ایک اور موقع ہوا۔ مکہ میں
بڑا قحط پڑ گیا تھا۔ جب انتہائی شدت ہو گئی قحط سے۔ حضور علیہ السلام نے
سینکڑوں اشرفیاں دے کر اپنے آدمی مکہ میں بھیجے۔ اور مکہ کے محتاجوں اور غریبوں
اور مسکینوں میں تقسیم کروائیں۔ غیر مسلم مکہ کے لوگوں میں۔ قحط کے زمانے
میں۔ تو نتیجہ کیا ہوا کہ مکہ کے اندر سینکڑوں کی تعداد میں۔ غریب لوگ۔
عوام الناس لوگ مدینہ پاک کے مداح بن گئے۔ اور آقا علیہ السلام
کے سیاسی طور پر لگتے قریب ہو گئے کہ دیکھو کتنے اچھے سربراہ ہیں۔ کہ مخالف
ہو کر دشمن کے غریبوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اگر یہ ہمارے بھی سربراہ ہوں تو کیا
اچھا ہو گا۔ یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ دشمن ملک کے سربراہ ہیں۔

وہ ایسے سربراہ ہیں۔ لیکن ہم ملز ہو کا خیال کرتا ہے۔ وہاں سے سینکڑوں اشرفیاں بھیج کر ہماری امداد دی ہے۔ اور ہمارے اپنے حکمران۔ تو پیش ملکہ سمجھ نہیں کر سکے کہ اس شان آگے سے ہی عرب اور ہمارا سربراہ ہوتے ہیں ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں کیا جذبات پیدا ہوتے ہیں کاسہ یہ جذبات دشمنوں کو کمزور کرتے ہیں۔ (۵۶-۴-۱) دشمنوں کی صفوں میں جذبات پیدا کرتے ہیں۔

(۷) ساتویں حکمت عملی کیا اپنائی۔ آپ نے اعلان فرما دیا۔ جو لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اور اسلام کو سمجھ لیں۔ اب بنیادی سمجھ جب کلمہ نماز روزہ زکوٰۃ کی آگہی کہ یہ کیا پہچان ہے۔ بس کہ چونکہ انہوں نے اسلام کو سمجھ لیا۔ کہ اسلام حق ہے۔ ہو اس وقت ہی اسلام کو سمجھتے ہیں جب اسلام کو حق سمجھتے ہیں تو تب ہی اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ یا داخل ہو گئے اسلام میں تو جان لیا۔ تو فرمایا کہ میں سے جو کفر و شرک کی حالت میں جتنے اونچے مرتبے اور عہدے پر تھا۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی۔ اتنے ہی اونچے منصب پر اس کو فائز کیا جائے گا۔ جو عہدہ اس کو وہاں تھا وہی عہدہ اس کو دوبارہ اسلام میں دیا جائے گا۔ حالانکہ نئے آنے والے نے کتنا سمجھ لیا ہے اسلام کو تقریباً پندرہ سال سے پہلے اسلام میں آنے والے نے سمجھا ہے۔ مکہ کے تیرہ دور سے سمجھ رہے ہیں۔ جو ہجرت کے وقت سے سمجھ رہے ہیں پہلے سے سمجھ رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جس نے دس پندرہ سال لگائے ہیں وہ زیادہ سمجھیں گے۔ یا جو نیا آئے گا وہ زیادہ سمجھے گا۔ مگر نہیں بنیادی سمجھ آ گئی فرمایا اس کو یہی یہاں وہی عہدہ دیا جائے گا جو وہاں پہلے تھا۔ تاکہ لوگوں کو یہ احساس ہو کہ نئے آنے والوں کو اسلام میں قبول کرتے ہیں۔

کیا ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔ کہ جو لوگ نئے داخل ہوتے ہیں۔ کیا ہم بھی ان کو ان کو اپنے قریب آنے دیتے ہیں۔ [illegible]۔ کیا ہم گھیرا ڈال کے رکھتے ہیں کہ نہ تکلیف کے نہ نکلنے دیں گے۔ اس بت کو توڑ دیا تاجدار کائنات نے

اس تنگ نظری کو توڑ دیا ہے آقائے دو جہاں نے ۔ یہ بت پرستی ہے ۔ اس کو توڑ دیا
ہے ۔ آقا نے فرمایا ۔ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام ۔ جو آ جائے
اور فقہ سمجھ لے ۔ اس کو جو جاہلیت میں عہدہ تھا ۔ اس کو اسلام کی جماعت
میں بھی ۔ اونچا بٹھاؤں گا ۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۳ ص ۱۲۳۵ رقم ۳۱۹۴
عہدہ دوں گا ۔ تو نتیجہ کیا نکلا ۔ وہ جو بڑے بڑے تھے ۔ سردار لوگ تھے ۔ بڑے بڑے
عہدے دار ۔ جو قریشیوں کے ایم این اے تھے ۔ جو ایم پی اے تھے ۔ جو قریشیوں
کے کونسلر تھے ۔ قریشی قبیلوں کے سردار تھے ۔ جو ان کے وزیر اعظم تھے ۔
پرائم منسٹر تھے ۔ وہ سمجھتے تھے ۔ کہ اسلام میں چلے گئے تو سب سے بڑا اسلام میں
وہ بڑے ہیں جو پہلے سے قابض ہیں ۔ ہمیں تو پیچھے ہی بیٹھنا پڑے گا آخری صفوں
میں ۔ ہمیں تو کوئی عزت نہیں ملے گی ۔ ان کا جو نخرہ ناز تکبر ۔ رعونت ۔
بڑا پن ۔ کہ میں چوہدری ہوں وڈیرا ہوں ۔ میں ایم این اے ہوں ۔ ایم پی اے ہوں وزیر ہوں ۔
وہ اب آنے نہیں دیتا تھا کیونکہ وہ آگے عزت نہیں ملے گی ۔ وہ عزت کے
شوقین ہیں ۔ جو عزت ادھر ملی ہوئی ہے اب انہیں پتہ تھا ۔ کہ یہ بھی جائے گی ۔
ادھر آ گئے اب کارکن بن کے رہنا پڑے گا ۔ اس وجہ سے بھی نہیں آتے لوگ ۔
اور یہ نعرہ کیوں لگایا میرے آقا علیہ السلام نے ۔ عام کارکن جو آ رہے تھے ۔
بلال حبشی جیسے جو آ رہے تھے ۔ غریب آ رہے تھے ۔ مسکین آ رہے تھے محتاج
آ رہے تھے ۔ غلام آ رہے تھے ۔ مظلوم آ رہے تھے ۔ محکوم آ رہے تھے ۔ اب کثرت
تو بڑی آ چکی تھی ۔ یعنی غریبوں کی مسکینوں کی ۔ سب سے زیادہ ۔ اور اسلام کو قبول ہی
انہوں نے کیا تھا ۔ اب ایک ایسا مقام آ گیا تھا ۔ اب طاقتور لوگوں کی ضرورت
تھی ۔ اب لیڈروں کی بھی ضرورت تھی ۔ مضبوط لوگوں کی ضرورت تھی ۔ بڑے بڑے
قبیلے والوں کی ضرورت تھی اور لوگو ۔ میری بات کو سمجھو ۔ کارکنوں سمجھو ۔
اب ضرورت اس مقام پر تھی ۔ کہ بڑے قبیلے والے بھی آئیں ۔ کیونکہ اب مقابلہ
بڑی طاقتوں کے ساتھ شروع ہونے والا تھا ۔ قیصر روم کے ساتھ مقابلہ شروع ہونے
والا تھا ۔ کسریٰ ایران کے ساتھ مقابلہ ہونے والا تھا ۔ اب بڑی بڑی جن لاکھوں لاکھوں کے

کے ساتھ مقابلہ ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے ساتھ ٹکراؤ کا وقت آ رہا تھا۔ پہلے
چھوٹے معرکے تھے۔ کیونکہ اب بڑے معرکے آ رہے تھے۔ اب بڑے معرکے کے لیے نوجوان صرف جیوالے
سے کیونکہ اور تمنا جوانوں کی بجائے بڑے تجربہ کار بڑے ماہر سپہ سالار بھی درکار تھے۔ بڑے
بڑے لیڈر درکار تھے۔ بڑے بڑے قبیلے والے درکار تھے۔ کہ اب بڑا سردار آئے
تو ساتھ ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار کا۔ قبیلہ بھی آ جائے گا۔ (۴۲ — ۱۰ — ۱) ایک سردار
اسلام کے قلعے کے اندر آ گئے۔ اور اس کے ساتھ تو آ گئے دس ہزار قبیلے کے لوگ بھی آ جائیں گے۔
اگر ایک ایسا آدمی آ گیا تو ساتھ دس ہزار برادری کے ووٹ بھی آ جائیں گے — اب ایک ایسا
وقت آ گیا تھا۔ کہ ایک ایک شخص اپنے ساتھ سینکڑوں ہزاروں کو ساتھ لا رہا تھا۔ قبیلے
آ رہے ہیں۔ مال و دولت کی بھی ضرورت ہے اس تحریک کو۔ ماشاءاللہ جرنیلوں کی
ضرورت ہے۔ تجربہ کار لیڈروں کی ضرورت ہے۔ ہر قسم کے آدمی درکار ہیں محاذ میں۔
تو حضور آپ ﷺ نے ان پر دروازہ کھول دیا۔ بعد اعلان فرمایا خیارکم فی الجاہلیۃ خیارکم فی الاسلام۔ فرمایا
تم اسلام کو سمجھ لو اور آ جاؤ یہیں دروازہ کھولا ہوا۔ جو عہدہ تمہارا وہاں تھا۔ وہ عہدہ تمہارا یہاں ہوگا
جو عزت وہاں تمہاری تھی عزت یہاں ہوگی۔ تو دین کی برکت سے ان کے اندر بھی آہستہ آہستہ تبدیلی
آ جائے گی۔ اور وہ مصنوعی عزت بھی حقیقی عزت میں بدل جائے گی۔ جو اسلام میں رکاوٹ تھی
اس رکاوٹ کو نکال دیا۔ عمرو ابن العاص کفر و شرک میں چوٹی کے سردار تھے۔ جب اسلام
لائے۔ تو آپ ﷺ نے انہیں بھی سردار بنا دیا۔ حضرت خالد بن ولید غزوہ احد تک
اس لشکر کے بھی سردار تھے۔ اس نے بڑھ کر حملہ کیا تھا۔ اس دن بڑے — اور نقصان
پہنچایا تھا۔ چوٹی کے سپہ سالار تھے۔ کفر کے۔ اسلام میں آ گئے۔ تو آپ ﷺ کی مصطفیٰ نے
سیف اللہ بنا دیا — یہ نہیں کہا کہ پانچ دس سال اس کو ایسے ہی رکھیں پھر آہستہ
آہستہ عزت دیں گے — پھر بتائیں گے اس کو چاہو بنا لیں گے۔ پھر جرنیل بنا دیں۔ پھر تلوار بنا
لیں گے۔ اس طرح پھر اس کو اللہ کی تلوار بنائیں گے۔ ہلکی ہلکی ترقی دیں گے۔ نہیں۔ ایسا
نہیں کیا۔ وہ خالد بن ولید جو کہ سب سے حملہ کرنے والی تلوار تھے کہ اسلام کے خلاف
اٹھنے والی تلوار تھے کہ آپ کے قدموں میں گر گیا — تو مصطفیٰ نے اسی لمحے اس کو اٹھا کر سیف اللہ
بنا دیا — آج خالد بن ولید اللہ کی تلوار ہو گئے۔ (۴۱ — ۱۳ — ۱)

سیدنا فاروق اعظم اپنے گھر کھڑے ہیں۔ بہن کو مار رہے ہیں، ابھی فاروق اعظم
نہیں بنے عمر ابن الخطاب ہیں۔ مار رہے ہیں بہن کو کہ تو محمد کے پاس کیوں
جاتی ہے۔ تو توحید کا کلمہ کیوں پڑھتی ہے۔ تو نے باپ دادا کا دین مذہب
چھوڑ کر نیا دین کیوں اپنا لیا ہے۔ یہ کیا لیئے بیٹھی ہو، یہ تو دین قرآن۔ چھپ
چھپ کے کیا پڑھتی ہو۔ مار رہے ہیں بہن کو اور کہتے ہیں آج کے بعد میں
کہ میں تمہارے پیغمبر کا سر قلم کرتا ہوں۔ عالم یہ ہے اور ادھر مصطفےٰ دعا فرما
رہے ہیں کہ مولا باری تعالیٰ یا عمر ابن خطاب دے دے۔ (جامع ترمذی ابواب المناقب
جلد ۵ صفحہ ۶۱۷ رقم ۳۶۸۱ = یا عمر ابن ہشام کو بھیج دے۔ اللھم اعز الاسلام
با عمر یا عمر ابن ہشام ان دو میں سے کوئی ایک دے دے تاکہ اس کے ذریعے اسلام
کو عزت مل جائے۔ حالانکہ اسلام عزت دیتا ہے بندوں کو۔ مگر
بعض بندے ایسے آتے ہیں۔ جس طرح میں نے بتایا کہ جب طاقت ملتی
ہے۔ اسلام کی تحریک کو تو عزت بڑھتی ہے۔ عرض کیا باری تعالیٰ ان
دو میں سے عزت دے دیتا تاکہ اسلام کو عزت ملے۔ آئے ہیں تلوار لے کر
شہید کرنے۔ اس کو قبول کر لیا۔ سینے سے لگا لیا۔ عمر فاروق بنا دیا۔
فاروق اعظم بنا دیا۔ تو کتنا وقت لگا؟ سال ڈیڑھ ٹریننگ کے لیے۔ جب
کورس کرلے۔ تین چار مہینے ایک چلہ کر لیں۔ ایک حلقہ کر لیں۔ سمجھ تو کر
لیں بعد آپ کو فاروق اعظم بناتے ہیں۔ آئے تھے شہید کرنے۔ اور لگا کے سینے
سے فرمایا فاروق اعظم بنا دیا ہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ کچھ معاملہ یوں ہے کہ یہ
کچھ فطرت ہے۔ کچھ کچھ حیا کے معاملات ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ
اللہ کا کرم ہوتا ہے اور انسان بدلتا چلا جاتا ہے۔ تو آقا علیہ السلام
نے یہ طریقہ نہیں اپنایا۔ تاکہ اچھے اچھے لوگ داخل ہوں۔ اور اسلام کے آئیں
آقا علیہ السلام نے یہ کام نہیں کیا۔

اور بعد آقا علیہ السلام نے تحریف قلبی کے لئے اور سیاسی استحکام کی اقدامات
کئی کیے۔ یہاں تک کیا کہ جب مکہ فتح ہوا۔ تو ابو سفیان نے قبول اسلام

اسی وقت ہی مکہ کا فتح ہونا ہے قبول اسلام کیا گیا ہے۔ فتح کر لیا ہے جب مکہ کو تو ابوسفیان
ہی کوئی نہ رہ گیا تھا۔ قبول اسلام کیا مگر آقا نے یہ نہیں کہا۔ کہ ان کے پاس کوئی اختیار
نہ تھا مجبوری کا قبول اسلام کیا ہے۔ مگر نہیں۔ اس کو بھی عزت عطا کر دی۔ اور اعلان
کر دیا۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ ص ۱۴۰۷ رقم ۱۷۸۰ کہ ابوسفیان
کا گھر دارالامن ہے۔ جو اس کے گھر میں آ جائے اس کو بھی پناہ دے دی جائے گی۔
فتح مکہ پر قبول اسلام کیا اور اتنے قبول اسلام کے سے پہلے ہی درجہ عطا کر دیا کہ اس
کے گھر کو دارالامن بنا دیا کہ جو اس کے گھر آ جائے گا امن پا جائے گا۔ تو جب لوگوں
کو پتہ چلا کہ ابوسفیان کا گھر دارالامن ہے۔ کیونکہ وہ بنو امیہ قریش کا سردار تھا۔ جب
پتہ چلا کہ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ عوام الناس نے کہ اتنے بڑے سردار
نے قبول اسلام کر لیا ہے۔ تو وہ بھی کلمہ پڑھنے لگے۔ یہ ترغیب کرنے کے طریقے ہوتے ہیں
شکاری جب شکار کرتا ہے۔ تو شکار سے پہلے شکاری جانوروں کی آواز نکالتا
ہے۔ پھر جب علاقے میں جاتا ہے تو آواز نکالتا ہے اسی طرح کی جس آواز پر وہ جانور
اور پرندے اکٹھے ہوتے ہیں۔ زور زور سے آوازیں نکالتا ہے۔ پھر وہ جانور اور پرندے سمجھتے
ہیں ہمارا اپنا ہی ہے کسی مشکل میں ہے جو ہمیں بلا رہا ہے۔ دور دور کے جمع ہوتے ہیں جب
جمع ہو جاتے ہیں۔ تو شکار کر لیتا ہے۔ انہیں کی بولی بول کے اکٹھا کرتا ہے۔ ایک ہوتا ہے
کہ کسی کو اکٹھا کرنا پھر شکار کرنا۔ پھر اندر لے آنا۔ یہی مراحل ہوتے ہیں۔ جب جال
میں آ جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کو رفتہ رفتہ بدلتے جاتے ہیں۔ جس طرح میں نے کہی وہی بات
کی تھی کہ ہم نے جال ڈالا تھا۔ شکار کیا تھا بولی بولی تھی۔ پھنسایا تھا جب جال میں
میں پھنس گئے۔ جب ہم اپنی مرضی سے جو بات کہتے ہیں وہ مانتے ہیں۔
اب تو جال اچھا لگا پھنسا جو لیا ہے۔ اور پھر فرمایا لا تثریب علیکم الیوم۔ انتم الطلقاء
تم پر کوئی گرفت نہیں آج کے بعد تم سب آزاد ہو۔ اس آزادی اور کرم نوازی سے بھی لوگ
متاثر ہوئے۔ اسلام میں آ گئے۔ تو مقصد بات کا یہ ہے کہ
آقا علیہ السلام نے وہ انداز دیکھے۔ مذہبی بھی کیسے سماجی بھی کیسے [illegible]
اور اکٹھ بنائے تاکہ ان کے ذریعے۔ اسلام کی طاقت بڑھتی چلی جائے۔ اور فتح ہو گئی

چلی جائے گی۔ اور اس کے فوائد پیدا ہوں گے۔ جہاں جہاں اس کے معاہدے ہوئے۔ حضور علیہ السلام کی سیاسی حیثیت اور سماجی حیثیت [1] اور جماعتی حیثیت [2] اور مذہبی حیثیت جہاں جہاں آرگنائز ہوئے مستحکم [3] ہوتی چلی گئیں۔ جب مکہ سے چلے گئے۔ بعض آپ کا پیغام ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ بلکہ آپ کا نام بھی صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے تھے۔ (۲۵—۲۱—۱) آپ کو شہید کرنے کے درپے تھے۔ آپ کے دین و مذہب کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چہ جائیکہ کہ آپ کو سردار مان لیا جاتا کہ ہم سب کا۔ وہ سردار تو خود تھے۔ اور آپ کو سربراہ مان لیں۔ اور وقت آنے پر آپ کو بادشاہ مان لیں۔ یہ بہت ناممکن تھا۔ صرف آپ کا عقیدہ اس کو بھی ماننے پر بھی تیار نہ تھے۔ آپ کے میثاق مدینہ کیا یہودیوں کے ساتھ۔ یہودی اس خطے کے سب سے بڑی اقتصادی معاشی اور سماجی طاقت تھی۔ سب سے بڑی طاقت تھی۔ جب انہوں نے معاہدہ کیا۔ ان سے آرگنائز ہوا۔ اور اس آرگنائز کے حضور علیہ السلام سربراہ ہو گئے۔ مشرکین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ (۱—۲۲—۱۱)

Mabbas

۱۳-۰۵-۲۰۰۷

۲۵-۴-۱۴۲۸

AM-۷۱۵۶ بوزانوار

اللہ کا خوف

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا و یکفر عنکم سیاتکم و یغفر لکم ۔ واللہ ذوالفضل العظیم ۵ انفال ۲۹ ۔ پ ۹ = اے ایمان والو۔ اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے۔ تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل کی تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ ۔ اور بخش دیگا تمہیں اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کیلئے انعامات کا تذکرہ اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ (۱) نعمت فرقانی (۲) ستر عیوب۔ (۳) آمرزش گناہ ۔ فرقان مصدر ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہتے ہیں۔ ای بصیرۃ فی قلوبکم تفرقون بین الحق والباطل (مظہری) عارفین کاملین کا ارشاد ہے کہ ذکر الٰہی سے ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے حقائق اشیاء منکشف ہو جاتی ہے۔ اور غلط و صحیح میں فرق محسوس ہونے لگتا ہے اور حضور علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ ۔ مومن کی فراست سے ڈرا کرو۔ وہ تو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۔ ـــــ پرہیزگاروں پر دوسرا انعام یہ کیا جائے گا کہ ان گناہوں کو چھپا دیا جائے گا۔ تاکہ کسی کی نگاہ ان پر نہ پڑ سکے۔ علامہ ابن منظور یکفر کی تشریح کرتے ہیں۔ یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان بھی محو ہو جائے۔ علامہ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں۔ والتکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب۔ اگر ثواب باطل ضبط ہو جائے تو اس کے لئے احباط کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر گناہوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے تو وہاں تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب) اللہ تعالیٰ کا پرہیزگاروں پر یہ کرم ہے کہ عالم غفلت میں ان سے جو گناہ سرزد ہوئے۔ ان کو وہ اپنے کرم کی چادر سے ڈھانپ دے۔ اور کسی کو ان گناہوں کی اطلاع تک نہ ہو۔ ان نیک بختوں پر جو تیسرا احسان فرمایا جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے باعث ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھیں تو اس پر قلم عفو پھیر دیا جائے گا۔ اور اسے بخش دیا جائے گا۔ اپنے پرہیزگار بندوں پر اس کی یہ بخشش عطائے بے انداز محض اس کا فضل و کرم ہے۔ کسی کا اس پر کوئی حق نہیں۔ جس کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو۔ راہ تقویٰ پر گامزن ہونا بھی تو محض اس کی توفیق و دستگیری کا ہی مرہون منت ہے۔

ضیاء القرآن ۱۴۴/۲

نبی کی نعت پڑھتے ہیں عبادت ہوتی جاتی ہے۔ محمد کا کرم اللہ کی رحمت ہوتی جاتی ہے
بحمد اللہ محمد کی غلامی کا نتیجہ ہے خدا کے نیک بندوں سے محبت ہوتی جاتی ہے۔ نبی کا شہر تو شہر نبی ہے اس کا بیاباں بھی ہمیں طیبہ کے زائر
سے عقیدت ہوتی جاتی ہے۔ خدا کے شہر سے مجرم سزا سے کر رہا ہو پہنچے نبی کے شہر میں ان کی ضمانت ہوتی جاتی ہے۔ رو رہا تا ہوں
محمد کا سے مجھے لو ہر ناصر۔ کلام اللہ کی جب سے تلاوت ہوتی جاتی ہے۔ (کلام سید ناصر حسین شاہ)

پیارے دوستو! یہ ذہن میں رہے۔ کہ جہاں خوف خدا ، سفر آخرت کی کامیابی کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ وہیں رحمت الہی کی برسات کی امید رکھنا۔ بھی تو بڑی کارآمد ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ انسان گویا ایک ایسا پرندہ ہے۔ جسے سفر آخرت کامیاب بنانے کے لئے، خوف خدا اور رحمت الہی کی امید کے دو پروں کی ضرورت ہے۔ رحمت خداوندی کس طرح اپنے امیدوار کو آغوش میں لیتی ہے۔ حدیث قدسی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اگر میرا بندہ آسمان بھر کے گناہ کر بیٹھے پھر مجھ سے بخشش چاہے۔ اور امید مغفرت رکھے۔ تو میں اس کو بخشش دوں گا۔ اور اگر بندہ زمین بھر کے گناہ کرے۔ تو بھی میں اس کے واسطے زمین بھر رحمت رکھتا ہوں۔

(1) (کیمیائے سعادت ج ۳ باب فضیلت الرجاء ۸۱۳)

سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں جنتیوں میں سے آخری داخل ہونے والے جنتی اور دوزخیوں میں سے نکلنے والے آخری شخص کو جانتا ہوں۔ کہ وہ شخص ہو گا۔ جسے قیامت کے دن لایا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو۔ اور بڑے گناہ چھپائے رکھو۔ چنانچہ اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا۔ کہ تو نے فلاں دن فلاں گناہ اور فلاں دن فلاں گناہ کئے۔؟ وہ انکار کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔ اور کہے گا۔ ہاں۔ اس وقت وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہو گا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی پیش کر دیئے جائیں۔ جب اسے بتایا جائے گا۔ کہ تیرے لئے ہر گناہ کے بدلے میں نیکی ہے۔ تو وہ کہے گا۔ کہ میں نے تو اور بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے ہیں۔ وہ یہاں نظر نہیں آ رہے۔؟ حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آقا علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ کی مسکراہٹ کے باعث داڑھیں چمک گئیں۔ (مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ ۵۵۸۷۔

(۲) مروی ہے۔ کہ ایک گناہ گار و فاسق شخص بصرہ کے گرد و نواح میں کسی جگہ فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی کو کوئی بھی ایسا شخص نہ ملا۔ جو اس کا جنازہ اٹھائے۔ حتیٰ کہ پڑوسیوں میں سے بھی کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔ کیونکہ یہ شخص بڑا فاسق تھا۔ چنانچہ اس عورت نے دو مزدور اجرت پر لئے۔ جو اسے جنازہ گاہ تک لے گئے۔ مگر کسی نے بھی اس کا جنازہ نہ پڑھا۔ پھر وہ اسے دفن کرنے کی غرض سے صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔ اس صحرا کے قریب ایک پہاڑ تھا۔ جس پر بڑے زاہد و عابد بزرگ رہتے تھے۔ اس عورت نے دیکھا کہ وہ یوں کھڑے ہیں۔ جیسے اسی جنازے کا انتظار کر رہے ہوں۔ اس بزرگ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ کہ وہ بزرگ فلاں کا جنازہ پڑھیں گے۔ لوگ یہ سن کر اس جگہ اکٹھے ہو گئے۔ اور بزرگ کے ہمراہ نماز جنازہ ادا کی۔ لوگوں نے بزرگ کے اس شخص کا جنازہ پڑھنے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا تو انہوں نے بتایا۔ مجھے خواب میں حکم دیا گیا تھا۔ کہ اس جگہ جاؤ۔ جہاں تمہیں ایک جنازہ ملے گا۔ جس کے ساتھ ایک عورت ہو گی۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ کہ وہ مغفرت یافتہ ہے۔ یہ سن کر لوگوں کی حیرانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر اس بزرگ نے اس شخص کی بیوی سے اس کے کردار وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ وہ دن بھر بدمستی کرنے اور شراب نوشی میں مشہور تھا۔ بزرگ نے دوبارہ کہا۔ یاد کرو۔

کیا تم نے کبھی اس میں کوئی عبادت کی بات دیکھی۔؟ تو اس نے عرض کی جی ہاں۔ تین باتیں ہیں۔ (۱) یہ کہ جب صبح کے وقت اس کا نشہ اترتا۔ تو یہ اپنے کپڑے تبدیل کرتا۔ اور وضو کر کے صبح کی نماز جماعت سے پڑھتا۔ اور پھر فسق و فجور میں کھو جاتا۔ (۲) یہ کہ یہ ہمیشہ اپنے گھر میں ایک یا دو یتیم بچوں کو رکھتا۔ اور اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کا خیال رکھتا تھا۔ (۳) جب رات گئے نشے سے کچھ دیر کیلئے ہوش میں آتا۔ تو رونے لگتا۔ اور کہا کرتا۔ اے میرے رب تو نے مجھ خبیث کو جہنم کے کس کونے میں ڈالنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ یہ سن کر وہ بزرگ واپس ہو گئے۔ یہ کہ اس کی مغفرت کا راز یہی ہے۔ (۴) سرکارؐ نے فرمایا جو دن میں ۵۰ مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو قیامت کے دن میں اس کے ساتھ مصافحہ کروں گا۔ حدیث۔ (مکاشفۃ القلوب) صفحہ ۳۱۵

۱۳-۵-۲۰۲۲ ۲۵-۴-۱۴۴۳ ۸۳۳ ۸۱۰۰ انوار (بہادر علی سنگ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۹۰ ھود ۱۲ پ

اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر دل و جان سے رجوع کرو۔ اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان اور پیار کرنے والا ہے۔ اس آیت پاک میں اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ میرے بندے اپنے بار گناہ کو دیکھ کر اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یہ خیال نہ کرو۔ کہ عمر بھر تو اس کی سرکشی کرتے رہے۔ اب آخر میں پتا نہیں معافی ملے گی نہ ملے۔ یہاں مایوسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تم اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرتے ہوئے مغفرت طلب کرو گے۔ اور آئندہ کے لئے اس کے ساتھ اطاعت و انقیاد کا پیمان وفا باندھو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اس کی مغفرت کا ایک چھینٹا تمہاری عمر بھر کی غلطیوں اور نادانیوں کے لئے کافی ہوگا۔ کیونکہ میرا رب جس کی رحمت واسعہ کی۔ میں تم کو خوشخبری دے رہا ہوں۔ جس کی بارگاہ عزت میں حاضر ہونے کی میں تمہیں ترغیب دے رہا ہوں۔ جس کے دامن کرم میں سر چھپانے کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کا بحر کرم بے کراں ہے۔ اس کی عنایات کا بادل جب برستا ہے۔ تو ہر چیز کو سیراب کر دیتا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ بلکہ زمین و آسمان کا واحد مالک ہونے کے باوجود اپنے بندوں سے نفرت نہیں کرتا۔ اور انہیں نظر حقارت سے نہیں دیکھتا۔ بلکہ محبت فرماتا ہے۔ اور جب کوئی روسیاہ شکستہ دل ہو کر اس کے حضور میں حاضر ہوتا ہے۔ تو اسے بے پایاں مسرت ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی فرماتے ہیں۔ کہ میں تمہیں ایسے رحیم اور ودود کے دربار میں باریابی بخشنے کے لئے انتہائی بے چین و بے قرار ہوں۔

ودود مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت محبت فرمانے والا۔ ضیاء القرآن ۳۸۷/۲ (محمد کرم شاہ)

رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ رب العزت کا فرمان عظمت نشان ہے۔ کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر بخشش فرمائے گا۔ جس کا کسی کے دل میں تصور بھی نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ شیطان بھی اس کا منتظر ہو گا۔ کہ شاید مجھے بخش دیا جائے (کیمیائے)

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا۔ اور اس کے ننانوے اعمال نامے ساتھ ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک حدِ نگاہ تک طویل ہو گا۔ اس شخص کو اس کے سارے گناہ بتائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا۔ کیا تم ان میں سے کسی تقصیر کا انکار کر سکتے ہو۔ کہیں فرشتوں نے اس کے لکھنے میں تجھ پر ظلم تو نہیں کیا۔ وہ شخص جواب دے گا۔ یارب نہیں۔ پھر رب العالمین دریافت فرمائے گا۔ کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے۔ وہ عرض کرے گا اے رب نہیں۔ اور وہ سمجھے گا کہ اب تو مجھے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ تب رب تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بندے تیری ایک نیکی میرے پاس ہے۔ میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا۔ پھر ایک رقعہ لایا جائے گا جس پر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ لکھا ہو گا۔ اسے دیکھ کر وہ شخص حیران ہو کر پوچھے گا۔ یارب یہ رقعہ ان بڑے بڑے دفاتر گناہ کے کیونکر ہم پلہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا۔ پھر گناہوں پر مشتمل ان تمام اعمال ناموں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ جبکہ اس رقعہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ تو رقعے والا پلڑا ان تمام پر بھاری ہو جائے گا —— حضرت سعید ابن ہلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ دو شخصوں کو جہنم سے باہر لایا جائے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ جو عذاب تم نے دیکھا۔ وہ تمہارے ہی عملوں کے سبب سے تھا۔ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر ان کو دوبارہ جہنم میں ڈالے جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ ان میں سے ایک شخص زنجیر بپا پڑی ہونے کے باوجود جلدی جلدی دوزخ کی طرف جائے گا۔ اور کہتا جائے گا۔ کہ میں گناہوں کے بوجھ سے اتنا مجرم ہو گیا ہوں۔ کہ اب اس حکم کو پورا کرنے میں کوتاہی نہیں ~~کروں گا~~ کر سکتا۔ اور دوسرا کہے گا۔ کہ یاالٰہی میں نیک گمان رکھتا تھا۔ اور مجھے امید تھی۔ کہ ایک مرتبہ دوزخ سے نکالنے کے بعد دوبارہ دوزخ میں ڈالنا۔ تیری رحمت گوارہ نہ کرے گی۔ تب اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی۔ اور ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ (ترمذی کتاب صفۃ الجہنم جلد ۲ صـ ۲۶۹)

325

انانیت کی مذمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ٥ (سورۃ نحل ١١٨) اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ۔۔۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو میرا امتی عقیدت اور محبت کے ساتھ مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا۔ یا پڑھتا ہے۔ تو رب تعالیٰ ایک مرتبہ درود و سلام پڑھنے کے صدقے اس بندے کے اسی سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (سبحان اللہ) آپ کو سبحان اللہ کی فضیلت بتاتا ہوں۔ کہ جو شخص کسی اچھی بات پر سبحان اللہ کہتا ہے۔ اس کا جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے۔ تو پھر کیا اچھا ہو کہ آج ہم جنت میں بہت زیادہ درخت لگا کر جائیں (نیفعان سنت) ان شاء اللہ اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے۔ کہ یار ہماری عمر ہی چالیس سال ہے۔ تو گناہ بھی چالیس سال کے ہوں گے۔ اگر ہم نے درود پاک پڑھا تو ہمارے اسی سال کے گناہ کیسے معاف ہوں گے۔ ۔۔۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس کے چالیس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور باقی چالیس سال کی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ جو میرا امتی ایک مرتبہ مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے۔ رب تعالیٰ اس بندے کی طرف مرتبہ رحمت کی نظر فرماتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا۔ ؛ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور رب تعالیٰ کا جلال عروج پر ہوگا۔ کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اور ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوگی کہ کوئی تو بندہ ایسا ہو۔ جو رب تعالیٰ کے جلال کو جمال میں تبدیل کروا دے۔ تو اس منظر میں پھر کیا ہوگا۔ کہ فرشتے مجھ سے کہیں گے کہ احمد رضا پھر یوں پڑھو۔ میں میدان محشر میں پڑھوں گا ٥

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام۔ شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام۔

فائدہ :- اس سے یہ ہوگا۔ کہ جو ایک مرتبہ درود و سلام پڑھتا ہے۔ اس پر رب تعالیٰ دس مرتبہ نظر عنایت فرمائے گا۔ تو میں جب لاکھوں مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ تو رب تعالیٰ کروڑوں مرتبہ رحمت بھری نظر فرمائے گا۔ تو رب تعالیٰ کا جلال خود ہی جمال میں تبدیل ہو جائے گا۔ :- ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی باہر سے شخص آتا ہے۔ تو بڑے اہل علم بڑے بڑے وزراء و امراء اس کے استقبال کے لیے جاتے ہیں۔ لیکن اس معزز مہمان کے استقبال کیلئے ننھے بچے آگے کر دیئے جاتے ہیں۔ پوچھا یہ بچے بڑے سیاستدان ہیں۔ یا عالم ہیں۔ ان کو آگے کیوں کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے ہیں۔ اس لیے آنے والے کا یہ استقبال کریں گے۔ فرمایا کہ جب میدان حشر میں پیارے آقا علیہ السلام کی سواری آرہی ہوگی۔ تو فرمائیں گے۔ کہ وہ لوگ آگے آجائیں جن کے ہاتھوں میں درود و سلام کے گلدستے ہیں۔ تو پھر وہاں کیا ہوگا۔ ٥

ے پڑ گئی جس پہ محشر میں بخشا گیا ۔ دیکھا جس سمت ابر کرم چھا گیا ۔ رُخ جدھر ہو گیا زندگی پا گیا ۔

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا ۔ اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام ۔

عزیزانِ گرامی ۔ درود و سلام کو اپنا وظیفہ بنا لو ۔ ایسا وظیفہ بنا لو کہ میں سو جاؤں یا مصطفیٰ آپ کہتے ہیں اگر کسی سے کہتا ہوں ۔ کہ نماز نہیں پڑھتے ۔ تو آگے سے جواب آتا ہے ۔ کہ شیطان پیچھا نہیں چھوڑتا ۔ آپ روزے نہیں رکھتے ۔ جی شیطان پیچھا نہیں چھوڑتا ۔ آپ جھوٹ نہ بولو ۔ دھوکہ بازی کیوں کرتے ہو ۔ شیطان کے کہنے پر یہ کام کر بیٹھتے ہیں ۔ اور شیطان ہمیں گمراہی کی راہ پر چلا دیتا ہے ۔ تو سوال یہ ہے کہ ہمیں تو شیطان نے گمراہ کیا ۔ شیطان کو کس نے گمراہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ وما ظلمنٰھم ـــ یظلمون ۝ آپ کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہونی چاہیے ۔ کہ ہمیں تو شیطان گمراہ کرتا ہے ۔ اور یہ بڑا خبیث ہے ۔ اس کو گمراہ کرنے والا کون ہے ۔ تو پھر آج یہ سمجھیں گے ۔ کہ ہمیں گمراہ کرنے والا شیطان ہے ۔ اور شیطان کو گمراہ اس کے نفس نے کیا ۔ اب بتاتا ہوں نفس کیا ہے ۔ یہ نفس پین پنسل کی طرح نہیں ہوتا ۔ کہ میں پکڑ دوں کہ اس سے بچ کے رہنا ۔ اس کا وجود آپ کو نظر نہیں آ سکتا ۔ اس کو عربی میں انا کہتے ہیں ۔ اور اردو میں ۔ "میں" ۔ جناب میں نے یہ کر دیا ۔ میں نے فلاں کام کیا ۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا تھا ۔ میں اتنے پیسے والا ہوں ۔ میں اس فلاں بندے کے پاس کیوں جاؤں ۔ نہ نہ اس میں میری عزت کم ہوتی ہے ۔ میں بڑا اونچا بندہ ہوں ۔ یہ جو انا ہے اس کو نفس کہتے ہیں ۔ اور یہ انا اگر اللہ تعالیٰ میں ہے ۔ تو حسن ہے ۔ اور اگر مخلوق میں ہے ۔ تو تباہی و بربادی ہے ۔ قرآن پاک میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ واذ قلنا للملئکۃ اسجدو ـــ الکفرین ۔ پ ۱ ع ۴ اس سے پوچھا گیا ۔ کہ تجھے کس چیز نے ایسا کرنے سے روکا ۔ کہا ۔ میں اس سے بہتر ہوں ۔ کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں ۔ اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے ۔ لہٰذا میں اس کو سجدہ کیوں کروں ۔ اس میں انا آ گئی ۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ نکل جا یہاں سے قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہے ، اور تجھ پر لعنت برستی رہے گی ۔ تو بس سمجھ جائیے ۔ کہ جس کے اندر انا ہے ۔ اور اس نے اس انا کو ختم کر دیا ۔ تو امن میں رہے گا ۔ اور اگر انانیت برقرار رہے ۔ تو پتہ نہیں کہ اس پر کب تباہی و بربادی آ جائے ۔

ہر شخص کو چاہیے کہ وقتاً فوقتاً اپنا محاسبہ کرتا رہے ۔ کہ کہیں اس میں انانیت تو نہیں ہے ۔ کیونکہ ہمارے پیارے آقا علیہ السلام میں انانیت نہیں تھی ۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تمہیں جیسا بشر ہے

کو فضول نہیں بناتا۔ بلکہ ہر چیز کو کسی نہ کسی حکمت کے تحت بناتا ہوں۔ مثلاً مکھی کی تخلیق پر غور کیجئے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ یہ مکھی متکبر کا تکبر توڑنے کیلئے بنائی گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ فلاں بندہ بڑا اکڑ والا ہے۔ اس میں بڑی انانیت ہے۔ جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا۔ تو کیا ہوتا ہے کہ مکھی کسی نہ کسی طرح ناک پر بیٹھ ہی جاتی ہے۔ پھر تو تکبر ختم ہو گیا۔ یہ مکھی تکبر کو توڑنے کیلئے بنائی گئی ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر کبھی مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ کیونکہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انانیت تھی ہی نہیں۔ جہاں پر تکبر نام کی کوئی چیز ہی نہیں وہاں مکھی کا کیا کام ——— آج ہمارے پاس گاڑی آ جائے۔ تو ہم اس میں اکڑ کر بیٹھتے ہیں۔ کہ ہم گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ کلاشنکوف پکڑے آدھی کھڑے ہوتے ہیں۔ کہ اس طرح کی گاڑی کسی کے پاس نہیں ہے۔ پیدل چلنے والے کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ہمارے آقا علیہ السلام کے قربان جاؤں۔ کہ شب معراج براق پیش کیا گیا لامکان سے آگے چلے گئے۔ جہاں فرشتے نہیں جا سکتے۔ کوئی اور انسان نہ گیا، نہ جا سکے گا۔ اتنے بلند مقام پر جانے کے بعد بھی انانیت نہیں آئی۔ بلکہ رب تعالیٰ نے پوچھا۔ کہ اے ہمارے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہو۔ عرض کرتے ہیں۔ یا اللہ میری ظاہری باطنی عبادت سب تیرے لئے ہے۔ میں تیری بارگاہ میں عاجزی وانکساری لے کر آیا ہوں۔ اتنا بلند مقام مل جانے کے باوجود آپ میں انانیت نہیں آئی۔ حدیث پاک میں ہے کہ۔

کہ ہمارے آقا علیہ السلام ایک بار تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام موجود ہیں۔ انبیائے کرام کے واقعات بیان فرما رہے تھے۔ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ۔ حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ ——— لیکن مجھے حبیب اللہ بنایا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ اور قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ قیامت کے بعد تمام صحابہ کرام میرے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ قیامت کے دن میدان حشر میں میں لوگوں کی شفاعت کروں گا۔ سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گا۔ مجھے اس پر فخر نہیں ہے

عزیزان گرامی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ ہمارا مشعل راہ ہے۔ اگر ہمیں کسی بات کی سمجھ نہ آتی ہو۔ تو ان کی زندگی سے ہم سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما تھے۔ اور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ قیصر و کسریٰ کا تاج ٹھوکر میں پڑا ہے۔ مال و دولت ٹھوکر میں پڑا ہے۔ آپ بیان فرما رہے ہیں۔ بیان کو منقطع کیا۔ اور منبر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لائے۔ تو سارا کپڑا پانی سے بھیگے ہوئے تھے۔ لوگ حیران ہیں۔ (اگر کوئی بیان چھوڑ کر چلا جائے تو حیرانگی ضرور ہوتی ہے۔ کہ ان کو کیا ہوا۔ یا پیٹ خراب تو نہیں ہوا) واپس آئے۔ تو لباس مکمل پانی سے بھیگا ہوا ہے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی۔ کہ آپ کیوں چلے گئے۔ فرمایا جب میں بیان کر رہا تھا۔ تو میرے

نفس نے کہا کہ واہ مشہور وکیل کا تاج تیری ٹھوکر پہ پڑا ہے۔ تو فرمایا کہ میں فوراً چلا گیا۔ اور جن کے گھروں میں پانی بھرتا
تھا پانی بھر کر رہا ہوں۔ اور کہا کہ میں یہ ہوں۔ ایسے ہی سوچ رہا تھا کہ مشہور وکیل کا تاج تیری ٹھوکر پہ ہے۔ تو یہ
ہے مرشد کامل کا انانیت کو ختم کرنا۔ (حکایت) ایک بزرگ بہت جائیداد کے مالک
تھے۔ ان کے پاس کافی زمینیں تھیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ جب میں اس راستے پہ آنے لگا۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ
میں اتنا بڑا جاگیر دار زمینوں والا۔ فیکٹریوں والا۔ حالت میری یعنی انانیت آ گئی۔ فرمایا جاؤ۔ روٹیاں مانگ کر لاؤ بالکل
جوان تھے۔ تو دور سے ایک بڑھیا اس کو دیکھ کر کہتی کہ یہ دیکھو۔ جوان ہٹا کٹا ہے۔ اور مانگ کر کھاتا ہے۔ گالیاں نکالتی ہے بعد
میں اس کے پاس دن میں دو مرتبہ جایا کرتا تھا۔ وہ جتنی گالیاں نکالتی تھی میرے اتنے درجات بلند ہوتے تھے۔

ے مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے۔ کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے۔

(۱) رات کو جاگنا۔ کتے اور بندے کی مثالیں۔ انسان کو نصیحت

عزیزان گرامی میں ایک اور مثال دیتا ہوں۔ اس میں بھی انانیت ہے۔ مثلاً کوئی شخص اگر کہے کہ میں تہجد کے وقت اٹھتا ہوں۔
کم از کم بارہ نوافل پڑھتا ہوں۔ اچھا۔ بلھے شاہ فرماتے ہیں۔ اے بندے اگر تو رات کو جاگتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں
عالم بن گیا۔ ولی بن گیا۔ نہیں رات کو جاگنا بڑی بات نہیں۔ رات کو تو کتے بھی جاگتے ہیں۔ تو نے کون سا کمال کر دیا۔ فرمایا۔

ے جس دل اندر عشق نہ رچے کتے اس توں چنگے مالک دے در راکھی کردا صابر بھکھا ننگے
مالک دا در نہیں چھڈدے بھاویں مارو سو سو جتے اٹھ بلھیا چل یار منا لے نہیں تے بازی لے گئے کتے

کتے کا مالک کیا کرتا ہے۔ صرف اس کو روٹی دیتا ہے۔ نہ کوئی لباس ننگا رہتا ہے۔ مگر رکھوالی کرتا ہے۔ اگر مالک منہ بھی
اوڑھ دے تو در چھوڑ کر نہیں جاتا۔ اور اگر اسے ایک وقت کی روٹی نہ ملے۔ جو کہتے ہیں کہ حالات بڑے کمزور ہو گئے ہیں
حافظ صاحب فلاں بندہ نہ نماز پڑھتا ہے۔ نہ روزہ رکھتا ہے۔ لیکن بڑی عیش کر رہا ہے۔ جناب میں نے جب سے نماز
پڑھنی شروع کی ہے۔ ملازمت چلی گئی ہے۔ مصیبتیں آنا شروع ہو گئیں ہیں۔ مالک کتے کو مارتا ہے
لیکن کتا مالک کا در نہیں چھوڑتا۔ اور ہمیں مالک کی طرف سے تھوڑی سی تکلیف ملتی ہے تو بلک اٹھتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میرے پاس ایک آدمی آیا۔ اور کہنے لگا کہ بندہ افضل ہے یا کتا۔ موازنہ دیکھو ذرا
فرمانے لگے۔ اگر بندہ اپنے مالک کا فرمانبردار ہے۔ تو کتے سے کروڑ درجہ افضل ہے۔ اور اگر بندہ نافرمان ہے۔ تو کتے سے سو
درجہ سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اگر شمار کرنا شروع کر دیں تو گنتی
ختم ہو جائے گی۔ لیکن نعمتیں شمار نہ ہو سکیں گی۔ رب تعالیٰ ہمیں اتنی نعمتیں عطا کر رہا ہے۔ لیکن ہم پھر بھی اس کی آواز پر

لبیک نہیں کہتے۔ اگر مالک اپنے کتے کو آواز دیتا ہے۔ تو کتا دوڑ کر آتا ہے۔ اشارہ کرتا ہے۔ پاؤں چومتا ہے۔ اے بندے
رب تجھے اتنی نعمتیں عطا کر رہا ہے۔ نواز رہا ہے۔ انعام عطا کر رہا ہے۔ پھر صدا آتی ہے۔ حی علی الصلوٰۃ۔
آؤ نماز کے لیے۔ نماز کا وقت ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ وقت نہیں ملتا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ نماز نیند سے بہتر ہے
ہم بستر کے اندر گھس جاتے ہیں۔ اور زبانِ حال سے کہتے ہیں۔ کہ نہیں نیند بہتر ہے۔ (معاذ اللہ)
تو ایسا بن جا ورنہ تجھ سے کتے بازی لے جائیں گے۔ تو پیچھا رہ جائے گا۔

عزیزان گرامی ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ جس کے اندر انانیت موجود ہے۔ وہ کچھ مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا
چاہے وہ جو مرضی کر لے۔ آج کل فقط مسجد میں جانے سے ہی بات نہیں بنتی۔ اپنے اندر کو صحیح کرو۔ اپنے من
کی پلیدی کو دور کرو۔ خدا کی قسم انوار و تجلیات برسنے لگتی ہیں۔ زبان سے نہ ہی تبلیغ کرو۔ اجتماع میں بیٹھ جاؤ
بندے خود بخود اللہ اللہ کرنا لگتے ہیں۔ تمہارے چہرے سے لوگ اندازہ لگا لیں۔ بس ایک دفعہ اپنے من کو درست کر لو۔ پھر
دیکھو انعام کیسا ملتا ہے۔ ایک دفعہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ ان کے مریدوں
نے بہت علاج کرایا۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ فرمانے لگے۔ کہ کسی حکیم کو بلوا لو۔ مرید حکیم کو لینے اس کے پاس گئے۔ کہ ہمارے پیر و مرشد بیمار
ہیں چلو۔ حکیم بولا۔ کہ میں تمہارے پیر و مرشد کے پاس نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے۔ کہ جو اسے دیکھتا ہے۔ وہ کلمہ پڑھنے
لگتا ہے۔ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھر نہیں سکتا۔ اس لیے ان کی قمیض لے آؤ۔ مرید گئے۔ اور قمیض لے آئے۔ حکیم آپ کا
کرتہ سونگھتا گیا۔ اور کلمہ پڑھتا گیا۔ اپنے من کی پلیدی کو دور کر دو گے۔ پھر جدھر بھی جاؤ گے۔ کام سنورتا ہی جائیں گے۔

پہلے اپنی میں میں کو مارو۔ جب میں میں آتی ہے۔ تو بکرا جاتی ہے۔ چھری۔ گوشت کے ٹکڑے کیے جاتے ہیں
اس کی انتڑیوں کو سکھا کر ستار بنایا جاتا ہے۔ اس کو چھیڑا جائے تو اس میں سے آواز آتی ہے۔ تو تو۔ سب کچھ مٹانے
کے بعد جو تو تو کرتا ہے۔ تو پھر پہلے ہی تو تو کر لیتا تو اچھا تھا۔ اس لیے۔ دنیا میں ابھی میں میں کی بجائے تو تو کر لے۔ مرنے کے بعد
بھی تو تو کرنا ہے۔ اپنی ہستی کو مٹا کر اللہ اور اس کے رسول کے ذکر میں محو ہو جا۔

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے۔ ہر طرف اُس کی صدا آ رہی ہے۔

یاد رکھو۔ بندہ اپنی ہمت سے کوئی نیکی نہیں کر سکتا۔ اگر بندہ نیک کام کرتا ہے۔ تو رب تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔ اس میں ہمیں
کا کیا کمال ہوا۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ اس نے بندے سے وہ کام لیا۔ جو وہ اپنے نیک بندوں سے لیتا ہے۔ نماز پڑھ
کر۔ تو کہنے لگا۔ کہ میں نے نماز پڑھ لی۔ بلکہ کہے۔ کہ اللہ کا شکر ہے۔ کہ اس نے توفیق دی۔ ——— حضرت سلیمان علیہ السلام
اپنے دربار میں موجود تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کہنے لگے۔ کہ تم میں سے کون ہے۔ کہ جو تختِ بلقیس اٹھا لائے۔ ایک بڑا جن حاضر ہوا۔

کہنے لگا کہ میں آپ کی عدالت کے برخاست ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس سے بھی جلدی چاہیے۔ ایک اہل
کتاب صحابی سلیمان کھڑا ہوا۔ بولا کہنے لگا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا۔ آپ نے اسے تخت لانے کی اجازت
دے دی۔ پھر پلک جھپکتے ہی ایک عظیم الشان تخت سامنے موجود تھا۔ آپ نے اس سے تخت جلد لانے کا سبب پوچھا تو اس
نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ یہ کام مجھ سے ہو گیا۔ یعنی کام اللہ کے ساتھ منسوب کر دیا۔ اپنی میں اور اپنا پن سبب
کرنے کے لیے نہیں تھا۔ اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو۔ تو جو کام کرو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ کہ اس نے یہ کام کرنے کی توفیق
دی۔ پھر دیکھو کیسے کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومتی ہے۔

اب ہمیں کوئی گالی دے۔ تو اس کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہیے۔ آپ نے بیری کا درخت دیکھا ہے۔ کہ اس کی شاخوں اور
کانٹے بھی چبھنے ہوتے ہیں۔ اس پر بہت پھل لگتا ہے۔ جتنا جھکو گے۔ پھل زیادہ ملے گا۔ لوگ بیری کو پتھر مارتے ہیں۔ بیری آگے
سے پھل دیتی ہے۔ ہمیں بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔

سبق اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو دعائیں دیں۔ سبق اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں۔

سلطان مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی وادی میں تشریف لے گئے۔ تو لوگوں نے پتھر برسائے۔ آپ کے نعلین مبارک خون سے
بھر گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ساری بستی کو تباہ و برباد کر دوں۔ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر
ہوا۔ حکم کریں۔ تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں۔ کہ ان کا نام و نشان ہی مٹ جائے۔ ہواؤں کا فرشتہ آیا۔ کہ آندھی
چلا دوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں ان پر عذاب نہیں چاہتا۔ میں تو ان کے لیے رحمت بن کر آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پیارے آقا علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی خدمت میں ایک آدمی آیا۔ اور آکر آپ کو گالیاں دینے لگا۔ جب کہہ کر چلا گیا۔
تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے اللہ اگر میں ایسا ہوں۔ تو مجھے نیک کر دے۔ اور اگر نہیں ہوں۔ تو اس کی مغفرت کر دے۔

مثال۔ زمین میں دانہ ڈالنے کی۔ واقعہ ایک بزرگ کا اور مرید کا۔ جس کی منزل پر لے ہو گئی
ایک عورت کو بیٹا عطا کرے۔ ٹوکری پھینکی ——— بزرگ کا فرمان ابھی تیرے اندر میں ہے۔

Muoulana Muhammad Abbas Nizamia Distt. Teh. Pakpattan

۷-۲-۵
۵-۱۴۴۸

بروز اتوار

AAM 10:51:00

۱۔ شانِ مغفرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـٕیْنَ ○ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ ۹۷-۹۸ یوسف ۔ ۱۱ بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدرِ محترم مغفرت مانگیے ہمارے لئے ہمارے گناہوں
کی ۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے ۔ فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے رب سے بے شک وہی غفور رحیم ہے ۔
ے مٹھے مٹھے سوہنے پیڑے بول کملی والیا ۔ سبھ لبیندے غماں دے پول کملی والیا ۔ ٹھنڈیاں ہواواں نے مدینے وچوں چلیاں ۔ زلفاں نوں
ذرا جدوں کھول کملی والیا ۔ شہزادیاں ملکاں دا تے میریاں خطاواں دا وچیا زمانے اتے ڈھول کملی والیا ۔ عرش سجایا تے بلاوا سی
گھلیا ۔ راتوں رات آجا میرے کول کملی والیا ۔ خوف بڑا میں حضوری سالوں شہر دا تے حشر دا ۔ رحمتاں دی کھنی پیڑے کول کملی والیا
صفتاں سوہنے رسول دیاں ص ۵۴ کلیات ظہوری (اکبر علی سندھی کے قول کی مثل پیر)

(۱) سب فرزندوں نے مودبانہ التجا کی اے ہمارے پدر بزرگوار ہم سے قصور ہو گیا ہم نے بڑی غلطی کی ۔ اب ہم اس کا اعتراف بھی
کرتے ہیں ۔ اور سخت نادم بھی ہیں ۔ آپ ازراہ کرم بارگاہ رب العزت میں ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا فرمائیے (۲) آپ نے
وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے لئے اپنے رب کے حضور میں مغفرت کی التجا کروں گا ۔ بعض روایات میں ہے ۔ کہ آپ نے سحری کے وقت
اور بعض میں ہے کہ شب جمعہ کو دعا مانگی ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے
قصوروں کو معاف فرما دیا ۔ اس سے معلوم ہوا ۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے التماس دعا کرنا ۔ اور پھر ان کی برکت سے دعا
کا مستجاب ہو جانا اور بڑے بڑے گناہوں کا بخش دیا جانا قرآن کی ان آیات سے ثابت ہے ۔ ضیاء القرآن ص ۴۵۷/۲
(۲) وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ الرعد ۶ پ ۱۳ اور اے محبوب بلا شبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے
لوگوں کے لئے ۔ ان کے ظلم زیادتی کے باوجود (۳) اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار تو اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے میں عجلت
سے کام نہیں لیتا ۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے ۔ بندے نافرمانی کرتے ہیں ۔ قصور کرتے ہیں ۔ کفر و شرک پر اڑے رہتے ہیں ۔
فسق و فجور کی انتہا کرتے ہیں ۔ لیکن وہ عفو و درگزر ہی کرتا رہتا ہے ۔ اس کا شیوہ ہی کرم کرنا اور پیہم کرم کرنا ہے ۔ کفار مکہ
نے بھی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگیں تھیں ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ
اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۳۲ انفال ۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ ۳۳
اے اللہ اگر یہی قرآن سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لا ہم پر دردناک عذاب ۔ اور نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ
کہ عذاب دے انہیں ۔ حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ۔ ان میں ۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں ۔ حالانکہ وہ مغفرت طلب
کر رہے ہوں ۔ اے میرے حبیب جب تک تیرا وجود سراپا رحمت ان میں موجود رہے ۔ ان پر عذاب نہیں اترے گا ۔ میں نے تیرے سر پر
رحمۃ اللعالمین کا تاج سجا رکھا ہے ۔ تیرے سایہ رحمت میں کفار اور عصیاں شعار سب کے لئے اس دنیا میں پناہ ہے ۔
روز محشر بھی وجہ یہی ہے ۔ کہ ان میں تیرے ایسے غلام موجود رہیں ۔ جو ہر وقت میری بارگاہ اقدس میں سر نیاز خم کرکے طلب

مغفرت کر رہے ہیں۔ کیا شان ہے اللہ کے محبوب کی۔ لاکھوں عظمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نیکوکار بندوں کی ان
کی برکت سے کافر اور نافرمان بھی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ (ضیاء القرآن ص 146/2 ج 4/5)

عزیزان گرامی ان فرامین عالیشان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے۔ اور اللہ کا پیارا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی
تو رحمۃ اللعالمین ہے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی علیہ السلام اور ہر ولی کے شفیع ہیں۔ اسی لیے آدم علیہ السلام
نے حضور علیہ السلام کا نام بطور وسیلہ پیش کیا۔ چنانچہ کہا۔ اللھم بحق محمد ان تغفرلی = استغفار کا معنی
یہ ہے کہ ہر بندہ اپنے رب کریم سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا معنی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے بندے
کے گناہ اپنے فضل و کرم سے چھپا دے۔ اور اس کی غلطیاں بندوں کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ اور نہ ہی بندے کا عیب کسی
کے سامنے ظاہر ہونے دے۔ (روح البیان ص 25/11) قیامت میں اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے کو اپنے قریب بلا کر اس
کی ستر پوشی کر کے فرمائے گا۔ بتا اے میرے بندے تو نے فلاں فلاں گناہ یاد رکھا ہے یا نہیں۔ عرض کریگا۔ اے
میرے رب مجھے یاد ہے۔ جب بندہ اپنے گناہوں کا پورے طور پر اقرار کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے میرے بندے دنیا میں
میں نے تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کی۔ آج آخرت میں تیرے گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔ جا میں نے تجھے معاف کیا۔ اور
نیکیوں کا اعمال نامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں تھما دے گا۔ روح البیان ص 36/12

عزیزان گرامی۔ یہ دنیا میں انسان مگن و مستغرق ہو کے نقصان میں ہے۔ اور اللہ سے محبت والا فرما رہا ہے جس
کے پاس ہو وہ نقصان میں نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت میں فائدہ ہے = حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔
میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہوا تھا۔ کشتی کے مالک نے کہا۔ تم میں سے ایک کشتی سے اتر جائے۔ میں اٹھ کھڑا
ہوا۔ اس نے پوچھا آپ کیوں اٹھے۔ میں نے کہا۔ میرے پاس سامان وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ اس لیے میں اکیلا نکل جاؤں گا
اور دوسروں کے پاس سامان ہے۔ وہ سامان اٹھانے میں دیر کریں گے۔ اور انہیں تکلیف بھی ہوگی۔ اس نے کہا جائیے
میں کشتی سے نکلتے وقت دل میں ہنستا جا رہا تھا۔ کہ یہی معاملہ آخرت کا ہے۔ کہ جس کے پاس سامان ہوگا وہ پریشان ہوگا
روح البیان ص 308/11 (قبر پر فرشتے چادر۔ امام جلال الدین سیوطی)۔ سو آدمیوں کا قاتل۔ مشکوۃ ص 509/1

(1) عجیب حال پریشان تو دنیا میں۔ (2) ماں سے زیادہ رحیم۔ عمر فاروق سے روایت۔ کہ قیدی۔ عورت کا بچہ۔ (3)
(3) رحم و کرم ابراہیم نے ایک بندہ کو گناہ کرتے دیکھا۔ (4) طوفان نوح اور بڑھیا۔ بندہ ہے گنہگار تو ڈرتا ہے مولا بندے پہ کرم کرتا

ابرار خطابت ص 75-76

جمعہ المبارک۔ RM = 7:7

وصال = 26-7-07 محمد ابو سعید ... کامل پیر تھے
جمعرات 10-7-28 تقریباً ۱ بجے

۲۔ (شانِ مغفرت)

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (الحجر ۳۹ - ۴۳) شیطان نے کہا اے رب اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا میں برے کاموں کو ضرور خوشنما بنا دوں گا۔ ان کے لئے زمین میں اور میں ضرور گمراہ کروں گا۔ ان سب کو۔ سوائے ان تیرے بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا۔ مگر جو تیری پیروی کرتے ہیں۔ گمراہوں میں سے۔ اور بے شک جہنم وعدہ کی جگہ ہے۔ ان سب کے لئے ——— یعنی وہ بندے جن کو تو نے اپنی عبادت و اطاعت کے لئے چن لیا۔ اور شکوک و شبہات کی آلودگیوں سے پاک و صاف رکھا۔ ان پر میرا بس نہیں چلتا۔ یہ وہ پاک لوگ ہیں۔ جن کے عزم و استقامت کے سامنے شیطان جیسا قزاق بھی ہار ماننے پر مجبور ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رض نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ شیطان نے کہا۔ یا رب وعزتک وجلالک اے رب مجھے تیری عزت و جلال کی قسم جب تک ان کی روحیں بنی آدم ما دامت ارواحہم فی اجسامہم۔ ان کے جسم میں رہیں گی۔ میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مجھے بھی اپنی عزت کی جلال کی قسم جب تک یہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔ (قرطبی) (۲) هذا کا مشار الیہ اخلاص ہے۔ یعنی جس نے بناوٹ اور ریا تکلف اور تصنع سے کلیتہً اجتناب کرتے ہوئے اخلاص کو اپنا شعار بنا دیا اس راہ پر گامزن ہوا۔ جو سیدھا اسے ہمارے پاس لے آئیگا۔ (مظہری) انسان کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے۔ انسان پر پیاس کا انتہائی شدت سے غلبہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ کاش مجھے تمام دریاؤں کے پانی مل جائیں تو میں پی جاؤں۔ ایسے حال میں شیطان اپنے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر آجاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ یہ پانی کا پیالہ ہے۔ میں تجھے دیتا ہوں۔ صرف تو ایک لمحہ کے لئے خدا کا منکر ہو جا۔ لیکن پختہ ایمان والا مومن ایسے کہتا ہے۔ کہ اے شیطان مردود یہاں سے بھاگ جا۔ مجھے تیرا پانی کی ضرورت نہیں۔ شیطان یہ جھڑکی سنتے ہی بھاگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مومن پر کیا ہوا شیطان کا آخری وار بھی خطا ہو جاتا ہے۔ (ایک بزرگ کا واقعہ) حضرت ابو زکریا زاہد رح پر نزع کی حالت میں سکراتِ موت کے وقت ان کے ایک دوست نے آپ کے پاس آکر آپ کو کلمہ طیبہ کی تلقین کی۔ تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ جب دوسری مرتبہ پھر تلقین کی۔ تو آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ جب تیسری مرتبہ تلقین کی۔ تو آپ نے کہا۔

میں نہیں کہتا۔ دوست کو یہ کلمہ شاق گزرا۔ اس ظاہری حالت پر بہت پریشان تھا۔ وہ بزرگ تھوڑی دیر کے لئے ہوش میں آئے۔ تو پوچھا کہ تم مجھے کوئی بات کہہ رہے تھے۔ حاضرین نے کہا۔ ہم نے آپ پر تین مرتبہ کلمہ شریف پیش کیا۔ لیکن آپ نے پہلے دو مرتبہ منہ پھیر لیا۔ اور تیسری مرتبہ کہا۔ میں نہیں کہتا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ مجھے آپ کے کلمہ شریف پیش کرنے کے متعلق تو علم نہیں۔ البتہ منہ پھیرنے یا انکار کرنے کا واقعہ یہ ہے۔ کہ میرے پاس شیطان آیا تھا اور پانی کا پیالہ لے کر میری دائیں جانب آیا۔ اور پیالہ کو حرکت دے کر مجھے کہنے لگا۔ کہ کیا تجھے پانی کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا حرف اتنا کہہ دو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ تو میں تجھے پانی پلا دوں گا۔ تو میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ دوسری مرتبہ وہ میرے پاؤں کی طرف آ گیا۔ اور کہنے لگا پانی کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا ہاں اس نے پھر کہا۔ حرف اتنا کہہ دو۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ تو میں تمہیں پانی دے دوں گا۔ میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے تیسری مرتبہ کہا۔ حرف اتنا کہہ دو۔ کہ خدا کوئی نہیں۔ میں نے اسے کہا۔ میں نہیں کہتا۔ تو یہ سن کر اس نے پیالہ توڑ دیا۔ اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ میرا یہ منہ پھیرنا اور یہ کہنا کہ میں نہیں کہتا۔ شیطان لعین سے تھا۔ نہ کہ تم سے۔ پھر انہوں نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

موت کا منظر ص ۹۵ بحوالہ دقائق الاخبار ص ۹ تا ۱۰

امام فخر الدین رازی رح کی وفات کا وقت قریب آیا تو نزع کی حالت میں شیطان آ گیا۔ اور کہنے لگا اے رازی کہ تم نے ساری عمر مناظرے کیے۔ کیا تو نے خدا کو پہچانا۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک خدا ایک ہے۔ اس نے کہا اس پر دلیل؟ آپ نے دلیل پیش کی۔ وہ خبیث معلم الملکوت رہ چکا تھا۔ اس نے وہ دلیل رد کر دی۔ آپ نے اور دلیل پیش کی۔ اس نے وہ بھی رد کر دی۔ حتیٰ کہ آپ نے تین سو ساٹھ دلیلیں پیش کیں۔ اس نے وہ سبھی رد کر دیں۔ اب آپ سخت پریشانی میں مایوس تھے۔ کہ اب کیا کیا جائے۔ آپ کے پیر کامل حضرت نجم الدین کبری رحمۃ اللہ دور دراز مقام پر وضو فرما رہے تھے۔ وہاں سے آپ نے آواز دی۔ کیوں نہیں۔ یہ کہہ دیتے کہ میں خدا تعالیٰ کو بغیر دلیل کے ایک مانتا ہوں۔ سلطان العارفین فرماتے ہیں۔ ہے کی ہو پایت دور گیا۔ دل ہرگز وہ نہ ہووے بسیاں کو ہاں تے مرشد وسدا میں وچ حضور دے سو۔ موت کے وقت شیطان نے ایمان برباد کر ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن مرشد کامل کے مدد سے ایمان کی حفاظت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکونوا مع الصادقین۔

ایہو تن میرا چشمہ ہووے۔ میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو۔ لوں لوں دے وچ لکھ لکھ چشماں اک کھولاں اک کجھاں ہو۔
اتنا ڈٹھیاں مینوں صبر نہ آوے۔ ہور کتے ول بھجاں ہو۔ مرشد دا دیدار ہے باہو۔ مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو۔

فرماتے ہیں کہ مرشد دا دیدار مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو۔ وجہ یہ ہے کہ حج کرنے سے کعبہ نظر آتا ہے۔ اور پیر کامل
کی زیارت سے کعبے والا مل جاتا ہے۔ ؎ پیر کامل صورتِ ظلِ الٰہ۔ یعنی دیدِ پیر دیدِ کبریا
مرشد کامل کی صورت جمال خداوندی کا ظل ہوتا ہے۔ اس لیے پیر کامل کو دیکھنا گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔ کعبہ بیت
اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ولی مظہر اللہ ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ حج
کے لئے پیدل جا رہے تھے۔ ایک صحرا میں انہوں نے ایک درویش خستہ حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ اور جب حضرت
بایزید بسطامیؒ اس فقیر کے قریب سے گزرے تو اس نے پوچھا۔ اے بایزید کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔
کہ میں حج کرنے جا رہا ہوں۔ تو اس مسافر روشن ضمیر نے فرمایا۔ کہ اے بایزید کعبے جا کر تم صرف کعبے کا طواف ہی کرو گے۔
تم میرا ہی طواف کر لو۔ اور یہ یاد رکھو۔ میرا طواف کعبے کے طواف سے بہتر ہے۔ اور کعبے جا کر تم صرف گھر ہی دیکھو گے۔
اب تم نے مجھے دیکھ لیا۔ تو سمجھو خدا کو دیکھ لیا۔ "کعبہ را یک بار بیتی گفت یار + گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار۔"
اس لیے کعبہ کو اس نے صرف ایک بار اپنا گھر کہا ہے۔ اور مجھے ہر روز ستر بار کہتا ہے اے میرے بندے۔ بزرگو[illegible]
معلوم ہوا کہ مرشد کامل کی زیارت کعبہ کی زیارت سے افضل ہے۔ الخطیب ص ۱۳۱ جلد ۱

رمضان کریم

اللہ کی محبت

یکم رمضان

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون پ۲ بقرہ۔

یوں تو سارے دن اور تمام راتیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں۔ اور وہی ہر شے کا خالق و مالک ہے لیکن اس نے بعض دنوں کو بعض دنوں پر اور بعض راتوں کو بعض راتوں پر فوقیت و فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ماہ رمضان اللہ تعالیٰ کے محبوب مہینوں میں سے مبارک مہینہ ہے۔ اس کی فضیلت و اہمیت پر قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی شہادتیں موجود ہیں۔ ۔۔۔ رمضان اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لئے خاص انعام ہے۔ یہ اسلامی سال کا نہایت اہم اور مبارک مہینہ ہے۔ رمضان گناہوں کو جلاتا ہے، نیکیوں کو بڑھاتا ہے۔ مسلمان کی شخصیت اور کردار کو نکھارتا ہے۔ محبتوں کو پھیلاتا اور نفرتوں کدورتوں کو مٹاتا ہے ہاں۔ ماہ صیام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس ماہ نور و سرور میں جنت کو آراستہ و پیراستہ کر دیا جاتا ہے۔ جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں حضور علیہ السلام پر قرآنی وحی کا آغاز فرما کر آپ کو اعلان نبوت کا حکم دیا اس امت کے لئے قرآن اور صاحب قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ جن پر اپنے خالق و مالک کا شکر گزار ہونا لازم و فرض ہے کیونکہ یہ نعمتیں کسی اور امت کو کہاں میسر ہوئیں۔ یہی تو وہ کتاب و نبی ہیں۔ جو آخری ہیں۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تاقیامت نزول شریعت اور نبوت کا دروازہ بند فرماتے ہوئے فرمایا۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اور ہم نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین منتخب فرما دیا۔ گویا رمضان المبارک کے روزے قرآن اور اعلان نبوت محمدیہ پر جشن کی بھی ایک صورت ہے۔ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ مومن حالت خوشی میں اپنے خالق کی طرف زیادہ راغب ہوں۔ اپنے مقصد تخلیق کو پہچاننے کی کوشش میں رہے۔ سورۃ نصر میں ارشاد فرمایا گیا۔ جب تمہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و فتح نصیب ہو۔ اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین کو قبول کر لیں تو۔
فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔ اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو۔
اس سے مغفرت مانگو۔ وہ نہایت ہی رحمت و مہربانی فرمانے والا ہے۔ اگر آدمی رمضان المبارک کو
اسلام کی تعلیمات کے مطابق گزارے تو پورا سال بلکہ ساری زندگی میں تبدیلی و انقلاب آ سکتا ہے
رمضان المبارک کے دامن میں کیا کیا رحمتیں برکات اور بہاریں ہیں۔ یہ تو روزہ دار ہی جانتا ہے۔
۱۔ استقبال رمضان کی پہلی محفل، جلیل القدر صحابی رسول حضرت سیدنا سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ
رسول رحمت نے شعبان المعظم کے آخری روز صحابہ کرام کو بلایا۔ اور انہیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ
درحقیقت رمضان المبارک کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔ خاص اہتمام سے بلائے گئے
صحابہ کرام کو مخاطب کر کے محبوب خدا ارشاد فرما رہے ہیں۔ لوگو۔ تم پر ایک عظمت و برکت والا مہینہ سایہ
فگن ہو رہا ہے۔ اس مہینہ کی ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے
اور اس کی راتوں میں نفل عبادت مقرر کی۔ جو کوئی اس رمضان میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل
کرنے کے لئے کوئی نیکی کرے گا۔ تو اس کو فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ اور رمضان المبارک میں فرض ادا کرنے
کا ثواب عام دنوں میں ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی
کا مہینہ ہے۔ یہ غم خواری کا مہینہ ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے۔ جس میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے
جس شخص نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو روزہ افطار کروایا تو اس کے لئے مغفرت اور جہنم کی آگ سے آزادی
کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا۔ اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہ کی جائے
صحابہ نے عرض کیا۔ کہ لیکن ہم میں سے ہر ایک کو تو کسی کو افطار کرانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ تو کیا
غریب لوگ اس عظیم سعادت سے محروم ہوں گے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا۔ جو دودھ کی تھوڑی
سی مقدار کھجور کے ایک ٹکڑے یا پانی کے ایک گھونٹ سے روزہ دار کو افطار کرا دے۔ پھر آقا علیہ السلام نے ارشاد
فرمایا۔ کہ اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے۔ درمیانی حصہ مغفرت ہے۔ اور آخری حصہ جہنم کی آگ
سے نجات کی ضمانت ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام یا نوکر کے کام میں کمی کر دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی
مغفرت فرما دے گا۔ اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی ملے گی۔

۱-۹-۱۴۳۰ اتوار

رمضان ۲ / ۱۴۳۰

یاایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام ــــــ تتقون پ۲ بقرہ ـ

487

کسی ولی یا پیر سے بیعت ہونا چاہیے۔

جواب۔ علامات شیخ کامل۔

صفت اس کی عاجزی ہے۔ اس میں حسد، بغض، کینہ وغیرہ نہیں ہوتا۔
اپنی مجالس میں اولیاء اللہ اور نیک بندوں کو یاد کیا جاتا ہے۔
خداوند کریم اور رسول اکرم کے احکام لوگوں کو بتلاتا ہے۔ عفو و درگزر
کرتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کرتا ہے۔ سلطان الاذکار
خفیہ و جہرہ کرتا ہے۔ جب اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو
اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض و اکرام سے بہرا سو حال اعلیٰ ہو جاتا ہے
معارف قدسیہ اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور فرشتہ با آواز بلند
ندا کرتا ہے۔ ھذا ولی اللہ و خلیفۃ النبی المختار۔ ایسے مرشد
طریقت سے بیعت نہایت ہی خوش بختی ہے۔

نسبت رسولی باب ۶ خطابات نظریہ۔

۱۱ — ۸ — ۲۰۱۹

١٠ — ١٢ — ١٤٤ھ

بروز اتوار [illegible] سے PM

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	علمائے کرام
۴۰۵	موت کا بیان	۱	قاری ابرار احمد قادری
۴۰۶	موت کا پیغام	۷	〃 〃 〃
۴۰۷	پیغمبر اسلام اور تعلیم نسواں	۱۵	محمد حسام اللہ شریفی
۴۰۸	راستے کے بیان	۲۳	〃 〃 〃
۴۰۹	دوران عبادت توجہ الی اللہ	۲۷	ڈاکٹر محمد طاہر القادری لاہور
۴۱۰	لفظ سبحان کے آئینے میں تقدیس خدا	۴۶	〃 〃 〃
〃	اور تقدیس مصطفےٰ کا عکس	〃	〃 〃 〃
۴۱۱	معراج النبیؐ اور دیدار الٰہی ج	۶۳	〃 〃 〃
۴۱۲	ذکر مصطفےٰ ذکر خدا ہے ج	۷۳	〃 〃 〃
۴۱۳	حضرت موسیٰؑ	۸۰	〃 〃 〃
۴۱۴	نماز کی فضیلت	۱۰۱	حسام اللہ شریفی
۴۱۵	احکام نماز	۱۰۷	〃 〃 〃
۴۱۶	حقوق اللہ	۱۱۳	〃 〃 〃
۴۱۷	نماز راہ نجات ہے	۱۱۷	〃 〃 〃
۴۱۸	مسجد کا راستہ	۱۲۱	〃 〃 〃
۴۱۹	حصول آخرت	۱۲۳	〃 〃 〃
۴۲۰	نماز ذریعہ ہدایت	۱۲۵	〃 〃 〃
۴۲۱	نمازیوں کے لئے بشارتیں	۱۲۷	〃 〃 〃
۴۲۲	نمازیوں کے لئے اجر عظیم کا وعدہ	۱۲۹	〃 〃 〃
۴۲۳	خوف و غم سے نجات کا پروانہ	۱۳۳	〃 〃 〃
۴۲۴	نمازیوں کے لیے فرشتوں کا خیر مقدم	۱۳۷	〃 〃 〃
۴۲۵	نماز کی قبولیت کا وسیلہ	۱۳۹	〃 〃 〃
۴۲۶	نماز سے خوف الٰہی نصیب ہوتا ہے	۱۴۱	〃 〃 〃

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	علمائے کرام
۴۲۷	نماز اور حصول جنت	۱۴۳	علامہ اللہ دستہ شرلفینی
۴۲۸			

تیری آنکھیں تیری زلفیں تیرا شانہ دیکھوں
بارہا خواب میں منظر یہ سہانا دیکھوں
لوگ سارے تو تیرے شہر کے دیوانے ہیں
میری خواہش ہے کہ میں تیرا زمانہ دیکھوں۔
ریت پھیلی ہوئی مکے کی گذرگاہوں پر
نیچی نظروں سے تیرا غار میں جانا دیکھوں۔
تیرے کمبل سے تیرے جسم کی خوشبو سونگھوں
تجھ پہ ~~اترا~~ اترا تھا جو حکمت کا خزانہ دیکھوں۔
جان کے دشمن تو نئے خوف سے تھرائیں مگر
معاف کرنے کا وہ انداز پرانا دیکھوں۔
چشم بینا کو خدایا وہ بصیرت دے دے
قبلہ رو شہر کے محمد کو روزانہ دیکھوں۔

جس کی خاطر یہ کائنات بنی ایسا نانا حسین کا ہے
یہ زمانہ یزید کا نہیں ہے ہر زمانہ حسین کا ہے

محبوں سے زمین پہ جبین لگتی ہے
رسول آئے تو دنیا حسین لگتی ہے.
انہی نے ہم کو بتائے ہیں عرش و فرش کے راز
انہی کے دم سے مقدس زمین لگتی ہے.

یا نبی دیکھا ہے اب تک آپ کی نعلین کا
عرش نے چوما ہے تلوا آپ کی نعلین کا

505

نشانِ محبت کے ہوں جس پر بدن میلا نہیں ہوتا ۔
اگر ہاتھ ہو کربل سے کفن میلا نہیں ہوتا ۔
علی کا نام ہی لوگو نسب پہچان لیتا ہے ۔
جہاں پر ہو مودت چلن میلا نہیں ہوتا ۔
ولاءِ مرتضیٰ رکھنے سے ہی بندہ حلالی ہے ۔
علی کا عشق ہو جس من میں وہ من میلا نہیں ہوتا ۔
مرے غازی کے پرچم کا جہاں سایہ بھی پڑ جائے ۔
قسم غازی کی وہ کنبہ کبھی میلا نہیں ہوتا ۔
مرے شبیر مولا کے قدم جس جا پہ پڑ جائیں
وہ مقتل بن جاتا ہے وہ بن میلا نہیں ہوتا ۔
تمنا ہے علی کہتا ہے جو بھی اس گھرانے کی ۔
نظر میں پاک سے رہتی ہے وہ من میلا نہیں ہوتا

۱۳ — ۱۲ — ۲۰۱۹
۱۶ — ۴ — ۱۴۴۱ جمعۃ المبارک
۶ — ۹ — ۲۸ — PM

نعت رسول

جس دل میں محمد رہتے ہیں وہ دل ہے خدا خانہ
خالی ہے جو دل اُن سے ویرانہ ہے ویرانہ
بس اتنا کرم کرنا ہے چشم کریمانہ
جب جان لبوں پر ہو تم سامنے آ جانا۔

ہم بھی اے کاش مدینے بلائے جاتے۔
شاہ کونین کے مہمان بنائے جاتے۔
اور زندگی کو بھی جینے کا سلیقہ آتا۔
رات بھر اُن کی حضوری میں جگائے جاتے۔
مرتبہ اپنا بھی شاہوں سے زیادہ ہوتا۔
اُن کی دہلیز پہ جب شاد بٹھائے جاتے۔

خاک مجھ میں کمال رکھا ہے۔ یا رسول اللہ آپ نے سنبھال رکھا ہے۔
میرے عیبوں پہ ڈال کر پردہ مجھ کو اپنے غلاموں میں ڈال رکھا ہے۔
اپنے دامن سے کر کے وابستہ ہر مصیبت کو ٹال رکھا ہے۔
میں کب کا مٹ گیا ہوتا یا رسول اللہ آپ کی محبت نے پال رکھا ہے۔

12—11—2019
١٤—٣—١٤٤١
12—2 PM اتوار

لجپالاں دا لجپال مدینے والا اے۔
اوہنوں ہم کی صبح دے نال مدینے والا اے۔
کرلے دا اوہدے سنگاں نال شنی کوئی۔
اوہدی مثل مثال نہیں ہے کوئی
بس اپنی آپ مثال مدینے والا اے۔
عشق دا رنگ وچ دل نوں رنگ لئیے۔
جے حسنین دا صدقہ منگ لئیے۔
کیہ دسنا اے حال احوال مدینے والا اے۔
قبر میں جب پوچھیں گے فرشتے اپنا تعارف پیش کرو
کہہ دوں گا کہ میں تو ہوں بس منگتا کملی والے کا۔

---o---

سارے نبیاں دا نبی توں امام سوہنا۔
کلماں تیرے تے درود سلام سوہنا۔
تیرے صدقے جہان سارا بنیا۔
تیرے واسطے قرآن سارا بنیا۔
پایا تیرے جیہا کسے نہ مقام سوہنا۔
شوقوں عرشاں تے رب نے بلایا اے۔
شان تیرے جیہا ہور کسے نہ پایا اے۔
ہوئی رب نال تیری اے کلام سوہنا۔
آئے در تے سوالی نوں نہیں موڑ دا اے۔
دل کسے وی غریب دا نہیں توڑ دا اے۔
کراں تیرا ذکر صبح و شام سوہنا۔

---o---

(1) بھیڑ میں چومی الی شاہ کی جالیاں ۔
اے نظر تیری ہمت پہ لاکھوں سلام

(2) نقشِ پا ایسے نگیں جن کو ترسے زمیں
چال کی زیب و زینت پہ لاکھوں سلام

(3) حوصلہ دینے آئے گی جو قبر میں
ایسی نادیدہ صورت پہ لاکھوں سلام

جس کو پا کر حلیمہ غنی ہو گئی
آمنہ تیری دولت پہ لاکھوں سلام

جن کے روپ اور رنگت پہ رنگیں درود
ان حسیں کی شکل و شباہت پہ لاکھوں سلام

ایک دو تین کیا لاکھوں سر کٹ گئے
ان کی مخصوص عظمت پہ لاکھوں سلام

کیجئے بیاں آ نعتیں اور کلیم
بھیجئے ان کی صورت پہ لاکھوں سلام

Ameyaw Debrah

جس میں کوسٹ اینڈ آؤٹ کا ذکر ہے

(بڑا بیٹا Adnan Khan) ذریعہ [illegible]

Mohammad Aslam Khan –

0303 – 6978557

شفیع صدیقی لکھا

۱۴-۴-۲-۹

جمعرات

(جمعرات)